صُحُفٌ مُطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

یعنی اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

تالیف

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

تصیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

سابق خطیب جامع مسجد قرآن گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

جلد دوئم

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

دفتر اوّل ——— حصہ چہارم

تالیف
مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح وحواشی وترجمہ
مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ اُردو بازار ○ لاہور
042-7352795 - 7124354

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مکتوباتِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ
مصنف	:	مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رضی اللہ عنہ
مترجم	:	مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
جلد	:	دوئم
تاریخ اشاعت	:	ستمبر 2006ء شعبان ۱۴۲۷ھ
تعداد	:	1100
ناشر	:	چوہدری غلام رسول
طباعت	:	زاہد بشیر
قیمت	:	روپے

پروگریسو بکس فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

ملنے کے پتے

اسلام بکڈپو ۱۲ گنج بخش روڈ لاہور
فون: 042-8452688

پروگریسو بکس یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 7352795-7124354

فہرست مضامین مکتوبات امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ اُردو ترجمہ دفتر اوّل حصہ چہارم

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر (۲۲۱)	
خصائص و کمالات طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں۔	۴۵۳
اس طرح کے بلند معارف کے اظہار کا سبب ان کے بعید ہونے کے باوجود۔	۴۵۴
اس طریقہ کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبر ہیں ابتداء کے انتہاء میں درج ہونے کے متعلق دو سوال اور ان کا جواب۔ اور وصل عریان کے مرادی معنی۔	.....
ذاتی و صفاتی اور اسمائی تجلّیات کے غیر متناہی ہونے کے متعلق دو اعتراض اور ان دونوں کا جواب۔	۴۵۵
تجلی کے معنی کا بیان۔	.....
اگر سوال کریں کہ ان تجلّیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہتے ہیں۔ اس کا جواب الخ۔	.....
جاننا چاہیئے کہ اس مقام میں وصل مطلوب بھی بے کیف و بے مثال ہے' اس نہایت تک پہنچنے والے اس طریقہ اور دوسرے طریقوں سے بہت ہی کم ہیں۔	۴۵۶
سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے معنی۔	.....
تفرقہ اور عدم تفرقہ منتہی کے حق میں مطلقاً برابر نہیں' لیکن اس کی نفس جمعیت میں برابری ہے۔	۴۵۷
بعض اوقات تفرقہ ظاہر کے بغیر چارہ نہیں۔	.....
بندوں کے تین حصے خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔	.....
مشائخ طریقت کی بعض عبارات کے بارے میں سوال و جواب۔	۴۵۸
یہ طریقہ تمام باقی طریقوں سے اقرب ہے۔	.....
اس طریقہ میں ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے اور انتہاء میں بے مزگی' اور فقدان ہے بخلاف دوسرے طریقوں کے۔	.....
اور اس طریقہ میں ابتداء میں قرب و شہود ہے۔ اور انتہاء میں بعد و حرمان ہے۔ اور اس معنی کا راز۔	.....
اس طریقہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور اذواق اور معارف کو علوم شرعیہ کا خادم گردانا ہے۔	۴۵۹
یہ بزرگ سماع اور رقص کو جائز نہیں رکھتے اور ذکر جہر کی طرف رُخ نہیں کرتے۔	.....
وہ تجلّی ذاتی جو دوسروں کے لیے بجلی کی طرح تھوڑے سے وقت کے لیے نمودار ہوتی ہے ان بزرگوں کو ہمیشہ کے لئے	

مضمون	صفحہ
حاصل ہے۔	.....
اس طریقہ میں پیری اور مُریدی طریقوں کے سکھانے اور سیکھنے سے ہے۔ کلاہ اور شجرہ سے نہیں۔	.....
متعدد پیر پکڑنے کے جواز کا بیان' اور اس بارے میں علماء بخارا شریف کا فتویٰ معنی پیر کا بیان۔	.....
اس طریقہ میں نفس امارہ کے مجاہدات و ریاضات' احکام شریعہ بجالانے اور روشن سنت کی پیروی کا التزام کرنے میں ہیں۔	۴۶۰
اس طریق نقشبندیہ میں طالب کو چلانا شیخ مقتدا کے تصرف سے وابستہ ہے۔ اس کے تصرف کے بغیر کام نہیں بنتا۔	.....
یہ بزرگ جس طرح نسبت عطا کرنے میں قدرت رکھتے ہیں' اسے چھین لینے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔	.....
اس طریقہ نقشبندیہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۲۲)	
خرابی احوال اور اپنے اعمال کو کم دیکھنے کے بیان میں۔	۴۶۱
ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال تک بُرائیاں لکھنے والا فرشتہ اس سے کوئی برائی صادر نہ دیکھے' جسے وہ لکھے۔	.....
یہ فقیر اپنے ذوق سے محسوس کرتا ہے کہ کافرِ فرنگ بھی اس سے کئی مرتبے بہتر ہے' اور اگر اس کی کوئی شخص دلیل طلب کرے تو یہ فقیر دلیل پیش کرنے سے عاجز نہیں ہوگا۔	.....
اس مضمون سے متعلق سوال و جواب پیر سے غائب ہونے کی صورت میں پیر سے رابطہ عظیم نعمت ہے۔	۴۶۲
قرب قلوب کے باوجود قرب ابدان کو بھی نہیں کھونا چاہیے۔	۴۶۳
مکتوب نمبر(۲۲۳)	
اظہار احوال اور اپنے پیر کی خدمت میں واقعات پیش کرنے پر اُبھارنے کے بیان میں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۲۴)	
رعایت آداب اور نصائح ضروریہ کے بیان میں۔	.....
بزرگوں نے فرمایا ہے جب دشمن لعین نیکی اور نصیحت کی راہ سے آئے تو اُس کا دفع کرنا مشکل ہوتا ہے۔	۴۶۴
فقر اور نامرادی اس گروہ کا جمال ہے اور عین سیّد کونین علیہا الصلوٰۃ السلام کی اقتدا ہے۔	.....
حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے بندوں کے رزق کا کفیل بن چکا ہے' اور ہمیں اور تمہیں اس فکر سے فارغ کر دیا ہے۔ تو اپنے متعلقین	

مضمون	صفحہ
کا غم بھی اسی کے حوالے کرنا چاہیے۔	.....
الشیخ فی قومه کالنبی فی اُمّته	۴۶۵
اکابر طریقت نے بعض مریدوں کو بعض مصلحتوں کے پیش نظر مقام پیری تک پہنچنے سے قبل ایک قسم کی اجازت دی ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۲۵)	
اس بیان میں کہ اس طریقہ کے ابتداء میں ہی وہ حالات میسّر آ جاتے ہیں جو دوسروں کو نہایت میں جا کر میسّر آتے ہیں اور احوال کا ظہور اس شخص کے کمال کو مستلزم نہیں۔	۴۶۶
مکتوب نمبر(۲۲۶)	
اس بیان میں کہ فرصت بہت تھوڑی ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مرتب ہونے والا ہے۔	۴۶۷
اہل اللہ سرہند شریف میں جمع ہونے کا بیان اور حضرت شیخ مجدّد قدس سرہٗ کی خدمت میں ان کی جمعیّت۔	.....
اہل وعیال کی رضا جوئی کے لیے اپنے آپ کو بلا اور مصیبت میں ڈالنا۔	۴۶۸
عقل دور اندیش سے بہت بعید بات ہے۔	.....
دنیا بے وفائی میں مشہور ہے اور اہل دنیا خست وکمینگی میں مشہور ہیں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۲۷)	
اِن نصائح اور مواعظ کے بیان میں جو مقام پیری سے تعلق رکھتے ہیں۔	۴۶۸
عارفین کا ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے۔ اور اس کے راز کا بیان اور اس سے دفع وہم کا بیان۔	.....
مکتوب نمبر(۲۲۸)	
ان نصائح کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتے ہیں۔	۴۶۹
اس طریقہ کا مدار دو اصول پر ہے ایک شریعت پر استقامت۔ دوم شیخ طریقت کی نسبت میں پختگی اور استحکام۔	.....
اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے تا کہ بوقت موت سلامتی ایمان نصیب ہو۔ اس وقت اجازت نامے اور مریدین کچھ کام نہیں آئیں گے۔	۴۷۰
مکتوب نمبر(۲۲۹)	
اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ حضرت خواجہ کا ہی طریقہ ہے۔ اور ہماری نسبت بھی وہی نسبت ہے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ نسبت کی تکمیل بہت سے افکار جمع ہونے سے ہوتی ہے۔	.....
شیخ علاء الدولہ نے فرمایا ہے جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے راستہ زیادہ نزدیک ہوتا جائے گا۔	۴۷۱
مکتوب نمبر(۲۳۰)	
ہمت بلند رکھئے اور جو کچھ حاصل ہو چکا	

مضمون	صفحہ
ہواس پر کفایت نہ کرنے کے بیان میں۔	۴۷۲
خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا یا سُنا گیا یا جانا گیا وہ سب غیر خدا ہے' وہ ذات تعالیٰ اس سب سے وراء الوراء ہے۔	.....
مکتوب نمبر (۲۳۱)	
درج ذیل سوالات کے جوابات میں:	.....
(۱) حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے؟	
(۲) وہ اسماء جو انبیاء کے مبادی کے تعیّنات ہیں۔ کیا وہی اولیاء کے مبادی کے بھی تعیّنات ہیں یا نہیں؟	.....
(۳) ذکر جہر سے کیوں منع کیا جاتا ہے' حالانکہ یہ شوق و ذوق پیدا ہونے کا باعث ہے؟	.....
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل مبارک دو قسم ہے' ایک بطور عبادت' دوسرا بطریقہ عرف و عادت اوّل کی مخالفت بدعت ہے۔ دوسرے کے مخالفت بدعت نہیں۔	۴۷۳
مکتوب نمبر (۲۳۲)	
کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردّی ملمع سازیوں کی قباحت کے بیان میں' اور اس کمینی دنیا کی محبت کا علاج۔	۴۷۵
مکتوب نمبر (۲۳۳)	
بعض نصائح کے بیان میں۔	۴۷۶
حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر چہ یہ بات کفر ہے کہ کوئی اپنے آپ کو اتنا اُونچا تصوّر کرنے لگے کہ اگر وہ برہم اور ناراض ہو تو سارا جہان درہم برہم ہو جائے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو ہمارے ارادے کے بغیر ہی اُونچا بنا دیا گیا ہے۔	۴۷۷
مکتوب نمبر (۲۳۴)	
اس بیان میں کہ واجب تعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے' اور تجلّی ذاتی کا بیان اور من عرفہ نفسہ' فقد عرف ربّہ' کا معنی اور آیہ کریمہ اللہ نور السّمٰوات والارض کا معنی۔	۴۷۸
صاحب فصوص کے نزدیک اعیان ثابتہ کا بیان اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حقائق ممکنات۔	۴۷۹
حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ اور اعیانِ ثابتہ۔	۴۸۰
تام المعرفت عارف جب حضرت وجود تک ترقی کرنے کے بعد عدم صرف کے مقام میں نزول فرماتا ہے الخ۔	۴۸۱
پس ناچار اس عارف کا شیطان بھی حسن اسلام پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس کا نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ بن کر اپنے مولیٰ تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔	.....
یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا	

مضمون	صفحہ
اسلم شیطانی۔	.....
یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ان معارف سے حصہ وافر حضرت امام مہدی کو حاصل ہوگا۔	.....
ممکنات بالذات شر و فساد کا محل ہیں اور ان میں کمال حضرت ذات واجب تعالیٰ کی طرف سے عاریۃً آیا ہوا ہے۔	۴۸۲
عدم صرف کے وجود صرف کے ساتھ رنگین ہونے کے متعلق سوال و جواب۔ اور ایک اور سوال و جواب متعلق باتصاف عدم کہ معقول ثانی ہے، وجود خارجی کے ساتھ۔	.....
ایک اور سوال و جواب جو صفات حقیقہ کے مرتبہ ظلال میں ہونے سے متعلق ہے، اور مرتبہ اصل میں ان کے وجود کا نہ ہونا۔	۴۸۳
من عرف نفسه فقد عرف ربه اور آیه کریمه الله نور السمٰوات والارض کا معنی من فسّر القرآن برایه فقد کفر	.....
ممکنات کے اصول اور ذوات عدمات محض ہیں۔ اور ممکنات کے نقائص ان عدمات کے مقتضی۔	۴۸۴
حسن و قبح کے مصداق کا بیان، اور نکاح میں لائی جانے والی خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں کے لیے آرائش و زیبائش کے جواز کا سبب۔	.....
ایاکم والمردفان فیهم لونا کلون الله ما الدنیا و الآخرة الاضرتان.	۴۸۵
کمینی کی مذمت۔	۴۸۶
شیخ محی الدین بن عربی کے نزدیک حقائق ممکنات یہ علوم و معارف کہ کسی بھی اہل اللہ نے ان کے متعلق لب کشائی نہیں فرمائی۔ اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد منصفہ شہود پر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔	.....
ہر سو سال کے بعد اس امت کے علماء میں سے کسی کو مجدد مقرر کرتے ہیں خاص کر ہزار سال گزرنے کے بعد۔	۴۸۷
عارف تام المعرفت جب عروج و نزول کے مراتب طے کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرماتا ہے۔ تو تمام کمالات اس میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔	۴۸۹
عدم کے وجود کا آئینہ ہونے سے متعلق ایک سوال و جواب۔	.....
ان الہامات کے وساوس شیطانی میں سے نہ ہونے بلکہ علوم ربانی میں سے ہونے کی دلیل۔ اور ان علوم کے اظہار کی وجہ۔	.....
مکتوب نمبر (۲۳۵)	
اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت دنیوی اور اُخروی سعادتوں کا سرمایہ ہے۔	۴۹۰
اگر جہاں بھر کی تاریکیاں باطن میں ڈال دیں لیکن اس محبت کو قائم اور ثابت رکھیں تو کوئی غم نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر پہاڑوں کی مقدار میں	

مضمون	صفحہ
انوار واحوال دل میں ڈالیں لیکن ایک بال برابر اس محبت میں فرق ڈال دیں تو یہ سراسر خرابی ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۳۶)	
بعض اسرار کے بیان میں۔	۴۹۱
تمہیں ولایت موسوی میں پایا اور وہاں سے کھینچ کر ولایت محمدیہ خاصہ کے دائرہ میں داخل کیا۔ اب بیس روز سے زیادہ دن ہو رہے ہیں کہ تمہیں اپنی گود میں رکھ کر پرورش کر رہا ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۳۷)	
روشن سنت کی متابعت اور طریقہ نقشبندیہ کی مدح کے بیان میں۔	۴۹۲
اس طریقہ کے اکابر کو اگر سنت کی پابندی کے ساتھ احوال و مواجید سے مشرف فرماتے ہیں تو یہ اُسے عظیم نعمت جانتے ہیں۔ اور اگر اس پابندی میں فتور پاتے ہیں تو احوال کو پسند نہیں کرتے۔	.....
ہندوستان کے برہمن اور جوگی اور یونان کے فلاسفہ تجلّیات صوری اور علوم توحیدی کا کافی حصہ رکھتے ہیں۔ لیکن خرابی کے سوا نہیں کچھ حاصل نہیں۔	.....
اس طریقہ سے منسلک رہنے والے پر اولاً موافق آرا سے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی درستی لازم ہے۔ دوسرے فرض' واجب' سنت اور مستحباب کا علم' تیسرے درجے میں علوم صوفیہ کی نوبت آتی ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۳۸)	
اس میں کہ دینی بھائیوں کی تعداد زیادہ بنانے میں بہت سی اُمیدیں ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ مُریدوں کے احوال پیروں کی رکاوٹ کا باعث بن جائیں اور عجب اور خودستائی میں مبتلا کر دیں۔ مُریدون کے احوال پیروں کی ترقی کا باعث بنتے ہیں نہ کہ تنزل کا۔	۴۹۳
یہ بھی چاہیے کہ مثلاً طریقہ قادریہ اور نقشبندیہ میں خلط ملط نہ ہو۔	۴۹۴
مکتوب نمبر(۲۳۹)	
ان استفسارات کے جواب میں جو مکتوبات الیہ نے کیے تھے۔	۴۹۵
احوال سے مقصود محول احوال (خدا تعالیٰ) کے ساتھ گرفتاری ہے۔	.....
مخلص لوگوں کی لغزشیں معاف ہیں۔	
جو بھی مقبول ہوتا ہے بلاعلّت اور بلاعلّت ہی ہوتا ہے۔	.....
ہر کام میں استخارہ کرنا مسنون ہے اور استخاروں کی تعداد اور ان کے نتیجہ کا بیان۔	.....
اسی قبیلہ سے ہیں وہ امدادیں جو روحانیت اکابر سے افعال اجسام کی طرح ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا۔	۴۹۶
مکتوب نمبر(۲۴۰)	
اس راہ کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ کے بعض	

مضمون	صفحہ
فوائد کے بیان میں۔	.....
جو کچھ دید و دانش میں آئے نفی کرنے کے قابل ہے۔	۴۹۷
دوسری نصیحت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت ہو اور اپنے احوال کو اصول شرعیہ کے ساتھ مطابق لکھا جائے۔	.....
مکتوب نمبر(۲۴۱)	
بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۴۲)	
بعض سوالات کے جواب میں۔	۴۹۸
اس بات کا جواب کہ اسم ذات کے ساتھ شغل کب تک ہوتا ہے۔ اور اس سے کتنی مقدار میں حجاب دور ہوتے ہیں اور نفی و اثبات کس حد تک ہیں' اور اس کلمہ سے کتنی مقدار میں حجاب دور ہوتے ہیں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۴۳)	
طریقہ نقشبندیہ اختیار کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ فنا کے بغیر اخلاص میسّر نہیں آتا۔	۴۹۹
اس بلند طریقہ کے اکابر کی عادات کا بیان۔	.....
ماسوا اللہ کے نقوش ان اکابر کے باطن سے اس طرح زائل ہو جاتے ہیں' کہ اگر ہزار بھی تکلف کے ساتھ حاضر کرنا چاہیں تو حاضر نہیں ہوتے اور ان اکابر کے لیے تجلی ذاتی دائمی ہے	۵۰۰
مکتوب نمبر(۲۴۴)	
اس خط کے جواب میں جو مکتوب الیہ نے اپنی خرابی احوال کے بارے میں تحریر کیا تھا۔	۵۰۱
مکتوب نمبر(۲۴۵)	
ان استفسارات کے جواب میں' جو مکتوب الیہ نے کیے تھے۔	۵۰۲
ذکر اللسان لقلقہ و ذکر القلب وسوسہ و ذکر الروح شرک و ذکر السر کفر۔	.....
حضرت امام غزالی ابو علی سینا کی تکفیر کے قائل ہیں۔	۵۰۳
مکتوب نمبر(۲۴۶)	
اس مقام کے حصول کے بیان میں جس کا میر نعمان امیدوار اور منتظر تھا۔	.....
مکتوب نمبر(۲۴۷)	
اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلیل بھی خود اس کا اپنا وجود ہے۔	۵۰۵
عرفت ربی بفسخ العزائم لابل عرفت فسخ العزائم بربی	.....
مکتوب نمبر(۲۴۸)	
اس بیان میں کہ انبیاء کی متابعت کرنے والے کاملین کو انبیاء کے تمام کمالات سے حصہ ملتا ہے۔ اور کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس بات کی تحقیق کی تجلی ذاتی جو آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے' کس	

مضمون	صفحہ
معنی سے ہے۔	۵۰۶
مکتوب نمبر(۲۴۹)	
سید الاوّلین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل کے بیان میں۔	۵۰۸
مکتوب نمبر(۲۵۰)	
استفسارات کے جواب میں۔	۵۰۹
نسبت اگر چہ جہالت اور حیرت تک لی جاتی ہے۔لیکن اچھی ہے۔	.....
زاد وراحلہ کی موجودگی میں اس زمانہ میں حج کے لیے جانا فرض ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواب۔	.....
مکتوب نمبر(۲۵۱)	
خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخین کے فضائل اور حضرت امیر کے بعض خصائص اور تمام صحابہ کرام کی تعظیم کے بیان میں۔ اور ان کی باہمی لڑائیوں کی صحیح توجیہات کے بیان میں۔	۵۱۰
حضرات شیخین انبیاء سابقین کے درمیان حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ذوالنورین حضرت نوح کے ساتھ اور حضرت علی حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔	.....
خلفاء اربعہ کے تعینات کے مبادی صفہ العلم ہے۔	.....
اور یہ صفت حضرت محمد حضرت ابراہیم حضرت نوح علیہم السلام کا رب ہے۔	.....
حضرات شیخین نبوت کے بوجھ کے حامل ہیں اور حضرت علی ولایت کے بوجھ کے اور حضرت ذوالنورین دونوں طرف کے بوجھ کے حامل ہیں۔	۵۱۱
اس وجہ کے بیان میں کہ حضور علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملّت کی متابعت کا حکم کیوں دیا گیا۔	.....
اکثر سلاسل صوفیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف منسوب ہونے کی وجہ۔	.....
حضرات شیخین کے ان کمالات کا بیان جو کمالات نبوت کے مشابہ ہیں۔	.....
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک دروازہ جنت پر ثبت ہے۔	۵۱۲
جنت میں داخلہ حضرات شیخین کی رائے اور تجویز سے ہوگا۔	.....
حضرت مہدی موعود بھی نسبت نقشبندیہ پر ہوں گے۔ اور اس نسبت کی تکمیل کریں گے	۵۱۴
مقامِ اقطاب' ابدال اور اوتاد کی تربیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کے سپرد کی گئی ہے۔	۵۱۵
قطب الاقطاب کا سَر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک کے نیچے ہے۔	۵۱۵

مضمون	صفحہ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور شان کا بیان۔	.....
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے خطا پر تھے۔	۵۱۶
کسی بھی صحابی کو گالی دینے والے کا حکم۔	.....
لفظ جور کی تاویل جو بعض فقہا سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق واقع ہوا ہے۔	۵۱۷
حضرت امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔	۵۱۹
مکتوب نمبر (۲۵۲)	
استفسارات کے جواب میں۔	۵۲۱
مکتوب نمبر (۲۵۳)	
سوالات کے جواب اور اس راہ کی بے نہایتی کے بیان میں۔	.....
شیخ ادریس کے اس قول کا جواب کہ میں اگر جانب زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین مجھے نظر نہیں آتی۔ اور اسی طرح آسمان، عرش اور کرسی الخ کو بھی نہیں پاتا۔ اور اسلام، رضا اور اطمینان کے مقام کا بیان۔ نیز ایک سالک کے قول کا بیان کہ میں تیس سال روح کی پرستش کرتا رہا۔	.....
مکتوب نمبر (۲۵۴)	
رسالہ مبدء و معاد کی عبارت کے متعلق بعض سوالات کو جواب۔	۵۲۳
مکتوب نمبر (۲۵۵)	
روشن سنت کے زندہ کرنے کے بیان میں۔	۵۲۴
حضرت امام مہدی مدینہ کے کے ایک عالم کے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے جو آپ کے بارے میں زبان طعن دراز کرے گا۔	.....
مکتوب نمبر (۲۵۶)	
قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی کا بیان۔ اور اس حدیث کی تحقیق لو اتزن ایمان ابی بکر مع ایمان امتی لرجح۔	۵۲۵
صاحب فتوحات مکیہ فرماتے ہیں۔ ما من قریة مومنة او کافرة الا و فیها قطب.	۵۲۶
عارف کا معاملہ اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں تمام گزشتہ کمالات حاصل کر لیتا ہے اور فقیر کے نزدیک ایک لمحہ میں سابقہ کمالات سے زیادہ کمالات حاصل کر لیتا ہے۔	.....
فرعون مردود کے ہاتھ سے قتل ہونیوالے تمام بچوں کی استعداد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل کر دی گئی اور اس کے راز کا بیان۔	۵۲۷
مرید بھی پیروں کے کمالات کا ذریعہ بنتے ہیں۔	.....
وفات کے بعد ولایت کے سلب ہو جانے	

مضمون	صفحہ
کا بیان جیسا کہ فتحات میں مذکور ہے مگر چار اشخاص سے۔	.....
مستورات کی بیعت کا حکم اور نحوست ایام کا بیان۔اور ایّام اللّٰہ والعبادُ عبادُ اللہ کی تحقیق۔	۵۲۸
مکتوب نمبر(۲۵۷)	
طریقے کا بطریقہ اجمال بیان۔	.....
مکتوب نمبر(۲۵۸)	
حق تعالیٰ کی اقربیت کے بیان میں۔	۵۳۰
مکتوب نمبر(۲۵۹)	
ارسالِ رُسل کرام اور پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے کے خصوصی حکم اور زمانہ فترت کے مشرکین اور دارالحرب میں اطفالِ مشرکین کا بیان اور سرزمین ہندوستان میں بعثت انبیاء اور دیگر تحقیقات کا بیان۔	۵۳۱
پہاڑ کی چوٹی میں عمر گزارنے والے اس شخص کے بارے میں جس کو دعوت انبیاء نہ پہنچی ہو' تریدیہ اور اشاعرہ اور صاحب فتوحات اور خاص حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے مذہب کا بیان۔	۵۳۲
مکتوب نمبر(۲۶۰)	
حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے طریقہ کے بیان میں جس کے ساتھ آپ ممتاز ہیں اور ولایت صغریٰ اور ولایت کُبریٰ اور ولایت عُلیا کے بیان میں اور نبوت کی ولایت پر افضلیّت اور لطائف عشرہ انسانی اور عالم خلق کے عالم امر پر افضلیت کے بیان میں۔اور عنصر خاک کے کمالات اور ہر مقام کے مناسب علوم غریبہ کے بیان میں۔	۵۳۵
فھو سبحانہ وراء الوراء ثم وراء الوراء	
اس مقام میں ایک سالک نے کہا ہے کہ میں تیس سال روح کو خدا تصوّر کر کے اس کی پرستش کرتا رہا۔	.....
تو اس قول کا کچھ معنی نہیں کہ اولیاء کی ابتداء انبیاء کی نہایت ہے۔	.....
خام صوفی اور بے مقصد عالم فرائض تو ضائع کرتے ہیں اور نوافل کو رواج دینے میں کوشش کرتے ہیں۔نہیں جانتے کہ ایک فرض کا ادا کرنا ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔	۵۴۹
اگرچہ تمام فرائض قرب اصلی عطا کرتے ہیں لیکن ان سب میں افضل نماز ہے۔	۵۵۰
فضائل نماز اور عالم خلق کی عالم امر کی فضیلت کا بیان۔	.....
جس عارف کو بھی امر سے مناسبت زیادہ ہوگی اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ آگے بڑھا ہوگا۔اور جسے عالم خلق سے مناسبت زیادہ ہوگی اس کا قدم کمالات نبوت میں آگے ہوگا۔	.....
شرح صدر حاصل ہونے کے بعد نفس مطمئنہ	

مضمون	صفحہ
کے کمالات کا بیان۔	۵۵۱
نبوت کے کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ پائے جاتے تھے اور تابعین اور تبع تابعین میں قلیل مقدار میں۔ ان کے بعد کمالات نبوت روپوش ہو گئے' اور ایک ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت از سرِ نو تازہ ہوئی۔	۵۵۲
ان علوم کا بیان جو کمالات نبوت سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان علوم کا بیان جو کمالات ولایت کے مناسب ہیں۔	۵۵۳
اس بلند طریقہ نقشبندیہ کا بیج بخارا شریف اور سمرقند سے لایا گیا۔ اس سرزمین' ہندوستان میں یثرب و بطحا کی خاک سے لاکر بویا گیا۔	۵۵۴
اس راہ میں چلنا اِن اِن صفات والے شیخ مقتدا کی محبت و عقیدت کے ساتھ مربوط ہے۔	.....
اس طرح نقشبندیہ میں زندے مردے بچے' بوڑھے' جوان اور ادھیڑ عمر والے سب برابر ہیں۔	۵۵۵
اس سلسلے کا نور ہدایت اس کے مریدین میں بے واسطہ اور بالواسطہ اور کئی واسطوں سے اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک اس مخصوص طریقہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔	.....
احکام اجتہادیہ امور محدثہ نہیں ہیں بلکہ دین کے اصول میں سے ہیں۔	۵۵۶
وہ قطب ارشاد جو کمالات فردیت کا بھی جامع ہو نہایت ہی نادرالوجود ہے۔ زمانہائے دراز گزرنے کے بعد ایسا موتی ظہور فرماتا ہے اور ایمان اور رشد و معرفت اس کے راستہ سے آتی ہے۔	.....
اس بات کی تفصیل کہ کون اس سے فیض یاب ہوتا ہے اور کون اس کے فیض سے محروم رہتا ہے۔	.....
مکتوب نمبر (۲۶۱)	
فضائل نماز اور اس کے ضمن میں اس کے کمالات مخصوصہ کے بیان میں۔	۵۵۸
یہ وہ کمال ہے جو ہزار برس کے بعد ضمن وجود میں تشریف لایا ہے۔ اور وہ آخیر ہے۔ جو اولیت کے رنگ میں برامد ہوا ہے۔	۵۶۰
طریقت اور حقیقت شریعت کی خادم ہیں اور نبوت ولایت سے بہر حال افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہی ہو۔	۵۶۱
مکتوب نمبر (۲۶۲)	
اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط حسّی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی۔ اس میں قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔	۵۶۲
مکتوب نمبر (۲۶۳)	
نماز کے فضائل اور ان معارف کے بیان میں جو کعبہ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں۔	.....

مضمون	صفحہ
حقائق الٰہی سے مراد اس کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں اور حقائق الٰہی کا کچھ حصہ آخرت کے حصے سے کچھ نصیب ہوتا ہے۔	۵۶۳
مکتوب نمبر (۲۶۴)	
اس بیان میں کہ اپنے معاملے کو حیرت اور جہالت تک لے جانا چاہیے۔ اور بعض مشائخ کے ایک واقع کا بیان اور اس کی تعبیر۔	۵۶۴
مکتوب نمبر (۲۶۵)	
اس بیان میں کہ عزلت اور خلوت نشینی کی صورت میں مسلمانوں کے حقوق پامال نہیں ہونے چاہییں۔ اور حقوق کا بیان۔	۵۶۶
دعا کی قبولیت کے شرائط۔	
خلوت اغیار سے چاہیے نہ کہ دوستوں سے۔	۵۶۷
خلوت نشینی کے لیے نیت درست ہوئی چاہیے اور جمعیت باطن کو اپنا مقصود قرار دینا چاہیئے۔	۵۶۸
مکتوب نمبر (۲۶۶)	
آرا سے اہل سنت کے موافق بعض عقائد اور رد فلاسفہ اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات کے بیان میں۔	.....
اس فقیر نے اس طریقہ میں الف و با اور اس راہ کے حروف تہجی کا سبق اور نہایت کے ہدایت میں درج ہونے کی دولت اور سفر در وطن حضرت خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا اور حاصل کیا۔ آپ نے تھوڑے عرصہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا۔	۵۶۹
عقلمندوں پر فرض اولین عقائد کی درستی ہے	
عقیدہ (۱) اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس کے ساتھ موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اس کی ایجاد سے وجود میں آئی۔	۵۷۰
عقیدہ ۲ صفۃ العلم کا بیان۔	.....
صفۃ الکلام اور صفۃ التکوین کا بیان۔	.....
عقیدہ ۳ وہ ذات تعالیٰ کسی شے میں حلول نہیں کر سکتی اور نہ کوئی شے اس میں حلول کر سکتی ہے۔	۵۷۳
عقیدہ (۳) احاطہ اور قرب اور معیت حق تعالیٰ کا بیان۔ احاطہ اور قرب علمی کا قائل ہونا متشابہات کی تاویل میں داخل ہے اور ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔	۵۷۴
اذا تم الفقر فھو اللہ کا معنی	.....
قول انا الحق سے کیا مراد ہے۔	.....
عقیدہ (۴) اس کی ذات اور صفات میں تغیر و تبدل کی کچھ گنجائش نہیں۔	.....
عقیدہ (۵) وہ ذات غنی مطلق ہے ذات میں بھی اور صفات میں بھی اور افعال میں بھی۔	.....
عقیدہ (۶) وہ ذات تعالیٰ تمام صفات	

مضمون	صفحہ
نقص اور حدوث کے نشانات سے منزہ ہے	۵۷۵
صفات کی عینیت اور غیریت کا بیان اور اس مسئلہ میں تفصیل مذاہب۔	.....
عقیدہ (۷) اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے غیر کو قدم اور ازلیت حاصل نہیں۔ اور شیخ ابن العربی ارواح کاملین کے قدم کا قائل ہے۔	۵۷۶
عقیدہ (۸) اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے۔ شائبہ ایجاب و بے بسی سے منزہ ہے۔ اور فلاسفہ کے مذہب کا رد۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت افلاطون کا قول۔	.....
شیخ محی الدین ابن العربی کی عبارات ایجاب کو ظاہر کرتی ہیں۔	۵۷۸
شیخ محی الدین ابن عربی کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا عقیدہ۔	.....
عقیدہ (۹) تمام ممکنات' جواہر ہوں یا اعراض عقول ہوں یا نفوس' افلاک ہوں یا عناصر سب قادر مختار ذات کی ایجاد سے عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ اور اپنے وجود اور بقا میں اس ذات سبحانہٗ کے محتاج ہیں۔	۵۷۹
انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اسباب کی رعایت فرماتے ہیں۔ اور ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔	.....
اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں جس طرح کہ ناقص لوگوں کا گمان ہے۔	۵۸۰
عقیدہ (۱۰) اللہ تعالیٰ خیر و شر دونوں کا ارادہ فرماتا ہے اور دونوں کا خالق ہے۔ لیکن خیر سے راضی اور شر سے راضی نہیں۔ اور معتزلہ کے مذہب کا بیان اور کسب اور خلق کے درمیان فرق۔	۵۸۱
ایک معین وقت تک کے اعمال پر ہمیشہ کی جزا بالکل موافق و مطابق جزا ہے۔ اور اس کی وجہ کا بیان۔	.....
بہشت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے۔ اور ایمان اس کا فضل ہے اور دوزخ میں جانا کفر کی وجہ سے ہوگا۔ اور کفر خواہش نفسانی سے پیدا ہوتا ہے۔	۵۸۲
عقیدہ (۱۱) آخرت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی رویت بے جہت اور بے کیف حاصل ہوگی۔	.....
مسئلہ رویت میں شیخ محی الدین ابن العربی کا مذہب۔	.....
عقیدہ (۱۲) بعثت انبیاء اہل جہاں کے لیے رحمت ہے۔	۵۸۳
اس مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اور بعثت انبیاء کے فوائد کا بیان۔	.....
عقول انسانی احکام شرعیہ کی شناخت اور اشیاء کے حسن و قبح کے دریافت کرنے میں تصفیہ اور تزکیہ کے باوجود کافی نہیں ہیں۔	۵۸۴
ملحد اور بے دین لوگوں کا رد جو تکلیفات	

مضمون	صفحہ
شرعیہ کے منکر ہیں۔ان پر معترض ہیں۔	۵۸۵
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دینا اور اس میں خطا اجتہادی پر قائم رہے بغیر خطا اجتہادی کو جائز رکھنا۔	۵۸۶
عقیدہ (۱۳۔۱۴) کافروں اور کچھ نافرمان مومنوں کے لیے عذاب قبر حق ہے۔اور قبر میں منکر و نکیر کا سوال کرنا بھی برحق ہے۔	.....
عقیدہ (۱۵) قیامت کا اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ آنا برحق ہے۔	۵۸۷
عقیدہ (۱۶) حساب' میزان اور پل صراط حق ہے۔	۵۸۸
عقیدہ (۱۷) بہشت اور دوزخ اس وقت موجود ہیں۔قیامت کے روز محاسبہ کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں اور ایک کو دوزخ میں لے جائیں گے۔	.....
صاحب فصوص کہتا ہے انجام کار سب کو اللہ کی رحمت شامل ہو جائے گی اور اس کے قول کا ردّ۔	.....
عقیدہ (۱۸) ملائکہ خدا تعالیٰ کے بندے ہیں اور گناہوں سے معصوم۔	۵۹۰
عقیدہ (۱۹) دین اس چیز سے متعلق تصدیق قلبی سے عبادت ہے جو ہدایت اور تواتر کے ساتھ پہنچی ہے۔	۵۹۲
اس تصدیق کی علامت کفر اور اور کافری اور کفر کے خصائص و لوازمات سے اظہار بیزاری ہے۔	.....
اس اظہار بیزاری کا ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ	
فرقہ شیعہ کا اس تبری کے معنی میں غلطی کھا جانا کوئی عقلمند اس بات کو جائز تسلیم نہیں کر سکتا کہ حضور کے صحابہ کرام حضور کے اہلبیت کے دشمن ہوں۔	.....
حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بزرگی اور شان پائی اس کا سبب یہی تھا۔کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔اور ان سے کنارہ کشی اختیار کی۔	۵۹۳
اس فقیر کی نظر میں رضائے خداوندی کے حصول کے لیے اس بیزاری کے برابر کوئی کام نہیں۔	.....
حق تعالیٰ کو کفر و کافری سے ذاتی عداوت ہے لہٰذا آخرت میں کافروں کو رحمت سے کچھ حصہ نصیب نہیں ہوگا۔	.....
حدیث سبقت رحمتی غضبی کا معنی۔اس مسئلہ سے متعلق سوال و جواب۔	۵۹۴
ایک شخص کے حال کا بیان جو قریب المرگ تھا اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اس کے حال پر توجہ۔	۵۹۵
ان مسلمانوں کی نماز جنازہ کا جواز جو ایمان کے باوجود اہل کفر کی رسوم کے مرتکب ہوتے ہیں۔	.....
فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب چاہئے	

مضمون	صفحہ
کچھ وقت کے لیے ہو چاہے ہمیشہ کے لیے کفر اور صفات کفر اور اہل کبائر کے ساتھ مخصوص ہے۔	۵۹۶
اس مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اور مسلمان کو عمداً قتل کرنے والے کا حکم۔	.....
ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی تحقیق	
ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کی تحقیق اور اس مسئلہ میں مذاہب علماء کی تفصیل۔ اور اس مسئلہ میں امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا رد۔	۵۹۸
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا مومن حقاً اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انا مومن ان شاء اللہ تعالیٰ فی الحقیقت ان دونوں بزرگوں میں نزاع لفظی ہے۔	.....
عقیدہ (۲۰) اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق۔	.....
عقیدہ (۲۱) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں افضلیت کی ترتیب ان کی خلافت کی ترتیب سے ہے۔	.....
شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے۔	۶۰۰
لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت تو اکثر علمائے اہلسنت اس پر ہیں کہ شیخین کے بعد فضیلت میں پہلے حضرت عثمان ہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما۔	.....
حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول من علامات السنة تفضيل الشيخين و محبة الختنين کی مراد کا بیان۔	.....
اس مذکورہ ترتیب سے افضلیت کے منکر کا حکم۔	۶۰۱
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف خلفائے راشدین کی بے ادبی کے ذریعہ پہنچتی ہے وہ اسی طرح کی ہے جو آپ کو حضرت امام حسن و امام حسین کی بے ادبی کے ذریعہ پہنچتی ہے۔ یہاں افضلیت سے مراد خدا تعالیٰ کے ہاں کثرت ثواب کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ فضائل و مناقب کے ظہور کی کثرت کے معنی ہے۔	۶۰۱
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے فضائل کے متعلق روایات جس قدر حضرت علی کے متعلق آئی ہیں، کسی صحابی کے متعلق نہیں آئیں۔	۶۰۲
وہ شخص احمق ہے جو تمام خلفائے راشدین کو مرتبے میں برابر جانے۔	.....
صاحب فتوحات مکیہ کے اس قول کی مراد کا بیان کہ خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت کا سبب ان کی عمریں تھیں۔	.....
علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے	

مضمون	صفحہ
کہ صحابہ کرام میں جو جھگڑے واقع ہوئے وہ خلافت میں نزاع کے باعث نہیں تھے بلکہ خطا اجتہادی کی بنا پر تھے۔	.....
ہماری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں سے کوئی آشنائی نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں ہم کو رنج محسوس ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ جنگ کرنے والے بھی حضور کے صحابہ ہیں الخ۔	۶۰۳
حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر اس سے زیادہ کچھ کہنا نامناسب ہے۔	۶۰۳
درستی عقائد کے بعد احکام فقیہہ کے سیکھنے سے بھی چارہ نہیں نیز اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔	۶۰۴
فضائل نماز سب سے اوّل وضو نہایت درستی اور کامل طریقہ پر کرنا چاہیے۔	.....
کسی بھی مستحب امر کو معمولی خیال نہ کریں۔	.....
اگر تمام دنیا کے مقابلہ میں ایسا فعل معلوم ہو جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کے مطابق عمل نصیب ہو جائے تو یہ غنیمت ہے۔	.....
اس کا اہتمام ہونا چاہیے کہ کوئی بھی فرض نماز بے جماعت ادا نہ ہو۔ بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اوّل بھی فوت نہیں ہونی چاہیے۔	.....
رکوع اور سجدہ میں اطمینان کو ملحوظ رکھنا یا فرض ہے یا واجب۔ اور قومہ میں سیدھا کھڑا ہونے کی شکل میں طمانیت کی ادائیگی جو فرض یا واجب یا سنت ہے۔ اور اسی طرح جلسہ میں۔	.....
نماز میں بندہ نظر کہاں رکھے اور اس کے فوائد کا بیان۔	.....
ان دو اعتقادی اور عملی پَروں کو حاصل کرنے کے بعد طریقہ صوفیہ میں سلوک اختیار کرے۔ کسی زائد چیز کو حاصل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اس یقین کو حاصل کرنے کے لیے جو تشکیک مشکک سے زائل نہ ہو۔	۶۰۵
طریقہ صوفیہ میں سلوک سے مقصود یہ نہیں کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ لہو و لعب میں داخل ہے۔ حسی صورتوں اور انوار کے مشاہدہ میں کیا نقصان ہے کہ کوئی الخ۔	.....
صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا بہت اچھا اور بہتر ہے اور اس بہتری کی وجہ۔	۶۰۶
حضرت خواجہ باقی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ کمال کو ڈانٹنا جس نے کھانا شروع کرتے وقت بلند آواز سے بسم اللہ کہی تھی۔	.....
حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ علماء	

مضمون	صفحہ
بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں لے گئے تا کہ انہیں ذکر جہر سے منع کریں۔	.....
وہ احوال و مواجید جو خلاف شرع کاموں پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج میں داخل ہوں۔ اہل استدراج کو احوال و مواجید میسر آتے ہیں۔ یونان کے حکما اور ہندوستان برہمن اور جوگی بھی اس معنی میں شریک ہیں۔	.....
صدق احوال کی علامت یہ ہے کہ ایک تو وہ علوم شرعیہ کے موافق ہوں۔ دوسرے صاحب احوال امور محمدیہ کے ارتکاب سے بچتا ہو۔	.....
اس بات کو جان لیں کہ سماع اور رقص فی الحقیقت لہو ولعب میں داخل ہیں۔	.....
اس امر کا بیان کہ خدا تعالیٰ کے ارشاد و من الناس من یشتری لھو الحدیث سے مراد صحابہ کرام تابعین عظام اور فقہائے ذوالاحترام کی نقل کے مطابق گانا بجانا ہے۔	.....
حل وحرمت کے بارہ میں صوفیہ کا عمل حجت نہیں۔ اس مقام پر امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول درکار ہے۔ نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل۔	۶۰۸
اس وقت کے خام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص وسرود کو دین وملت کو قرار دے لیا ہے۔	.....
مکتوب نمبر (۲۶۷)	
اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ نے جن اسرار و دقائق کے ساتھ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو نوازا ہے اس کا تھوڑا سا حصہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ رمز و اشارہ سے بھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہ اسرار و معارف سینہ نبوت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اور بلند شان والے ملائکہ بھی اس دولت میں شریک ہیں۔	۶۰۹
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم حاصل کیے الخ۔	۶۱۰
طریقت کی برکات اس وقت تک فائض ہوتی رہتی ہے۔ جب تک اس میں کوئی بدعت پیدا نہ ہو۔	.....
مکتوب نمبر (۲۶۸)	
اس بیان میں کہ وہ علم جو وراثت انبیاء ہے کون سا ہے۔ اور حدیث علماء اُمتی کانبیاء نبی اسرائیل میں علما سے کون سے علماء مراد ہیں۔ اور اس بیان میں کہ علم اسرار جو وراثت کے طور پر ابھی باقی ہے وہ ان اسرار کے علاوہ جن کو اولیاء اُمت نے بیان کیا ہے۔	.....
عالم وارث وہ ہے' جسے دونوں قسم	

مضمون	صفحہ
کے علوم سے حصّہ ملا ہو۔ نہ کہ وہ عالم جس کو ایک نوع سے تو حصّہ ملا ہو اگر دوسری نوع سے نہ ملا ہو۔	۶۱۱
ایک جماعت نے کمالات نبوت تک نارسائی کے باعث کہا ہے۔ الولایۃ افضل من النبوۃ اور ایک دوسری جماعت نے اس کی توجیہہ یوں کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ ان دونوں گروہوں نے حقیقت نبوت سے ناواقفیت کی بناء پر غائب پر حکم لگایا ہے۔	۶۱۲
صحو کو سکر پر ترجیح بخلاف بعض مشائخ کے	.....
کفر اور جہل مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام و معرفت مرتبہ نبوت سے مناسبت رکھتے ہے۔	.....
منصور حلاج کا قول کفرت بدین اللہ والکفر واجب۔ الخ	.....
سوال و جواب۔	۶۱۳
انبیاء کرام نے یہ تمام بزرگی اور بلندی شان جو پائی ہے راہ نبوت سے پائی ہے نہ راہِ ولایت سے۔ تمت بالخیر۔	.....
و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ و نور عرشہٖ سیّدنا و مولانا محمد و الہ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.	

☆☆☆

اُردو ترجمہ مکتوبات حصہ چہارم (۴)

دفتر اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکتوب نمبر (۲۲۱)

سید حسین مانک پوری کی طرف صادر فرمایا:

طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی خصوصیتوں اور کمالات کے بیان میں یعنی اس طریق کے افضل ہونے اور دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں مندرج ہونے اور اس طریق کے انتہا کے بیان میں۔ اور سفر در وطن اور خلوت در انجمن اور سکوک پر جذبہ کے مقدم ہونے کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ اس طریق میں سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ اور یہ طریقہ موصلِ الی اللہ طریقوں میں سب سے اقرب ہے اور یہ طریقہ ایسا ہے کہ اس کی ابتداء میں حلاوت اور وجدان ہے۔ اور انتہا میں بیمزگی اور فقدان جونا اُمیدی کے لوازم سے ہے۔ اور ایسے ہی اس طریق کے ابتداء میں قرب وشہود ہے اور انتہا میں بُعد وحرمان اور اس طریقہ کے بزرگ واروں نے احوال ومواجید کو احکام شرعی کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق ومعرفتوں کو علوم دینی کا خادم قرار دیا ہے اور اس طریقہ میں پیری ومُریدی طریقت کے سیکھنے اور سکھانے پر ہے نہ صرف کلاہ وشجرہ پر۔ اور اس طریقہ میں نفسِ امّارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجادے احکام شرعی کے بجالانے اور سنّت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لازم پکڑنے سے ہیں۔ اور اس طریق میں سالک کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف پر منحصر ہے اور جس طرح یہ بزرگوار نسبت کے عطا کرنے میں کامل طاقت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اس نسبت کے سلب کرنے میں بھی پُوری پُوری طاقت رکھنے میں اور اس طریق میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ اور خاموشی اس طریق کے لوازمات سے ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ○

میرے عزیز بھائی! سیادت پناہ میر سیّد حسین نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہ کیا ہوگا۔ اور اس طریقہ عُلیہ کے آداب کی رعایت کی جو مشائخ کرام کے تمام طریقوں سے کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ ہاتھ سے نہ دیا ہوگا۔ چونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت کم ملی۔ اس لیے مطلب کو مدنظر رکھ کر اس طریقہ علیہ کی بعض خصوصیتوں اور کمالات کو علوم بلند و معارف ارجمند کے ضمن میں لکھتا ہے۔

اگر چہ معلوم ہے کہ اس قسم کے علوم و معارف کا سمجھنا بالفعل سننے والوں کے فہموں سے بعید ہے لیکن ایسے معارف اختیار کرنا دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ سننے والے کو ان علوم کو استعداد ہے اگر چہ اس کو بالفعل دور از کار دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر چہ ظاہر میں مخاطب لعین ہے۔ لیکن حقیقت میں مخاطب وہ شخص ہے جو اس معاملہ سے واقف ہے۔ اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ (تلوار مارنے والے کے لیے ہے) مثل مشہور ہے۔

اے برادر! اس بلند طریق کے سرحلقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تحقیقی طور پر تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔ اور اسی اعتبار سے اس طریق کے بزرگ داروں کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور اور آگاہی ہے بعینہٖ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت اور حضور ہے۔ جو تمام آگاہیوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اس طریق میں نہایت اس کے ابتدا میں مندرج ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو ابتدا میں درج کرتے ہیں ع

قیاس کن گلستانِ من بہار مرا

میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

اور اگر کوئی پوچھے کہ جب دوسروں کی انتہا ان کے ابتداء میں مندرج ہوئی تو پھر ان کی انتہا کیا ہوگی۔ نیز جب دوسروں کی نہایت وصول بحق ہے۔ تو پھر ان کو حق سے آگے کہاں تک میسّر ہوگا۔ حالاں کہ لَیْسَ وَرَاءُ الْعُبَّادَانِ قَرْیَۃٌ (جزیرہ عُبّادان کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں ہے) مثل مشہور ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ:

اس طریقہ علیہ کی نہایت اگر میسر ہو جائے وصل عریانی ہے۔ جس کے حاصل ہونے کی علامت مطلوب کے حاصل ہونے سے نا اُمیدی کا حاصل ہونا ہے۔ پس اس سے سمجھ لے۔ کیونکہ ہمارا کلام وہ اشارات ہیں جن کو خواص بلکہ اخص میں سے بہت تھوڑے سمجھتے ہیں۔ اس اعلیٰ دولت کے حاصل ہونے کی علامت اس واسطے بیان کی ہے کہ اس گروہ میں سے بعض نے وصل عریانی کا دم مارا ہے۔ اور بعض مطلوب کے حاصل ہونے سے نا اُمیدی کے قائل ہوئے ہیں۔ لیکن اگر دونوں دولتوں کا جمع ہونا ان کے پیش کیا جائے تو نزدیک ہے ان کے جمع ہونے کو جمع

ضدین خیال کریں۔ اور محالات کی قسم سے جانیں۔ وہ جماعت جو وصل کا دعویٰ کرتی ہے۔ یاس کو حرمان جانتی ہے۔ اور وہ گروہ جو یاس کے مدعی ہے وصل کو عین فضل خیال کرتا ہے۔ یہ سب کچھ اس بلند مرتبہ تک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس عالی مقام کا ایک پرتو ان کے باطن پر چمکا ہے۔ جس کو بعض نے وصل خیال کیا ہے اور بعض نے یاس۔ اور یہ تفاوت ہر ایک گروہ کی استعداد سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل ہے اور دوسرے گروہ کی استعداد کے مناسب یاس۔

اس حقیر کے نزدیک وصل کی استعداد سے یاس کی استعداد بہت اچھی ہے۔ اگرچہ وصل و یاس ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں۔ اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی روشن ہو گیا۔ کیونکہ وصل مطلق اور ہے اور وصل عریاں اور۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور وصل عریانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ حجاب سب کے سب اُٹھ جائیں۔ اور تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں اور چونکہ ہر قسم کی تجلیات اور مختلف قسم کے ظہورات بہت بڑے اور قوی حجاب ہیں۔ اس لیے ان سب تجلیات وظہورات سے گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے۔ خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو۔ خواہ وجوبی مظہروں میں۔ کیونکہ اصل حجابوں کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر کچھ فرق ہے تو شرف اور رتبہ میں ہے۔ اور وہ طالب کی نظر سے خارج ہیں۔

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے۔ حالانکہ مشائخ طریقت نے تصریح کی ہے کہ تجلیات کی نہایت نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجلیات کا بے نہایت ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اسماء صفات میں سیر مفصل طور پر واقع ہو۔ اس تقدیر پر حضرت ذات تک پہنچنا میسر نہیں ہے۔ اور وصل عریانی حاصل نہیں۔ بلکہ حضرت ذات تک پہنچنا اسماء وصفات کو مجمل طور پر کرنے سے وابستہ ہے۔ پس اس وجہ سے تجلیات کی نہایت ہوگی۔ اور اگر کہا جائے کہ تجلیاتِ ذاتیہ کو بھی بے نہایت کہا ہے۔ چنانچہ مولوی جامی قدس سرہٗ نے شرح لمعات میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس تجلیات کی نہایت کہنا کس وجہ سے درست ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تجلیات ذاتیہ بھی شیون واعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس ملاحظہ کے بغیر تجلی کا ہونا ممکن نہیں اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیات کے ماوراء ہے۔ خواہ وتجلیات صفاتی ہوں خواہ ذاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں۔ اس لیے تجلی پر تجلی کا ہونا مراد ہے' شے کے ظہور سے جو دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں ہو۔ جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور یہاں سب مراتب ساقط ہو گئے ہیں اور تمام مسافت طے ہو چکی ہے۔

اور اگر یہ پوچھیں کہ ان تجلیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ تجلیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں' تو تجلیاتِ صفات ہیں۔ اور اگر غیر زائدہ معانی کے مُلاحظہ سے ہیں۔ تو تجلیات ذات

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وحدت کے ظہور کو جو تعین اوّل ہے۔ اور ذات پر زائد نہیں ہے۔ بزرگوں نے تجلّی ذات کہا ہے۔ اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ وتقدس ہے جہاں معانی کے ملاحظہ کو ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ خواہ وہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد۔ کیونکہ معانی سب کے سب مجمل طور پر طے ہو کر حضرت ذات تعالیٰ تک وصول میسر ہوا ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی طرح بیچگون ہے۔ اور وہ اتصال جس کو عقل سمجھ سکے وہ بحث سے خارج ہے اور اس جناب پاک کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے لَا یَحْمِلُ عَطَایَا الْمَلِکِ اِلَّا مَطَایَاہُ ''بادشاہ کے عطیّوں کو اُسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔''

اتّصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس رابا جان ناس

اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی جان سے بے کیف اور بے قیاس اتصال ہے۔

اس طریقہ علیہ کے مشائخ میں سے کسی نے اپنی نہایت کی خبر نہیں دی ہے۔ سب نے اپنے طریق کے ابتدا کی نسبت کہا ہے کہ نہایت اسی میں مندرج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا ملی ہوئی ہو۔ تو ان کی نہایت بھی اسی بدایت کے مناسب ہونی چاہیے۔ اور وہی ہے۔ جس کے ظاہر کرنے سے اس فقیر نے امتیاز حاصل کیا ہے۔

اگر بادشاہ بردرِ پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اے خواجہ اگر بڑھیا کے دروازہ پر بادشاہ تشریف لائے تو تجھے غصّے میں آ کر اپنی ڈاڑھی نہیں نوچنی چاہیے۔

لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَلْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

اے برادر! اس طریق سے اور دوسرے طریقوں سے اس نہایت کے واصل بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اگر ان کے افراد کی تعداد ظاہر کریں، تو نزدیک ہے کہ نزدیک لوگ دوری اختیار کریں اور بعیدوں کے انکار سے تو کچھ تعجب ہی نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے صدقہ سے نہایت النہایت تک کمال وصول کے سبب سے ہے۔

اور اس طریقہ علیہ کی خصوصیتوں میں سے ایک سفر در وطن ہے۔ جو سیر انفسی سے مراد ہے۔ اگرچہ سیر انفسی مشائخ کے تمام طریقوں میں ثابت ہے۔ لیکن وہ سیر سیر آفاقی کے قطع کرنے کے بعد نہایت میں میسر ہوتا ہے۔ اور اس طریق میں ابتدا اس سیر سے ہے۔ اور سیر آفاقی اسی سیر کے ضمن میں قطع ہو جاتا ہے۔ پس اس سیر کا منشا جو ابتدا میں حاصل ہوتا ہے۔ ابتدا میں انتہا کا مندرج ہونا ہے اور دوسرا خاصہ خلوت در انجمن ہے۔ جو سفر در وطن پر متفرع و مرتب ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہو جائے۔ خلوت در انجمن اس کے ضمن میں میّسر ہو جائے گا۔ پس انجمن کا تفرقہ سفر در وطن کے خلوت خانہ میں تفرقہ میں ڈالتا۔ اور آفاق کا تفرقہ انفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت در انجمن اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو حاصل ہے لیکن اس طریق میں چونکہ ابتدا ہی میں میّسر ہو

جاتی ہے اس لیے اس طریق کے خاصوں میں سے ہے۔

اور جاننا چاہیے کہ خلوت در انجمن اس تقدیر پر ہے کہ وطن کے خلوت خانہ کے دروازوں کو بند کیا ہو اور تمام سوراخوں کو مسدود کر دیا ہو۔ یعنی انجمن تفرقہ میں کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور متکلم ومخاطب نہ ہو نہ یہ کہ آنکھ کو ڈھانپے اور جو اس کو تکلف کے ساتھ بیکار کرے۔ کیونکہ یہ بات اس طریق کے منافی ہے۔

اے برادر! یہ سب حیلہ وتکلف ابتدا اور وسط ہی میں ہے۔ اور انتہا میں اس قسم کا حیلہ وتکلف درکار نہیں ہے۔ عین تفرقہ میں جمعیت ہے۔ اور نفس غفلت میں حاضر ہے۔ اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ منتہی میں تفرقہ و عدم تفرقہ مطلق طور پر مساوی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تفرقہ وعدم تفرقہ اس کے باطن کے نفس جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کرلے اور ظاہر سے بھی تفرقہ کو دفع کر دے تو پھر بہت ہی بہتر اور مناسب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو امر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ وَاذْكُرِ [1] اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا.

''اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے توڑ کر اس سے جوڑ۔

جاننا چاہیئے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں۔ پس تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے۔ لیکن تفرقہ باطن کسی وقت میں جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کے لیے ہے۔

پس مسلمان بندوں سے تین حصے خدائے تعالیٰ کے لیے مقرر ہوئے۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے ایک نصف۔ اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لیے باقی رہا۔ لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے امر کی بجا آوری ہے اس لیے وہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔

إِلَيْهِ [1] يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

سب کام اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ پس اسی کی عبادت کر اور اسی پر توکل کر اور تیرا رب اس سے جو تم کرتے ہو غافل نہیں۔

اور اس طریق میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالم امر سے ہے۔ برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے کہ ان کے سیر کی ابتدا عالم خلق سے ہے۔ اور اس طریق میں سلوک کی منزلیں جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں قطع ہو جاتی ہیں۔ اور عالم خلق کا سیر عالم امر کے سیر میں میسر ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے بھی کہیں کہ اس طریق میں انتہا ابتدا میں درج ہے تو گنجائش رکھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابتدا کا سیر اس طریق میں انتہا کے سیر میں مندرج ہے نہ یہ کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لیے اُتر آتے ہیں۔ اور نہایت کا سیر تمام کرنے

---

[1] سورہ مزمل پارہ تبارک الذی ۱۲

[1] سورہ ہود پارہ ۱۲۔

کے بعد بدائت کا سیر کرتے ہیں۔

اس مضمون سے اس شخص کا خیال باطل ہوگیا جو یہ کہتا ہے کہ اس طریق کہ انتہا دوسرے مشائخ کا طریقوں کی ابتدا ہے۔

اور اگر کوئی کہے کہ اس طریقہ کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں واقع ہے کہ اسماوصفات میں ان کا سیر ان کی نسبت کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے۔ پس درست ہوا کہ ان کی نہایت دوسروں کی ہدایت ہے کیونکہ اسماءوصفات کا سیر تجلیات ذاتیہ کے سیر کی نسبت عین ابتدا ہے۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کا سیر اسماوصفات میں تجلیات ذاتیہ کے سیر کے بعد نہیں ہے۔ بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہوجاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سیر اسمائی وصفاتی کسی عارضہ کے پیش آنے کے باعث ظہور کرتا ہے۔ اور تجلیات ذاتی کا سیر پوشیدہ ہوجاتا ہے۔ تو خیال میں آتا ہے کہ اس سیر کو تمام کرکر عارضہ کے باعث تجلیات اسمائی و صفاتی میں داخل ہوگیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں ولایت کے مدارج میں سیر پُورا کرنے کے بعد خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کے لیے عالم کی طرف جوُرجوع واقع ہوتا ہے اگر اس رجوع کو ان کی نہایت سمجھ کر اپنی بدایت تصور کیا ہو۔ تو بعید نہیں۔ لیکن فقیر کیا کہے۔ جب کہ اس کے مشائخ نہایت میں ہی رجوع رکھتے ہیں۔ اور نیز نہایت و بدایت سے مراد ولایت کا نہایت و بدایت ہے۔ اور یہ رجوع کا سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ مرتبۂ دعوت وتبلیغ کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور بیشک مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند یہ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے۔ اور فرمایا حق تعالیٰ سے میں نے ایسا طریق طلب کیا ہے جو بے شک موصل ہے۔ اور آپ کی یہ التجا قبول ہوگئی ہوئی ہے۔

چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہ طریقہ کیونکر اقرب اور موصل نہ ہو جب کہ انتہا اس کے ابتدا میں مندرج ہے وہ شخص بہت ہی بدقسمت ہے جو اس طریق میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے۔ ع

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

سُورج کا کیا قصور اگر کوئی خود ہی نابینا ہو۔

ہاں اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ پڑ جائے تو طریق کا کیا گناہ ہے اور طالب کا کیا قصور۔ کیونکہ حقیقت میں اس طریق کا رہبر موصل ہے نہ نفس طریق۔ اور اس راہ میں ابتدا میں حلاوت ووجدان ہے اور انتہا میں بیمزگی اور فقدان، جو نا اُمیدی کے لوازمات میں سے ہے۔ برخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ابتدا میں بے مزگی اور فقدان رکھتے ہیں اور انتہا میں حلاوت ووجدان اور ایسے ہی اس طریق کے ابتدا میں قرب وشہود ہے اور انتہا میں بُعد وحرمان۔ برخلاف دوسرے مشائخ کرام کے طریقوں کے۔

پس اس مضمون سے طریقوں کے فرق کو قیاس کرنا چاہیئے۔ اور اس بلند طریق کی بزرگی کو معلوم کرنا چاہئے کیونکہ قرب وشہود اور حلاوت و وجدان دوری اور مہجوری سے خبر دیتے ہیں۔ اور بُعد و حرمان اور بحلاوتی اور فقدان نہایت قرب سے خبر دیتے ہیں۔ عقلمند لوگ اس بات کس سمجھتے ہیں۔

اس بھید کی شرح میں اس قدر بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کے لیے اپنے نفس سے زیادہ تر اپنے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ اور قرب وشہود اور حلاوت و وجدان اس کے لیے اپنے نفس کے حق میں مفقود ہیں اور اپنے غیر کی نسبت جس سے بیگانگی رکھتا ہے۔ یہ سب نسبتیں موجود ہیں۔ فَالْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْإِشَارَةُ پس عقلمند کے لیے ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

اور اس طرح طریقہ عُلیہ کے بزرگواروں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم بنایا ہے۔

احکامِ شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و مقلہ کے عوض ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کے کلمات سکریہ پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے۔ اور ان کے احوال کو جو شرعی ممنوعات اور سنت سنیہ کے خلاف اختیار کرنے سے حاصل ہوں۔ قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہیں چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سماع و رقص کو پسند نہیں کرتے۔ اور ذکر جہر کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے اور ان کا وقت استمراری۔ وہ تجلّی ذاتی جو دوسروں کو برق خاطف کی طرح ہے۔ ان کے لیے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان بزرگواروں کے نزدیک بے اعتبار ہے۔ بلکہ ان کا معاملہ حضور و تجلّی سے برتر ہے۔ جیسے کہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ عُلیہ کے خواجگان قدس سرہم ہر ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے' ان کا کام اس سے بلند تر ہے۔ اور اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے۔ حتّٰی کہ ان میں سے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مُرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے۔ اور آداب پیری کے اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے۔ یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے۔ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے۔ اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے۔ بلکہ پیر اوّل کی حین حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے اس بات کی تجویز کے لیے علمائے بخارا سے اس بات کا فتویٰ درست فرمایا تھا۔ ہاں اگر ایک پیر سے خرقہ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ ارادت نہ لے۔ اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے۔ بلکہ روا ہے کہ خرقہ ارادت ایک سے لے۔ اور

طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے۔ اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے میسّر ہو جائیں تو زہے قسمت ونعمت اور جائز ہے کہ مشائخ متعدّدہ سے تعلیم وصحبت کا استفادہ کرے۔

جاننا چاہیے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہٗ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے۔ کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے۔ برخلاف پیر خرقہ کے۔ پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہیے۔ اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے۔ اور اس طریق میں ریاضتیں اور مجاہدے نفس امّارہ کے ساتھ احکام شرعی کے بجالانے اور سنّت سنیہ علےٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کو لازم پکڑنے سے ہیں۔ کیونکہ پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے نفس امّارہ کی خواہشوں کی دُور کرنا مقصود ہے جو اپنے مولائے جل شانہٗ کی دشمنی میں قائم ہے۔ پس نفسانی خواہشوں کا دُور ہونا احکامِ شرعی کے بجالانے پر وابستہ ہے۔ جس قدر شریعت میں راسخ اور ثابت قدم ہوگا۔ اُسی قدر خواہش نفس سے دُور تر ہوگا کیونکہ نفس پر شریعت کے اوامر ونواہی کے بجالانے سے زیادہ دشوار کوئی چیز نہیں ہے۔ اور صاحب شریعت کی پیروی کے سوا کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو سنت کی تقلید کے سوا اختیار کریں وہ معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی اور ہندو اور برہمن اور یونان کے فلسفی اس امر میں شریک ہیں اور وہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتیں اور سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اور اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کی تقلید پر منحصر ہے۔ اس کے تصرف[1] کے بغیر کچھ کام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ابتدا میں نہایت کا درج ہونا اسی کی شریف توجہ کا اثر ہے اور بیچونی اور بیچگونی کا حاصل ہونا اسی کے کمال تصرف کا نتیجہ ہے۔ بے خودی کی وہ کیفیت جس کے لیے اُنہوں نے مختص راستہ اختیار کیا ہے اس کا حاصل ہونا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور وہ توجہ جوشش جہت سے معرّا ہے۔ اس کا وجود طالب کے حوصلہ سے باہر ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برانداز رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور وآگاہی بخش دیتے ہیں۔ اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پُوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں۔ ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے بچائے۔[2]

---

[1] معلوم ہوا ولی اللہ کا تصرف کرنا برحق ہے۔ ۱۲

[2] اولیاء اللہ کی قدرت وطاقت کے منکر امام ربانی کے ان کلمات کا غور سے مطالعہ کریں۔

اور اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے۔ ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا۔ وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا۔ اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے۔ اور اسم وصفت سے سوائے ذات سے کچھ نہیں چاہتے اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گُنگا ہونا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کُلَّ لِسَانَہٗ (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی) اس بات کی مصداق ہے۔

اب ہم اس گفتگو کو اللہ کی حمد اور اس کے حبیب کی صلوٰۃ پر ختم کرتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاہِرِیْنَ وَ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ.....

''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور حضرت سیّد المرسلین اور آپ کی آل پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔''

مکتوب نمبر (۲۲۲)

خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

احوال کی خرابی اور اپنے حسنات کو کم دیکھنا اور متہم رکھنا اور اس دید قصور کا ولایت کے کمالات کے ساتھ جمع ہونے بلکہ اس دید کا ان کمالات کا اثر ہونے اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِکَ وَ ثَبِّتْنَا عَلٰی طَاعَتِکَ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ	یا اللہ تو ہم کو اپنی رضا مندی کی توفیق بخش۔ اور حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مرید صادق وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے اس کے عمل نامہ میں کچھ لکھنے نہ پائیں اور یہ فقیر پر تقصیر ذوق سے اپنے حق میں معلوم کرتا ہے کہ کاتب یمین معلوم نہیں کہ بیس سال مدت میں بھی کوئی ایسی نیکی پائے جو اس کے عمل نامہ میں درج کرے خدائے تعالیٰ جانتا ہے کہ فقیر اس بات کو بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہتا۔ اور نیز از روئے ذوق کے معلوم کرتا ہے کہ کافر فرنگ اس سے کئی درجے بہتر ہے اور اس کا باعث پوچھیں تو جواب سے عاجز نہیں ہے۔ اور نیز ذوق کے طریق پر اپنے آپ کو برائیوں کا احاطہ کیے ہوئے جانتا ہے۔ اور گناہوں کو شامل کیے ہوئے خیال کرتا ہے۔ اور وہ نیکیاں جو سرزد ہوتی

۳ یہ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

ہیں۔ اپنے کاتب شمال کو ان کے لکھنے کا زیادہ مستحق پاتا ہے۔ اور معلوم کرتا ہے کہ اس کا کاتب شمال ہمیشہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور کاتب یمین معطل و بیکار ہے اور دائیں طرف کے عمل نامے کو خالی اور سفید اور بائیں طرف کے عمل نامہ کو بھرا ہوا اور سیاہ جانتا ہے۔ رحمت کے سوا اسے کوئی امید نہیں اور مغفرت کے سوا کوئی وسیلہ نہیں جانتا۔

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ	یا اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔ اور مجھے اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت پر زیادہ اُمید ہے۔

اس کے حال کے موافق ہے۔

عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کے فیوض و وارادات جو ہمیشہ کمال اور تکمیل کے درجوں میں فائض اور وارد ہیں وہ اس دید قصور کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس عیب بینی کو تقویت دیتے ہیں۔ اور بجائے غرور کے منقصت زیادہ کرتے ہیں' اور بجائے رفعت و تکبر کے تواضع اور فروتنی کو بڑھاتے ہیں۔ اور ایک ہی وقت میں کمالات ولایت سے بھی مشرف ہے اور دید قصور سے بھی موصوف ہے۔ یہ فقیر جس قدر بلند جاتا ہے۔ اُسی قدر زیادہ نیچے اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی اوپر جانا زیادہ نیچے دیکھنے کا سبب ہوا ہے۔ دانا اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ اور اگر اس بات کا بھید معلوم کریں۔ تو پھر شاید یقین کرلیں۔

سوال: ان دو متنافی باتوں کے جمع ہونے کا کیا سرّ ہے۔ اور ایک متنافی کو وُجود دوسرے متنافی کے وجود کا کیوں سبب ہے؟

جواب: دونوں متنافی چیزوں کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جب کہ محل دونوں کا واحد ہو اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں محل متعدد ہیں۔ انسان کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالم امر کے لطائف ہیں۔ اور نیچے آنے والے عالم خلق کے لطائف جس قدر بلند جاتے ہیں۔ اسی قدر عالم خلق سے زیادہ بے مناسب ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی بے مناسبتی عالم خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے۔ اور عالم خلق جس قدر زیادہ نیچے آتا ہے۔ اُسی قدر سالک کو زیادہ بے مزہ کرتا ہے۔ اور عیوب و قصور کی دید زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منتہی مرجُوع اس لذت و حلاوت کی آرزو کرتے ہیں جو ابتدا میں ان کو حاصل ہوئی تھی۔ اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی اور اس کی جگہ بے مزگی آ گئی اور یہی وجہ ہے کہ عارف اپنے آپ سے کافر فرنگ کو بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ کافر میں اس کے عالم امر کے عالم خلق میں ملنے کے سبب سے نور الٰہی ظاہر ہے۔ اور عارف میں یہ ملاوٹ دُور ہو چکی ہے۔ عالم خلق تنہا جس کے باعث عارف سے افاسرزد ہوتا ہے' جدا رہ گیا ہے۔ جو سراسر ظلمت و کدورت سے پر ہے۔ اور عالم امر کے لطائف خواہ کتنے ہی نیچے آئیں۔ عالم خلق کے ساتھ کوئی اختلاط نہیں رکھے اور کچھ ملاوٹ حاصل نہیں کرتے' جیسے کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

وہ مکتوب جو برادرم خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ آپ نے بھیجا تھا۔ رابطہ[1] کا حاصل ہونا جو پُوری مناسبت پر مبنی ہے۔ غیبت کے زمانہ میں بڑی نعمت سمجھیں اور مواقع کے دُور ہونے تک لوں کے قرب پر کفایت کریں۔ اور اس قرب کے باوجود بدنوں کے قرب کی خواہش کو ہاتھ سے نہ دیں۔ کیونکہ پوری نعمت اس قرب پر موقوف ہے۔

خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو باوجود قرب قلبی کے چونکہ قرب بدنی حاصل نہ ہوا۔ اس لیئے ان لوگوں میں سے ادنیٰ آدمی کے درجے کو بھی نہیں پہنچا۔ جن کو قرب بدنی حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا سونے کا پہاڑ خرچ کرنا ان کے ایک سیر بھر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۳)

احوال و واقعات کو شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب میں خواجہ جمال الدین حسین کولابی کی طرف صادر فرمایا ہے:

برادرم خواجہ جمال الدین حُسین نے مدّت سے اپنے احوال کی کیفیت سے اطلاع نہیں دی۔ آپ نے نہیں سُنا کہ مشائخ کبرویہ اُس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات کو اپنے شیخ کی خدمت میں عرض نہ کرے۔ کفِ پا' فرماتے ہیں۔ خبر جو کچھ ہوا' ہوا۔ پھر ایسا نہ کریں۔ اور جو کچھ ظاہر ہوتا رہے' لکھتے رہا کریں۔ میرے بزرگ بھائی کا مبارک آنا غنیمت سمجھیں اور ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشش کریں۔ اور ان کی بزرگ صُحبت کو بڑا عزیز جانیں۔ ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں

ہم نے تجھے مقصود کے خزانے کا نشان بتا دیا ہے والسّلام

مکتوب نمبر (۲۲۴)

آداب کی رعایت کرنے اور آزار کے ظن کے دُور کرنے میں جس کا وہم ہوا تھا۔ اور احتیاط کا امر کرنے اور تعلیم طریقت کے بارہ میں تاکید کرنے۔ اور فقر کی سختی اور نامرادی برداشت کرنے۔ اور بعض ان نصیحتوں اور تنبیہوں کے بیان میں جو اُس مکتوب کی پشت پر مُلا یار محمد قدیم کی طرف لکھیں تھیں میر محمد نعمان بدخشی کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی یعنی سیادت پناہ میر محمد نعمان کا مکتوب شریف وصول ہوا۔ ان مقدمات کا مضمون جو آپ نے ترتیب دیے تھے۔ اور ان شکوک کا مطلب جو آپ نے لکھے تھے۔ واضح ہوا لوگ آپ کو زمانہ کا

---

[1] تصوّر شیخ کامل۔

عاقل کہتے ہیں۔ پھر اس قسم کی باتیں اُس شخص کے ساتھ جس سے چارہ نہیں ہے درمیان لانی کیا مناسب ہیں۔ جب کہ اس سے قطع نہیں کر سکتے اور مفارقت نہیں حاصل کر سکتے۔ باوجود ان باتوں کے خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کا غبار آیا ہو جس کا انجام آزار ہو۔ چہ جائے کہ بیزاری کی نوبت پہنچے۔ آپ کی خوبیاں نظر کے سامنے ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ کسی طرح اپنے دل کو پریشان نہ رکھیں۔ اور کسی وجہ سے اس طرف کا آزار تصور نہ کریں۔ کیونکہ کسی وجہ سے آزار واقع نہیں ہے۔ اور آزار کیسے متصور ہو۔ جب کہ آزار کا موجب منتفی ہے۔ وہ امور جو بشریت کے لحاظ سے بھول چوک سے سرزد ہوں مواخذہ کے لائق نہیں ہیں۔ آزار کا وہم دل سے دور کر کے طریقت کی تعلیم دینے اور طالبوں کے فائدہ پہنچانے میں سرگرم رہیں۔ اور استخاروں کا حکم اس امر کی تاکید کے لیے ہے نہ کہ اس امر کی نفی کے لیے۔ کیونکہ جب شیطان لعین اور نفس بدترین اس مسکین کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تو پھر بڑی احتیاط اور تاکید سے کام لینا چاہیے ایسا نہ ہو کہ مکر و حیلہ سے پھسلا دیں اور اپنے ڈھکوسلوں اور فریبوں سے بُرائیوں کو نیکیوں کی صورت میں ظاہر کریں۔

اور بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ دشمن لعین جب طاعت و نصیحت کے رستہ سے آئے تو اُس کا دفع کرنا بہت مشکل ہے۔ پس ہمیشہ روتے اور التجا کرتے رہیں۔ اور بڑی عاجزی و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہیں کہ اس راہ سے آپ کی خرابی اور استدراج مطلوب نہ ہو۔ استقامت کا طریق یہی ہے جو سعادت ابدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

دوسرے یہ امر ہے کہ فقر و نامرادی اس گروہ کا جمال اور حضرت سید الکونین ﷺ کی اقتدا ہے۔ حضرت حق تعالیٰ اپنے کمال کرم سے اپنے بندوں کی روزی کا ذمہ دار ہوا ہے اور ہم کو اور آپ کو اس فکر و تردّد سے فارغ ہو کر دیا ہے۔ جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے اسی قدر رزق زیادہ ہوگا۔ آپ جمعیّت کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں متوجہ ہوں۔ اور متعلقین کا غم حق تعالیٰ کے کرم کے حوالہ کر دیں باقی ملاقات کے وقت۔

بعض یاروں نے اس طرف آئے تھے ظاہر کیا کہ ابھی تک آزار کا وہم میر کے دل میں متمکن ہے اس لیے تاکید اور مبالغہ سے لکھا گیا ہے کہ آزار کے وہم کو دُور کر دیں۔

دوسرے یہ کہ ایک خط مُلّا یار محمد قدیم کی طرف لکھا تھا' جو پند و نصیحتوں پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہی ہوتا ہے کہ اس خط کا مضمون اس کی طبیعت کے موافق نہیں آیا۔ کیونکہ اس کا جواب نہیں دیا۔ اور دعا تک نہیں کی اُسے پسند نہ آئے تو نہ آئے۔ وہ لوگ جو اس فقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ اگر اُن کی غلطی اور خطا کو انہیں نہ جتلائے اور حق کو باطل سے جُدا نہ کرے تو اپنے ذمّہ سے کس طرح بری ہوگا اور آخرت میں کیا منہ دکھائے گا۔ آپ اس سے کہہ دیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

میں شرطِ تبلیغ کے تحت..... یہ کہہ رہا ہوں تو خواہ میری باتوں سے نصیحت گیر ہو خواہ ملال کر۔

جاننا چاہیے کہ شیخ بننے اور حق کی طرف خلق کو دعوت کرنے کا مقام بہت ہی عالی ہے آپ نے سُنا ہوگا کہ اَلشَّیْخُ[1] فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ ۔ ''شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں۔'' ہر بے سروسامان کو اس بلند مرتبہ سے کیا مناسبت ہے۔

ہر گدائے مرد میدان کے شود
پشۂ آخر سلیمان کے شود

ہر گدا اگر مرد میدان نہیں ہوسکتا۔ مچھر آخر سلیمان کیسے بن سکتا ہے۔

احوال و مقامات کا مفصّل علم ہونا اور مشاہدات و تجلّیات کی حقیقت کا پہچاننا۔ اور کشوف و الہامات کا حاصل ہونا۔ اور واقعات کی تعبیر کا ظاہر ہونا۔ اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔ وَبِدُوْنِھَا خَرْطُ الْقَتَاد ۔ ''اور ان کے بغیر بے فائدہ رنج و تکلیف ہے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ طریقت کے بزرگوار قدس سرہم بعض مُریدوں کو پیشتر اس کے کہ وہ مقامِ شیخی تک پہنچیں، کسی مصلحت اور بہتری کے لیے ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں۔ اور ایک طرح تجویز فرماتے ہیں کہ طالبوں کو طریقہ دکھائیں تاکہ احوال و واقعات پر اطلاع پائیں۔

اس قسم کی تجویز میں شیخ مقتدا کو لازم ہے کہ اس مُرید مُجاز کو اس کام میں بڑی احتیاط سے کام کرنے کا حکم کرے، اور تاکید کے ساتھ غلطی کے مواد کو ظاہر کردے۔ اور بار بار ان کے نقص پر اطلاع دے۔ اور مبالغہ کے ساتھ ان کا ناقص ہونا ظاہر کردے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے ظاہر کرنے میں سُستی کرے تو خیانت ہے۔ اور اگر مرید کو وہ باتیں بُری معلوم ہوں تو بدقسمت ہے۔ کیا نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ کی رضامندی شیخ کی رضامندی سے وابستہ[2] ہے۔ اور حق تعالیٰ کا غضب شیخ کے غضب پر موقوف ہے۔ اس پر کیا بلا آپڑی وہ نہیں سمجھتا کہ ہم سے قطع کرنا اُس کو کہاں تک پہنچادے گا۔ اور اگر ہم سے قطع کرے گا تو اور کس سے جا ملے گا۔ اور اگر نعوذ باللہ اس قسم کا کوئی امر اس کے دل میں راہ پا گیا ہو۔ تو بے توقف اس کو کہہ دیں کہ توبہ و استغفار کریں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرے کہ اس ابتلا و فتنۂ عظیم میں اس کو مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا و آزمائش میں اس کو گرفتار نہ

---

[1] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الدرر والمنتثرہ میں فرمایا کہ اس روایت کو دیلمی نے ابورافع سے باسند روایت کیا نیز امام سیوطی نے جامع صغیر میں ان الفاظ سے ذکر کیا۔ الشیخ فی اہلہ کالنبی فی امتہ اور ابن النجار نے ابورافع سے بایں الفاظ نقل کیا الشیخ فی بیتہ کالنبی فی امتہ یاد رہے کہ اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا موضوعات میں شمار کرنا درست نہیں ۱۲

[2] خدا تعالیٰ کی رضامندی مرشد کامل کی رضامندی سے وابستہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی شیخ کامل کی ناراضگی پر موقوف ہے۔ جو لوگ شیخ کامل کو بے بس اور بے اختیار جانتے ہیں انہیں اپنے اس اعتقاد کی اصلاح کرنی چاہیے۔

کرے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ یاروں کی اس بے پروائی اور اضطراب سے کسی قسم کا غبار اور آزار فقیر کے دل میں داخل نہیں ہوا۔ اس سبب سے اُمیدوار ہے کہ تمام کاموں کا انجام بخیر ہوگا۔ اور باقی احوال و اوضاع کو برادر سعادت مند مولانا صالح محمد مفصّل بیان کریں گے اور آپ بعض شُبہوں کے مقام کو ان سے دریافت کرلیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعِ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَا الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمَّا وَاَکْمَلُهَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۲۵)

ملاّ طاہر لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ وہ احوال جو دوسروں کو نہایت میں مُیسّر ہوتے ہیں۔ اس طریقہ علیہ کے ابتدا میں مُیسّر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہدایت میں نہایت مندرج ہونے کے طریق پر جو اس طریقہ علیہ کے لوازم سے ہے اور اس قسم کے احوال کو ابتدا میں ظاہر ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ایسے احوال والے کو کامل مکمل کہیں اور طریقت کے سکھانے کی اجازت دے دیں۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْکِرَامِ ''ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی اور آپ کی آل بزرگ وار پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے شریف خط پے در پے پہنچے۔ طالبوں کی ترقی اور ان کی انتداد اور جمعیّت کا حال پڑھ کر بہت ہی خوشی حال ہوئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریق میں نہایت ابتدا میں مندرج ہے۔ اس لیے اس طریقہ عُلیہ کے مبتدیوں کو ابتدا میں اس قسم کے احوال ظاہر ہوتے ہیں' جو منتہیوں کے احوال کے ساتھ یہاں تک مشابہ ہوتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے احوال کے درمیان سوائے عارف کے جس کی نظر بصیرت تیز ہو کر کوئی فرق نہیں کرسکتا۔ پس اس لحاظ سے احوال کے حاصل ہونے کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ایسے احوال والے کو طریقہ سکھانے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔ کیونکہ اس صورت میں طالبوں کے ضرر کی نسبت اس کا اپنا بڑا ضرر ہے۔ ممکن ہے کمال کا خیال کر کے ترقی سے رُک جائے۔ یا جاہ وریاست کے حاصل ہونے سے جو مقام ارشاد کے لیے ضروری ہے فتنہ میں پڑ جائے۔ کیونکہ اس کا نفس امارہ بھی اپنے کفر کی حالت پر ہے۔ اور اس کا تزکیہ نہیں ہُوا ہے خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ جن لوگوں کو آپ نے اجازت دی ہے انہیں نرمی اور محبت سے سمجھا دیں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے۔ ابھی بہت

کام درپیش ہے اس قسم کے احوال جو ابتدا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ بدایت میں نہایت مندرج ہونے کی قسم سے ہیں۔ اور جو نصیحتیں مناسب جانیں عمل میں لائیں۔ اور ان کے نقص پر ان کو اطلاع بخشیں۔ اور چونکہ آپ نے ان کو اجازت دے دی ہے اس لیے طریقہ سکھانے سے ان کو منع نہ کریں۔ شاید آپ کی توجہ کی برکت سے مقام ارشاد کی حقیقت تک پہنچ جائیں۔

دوسرے یہ ہے کہ جب آپ نے اس عظیم القدر کام کو شروع کیا ہے تو مبارک ہے۔ اس کام میں بڑی سعی و کوشش بجالائیں۔ اور بڑے سرگرم رہیں تا کہ طالبوں کی زیادہ سے زیادہ ترقی کا باعث ہو۔ وَالسَّلَامُ۔

مکتوب نمبر (۲۲۶)

اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب اس پر مرتب ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان اپنے حقیقی بھائی میاں شیخ محمد مودود کی طرف لکھا ہے:۔

میرے عزیز بھائی! کا خط پہنچ کر خوشی کا موجب ہوا۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق دے۔ زندگی کی فرصت بہت تھوڑی ہے۔ اور ہمیشہ کا عذاب اس پر آنے والا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت کو بیہودہ امور کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور ہمیشہ کا رنج والم خریدے۔

اے بھائی! لوگ دُور دور سے دنیاوی اسباب کو چھوڑ کر محور و ملخ کی طرح آ رہے ہیں۔ اور تم اپنے گھر کی دولت کی قدر نہ جان کر دنیا کمینی کی طلب میں بڑے مزے سے باہر دوڑ رہے ہو اور بڑے شوق سے اس کے حاصل کرنے کے خواہاں ہو:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ حیا ایمان کی شاخ ہے

حدیث[1] نبی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔

اے بھائی! اہل اللہ کا اس طرح اکٹھا ہونا۔ اور اس طرح للہ فی اللہ کی جمعیت جو آج سرہند میں میسّر ہے۔ اگر تمام جہان کے گرد پھرو تو بھی معلوم نہیں کہ اس دولت کا سواں (۱۰۰) حصہ بھی کہیں پا سکو۔ اور اس ماجرا و کیفیت کا کچھ حصہ حاصل کر سکو۔ تم نے اس دولت کو مفت ہاتھ سے کھو دیا اور قیمتی موتیوں کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ و مقشہ پر کفایت کی۔ ع

شرمست بادا ہزار شرمت بادا

تمہیں ہزار بار شرم کرنی چاہیے۔

اے بھائی! آیندہ وقت تک شاید فرصت نہ دیں۔ اور اگر دیں بھی۔ تو اس قسم کے اجتماع کو قائم نہ رہنے

---

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دیں۔تو پھر کیا علاج ہوگا۔اور کس طرح تدارک ہو سکے گا۔اور کس چیز سے تلافی حاصل ہوگی۔تم نے خطا کی ہے اور غلط سمجھے ہو۔چرب وشیریں لقموں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ اور قیمتی اور آراستہ کپڑوں پر دھوکہ نہ کھا جاؤ۔ان کا نتیجہ دنیا و آخرت میں حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں۔اہل وعیال کی رضامندی کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا عذاب اختیار کرنا،عقل دور اندیش سے دُور ہے۔حق تعالیٰ تم کو عقل دے اور آگاہ کردے۔

اے بھائی! دُنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے۔اور اہل دُنیا خست اور کمینہ پن میں مشہور ہیں۔پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ انسان اپنی قیمتی عمر کو اس بے وفا اور کمینی کے لیے خرچ کرے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔والسلام

مکتوب نمبر (۲۲۷)

بعض ان پند ونصائح کے بیان میں جو مقام شیخی اور تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ملا طاہر لاہوری کی طرف لکھا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔'' آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔خوشی کا موجب ہوا۔اور یاروں کے التذاد اور حلاوت کا حال پڑھ کر نہایت ہی فرحت حاصل ہوئی۔

اے بھائی! حق تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کریں اور محافظت کریں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوقات کی نفرت کا باعث ہو۔کیونکہ اس میں بڑی خرابی ہے۔خلق کی نفرت اس ملامتی کردہ کے حال کے مناسب ہے جن کا دعوت اور شیخی سے کچھ واسطہ نہیں ہے بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے برخلاف ہے۔ایسا نہ کہ ان دونوں مقام کو آپس میں ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں کہ یہ بڑے ظلم کی بات ہے۔اور مریدوں کی نظر میں اپنے آپ کو متجمل یعنی رُعب وداب سے آراستہ پیراستہ رکھیں۔اور مُریدوں کے ساتھ کثرت سے میل جُول اور اُنس اختیار نہ کریں کہ خفت اور سبکی کا موجب ہے اور افادہ اور استفادہ کے منافی ہے۔اور حدود شرعیہ کی اچھی طرح محافظت کریں۔اور جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کریں کہ یہ بھی اس طریقہ علیہ کے منافی اور سنت سنیہ کی تابعداری کے دعویٰ کے مخالف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ رِيَاءُ الْعَارِفِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِيْدِيْنَ۔''عارفوں کا ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔'' کیوں کہ عارفوں کا ریا طالبوں کے دلوں کا حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف کھینچنے کے لیے ہوتا ہے۔پس ضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہوگا۔اور نیز عارفوں کے اعمال طالبوں کے لیے اعمال بجالانے میں موجب تقلید ہیں۔اگر عارف خود عمل نہ کریں تو طالب محروم رہیں گے۔پس عارف اس واسطے

ریا کرتے ہیں۔ تا کہ طالب ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریا عین اخلاص ہے۔ بلکہ اُس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لیے ہو۔

اس بات سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ عارفوں کے عمل محض طالبوں کی تقلید کے لیے ہیں۔ اور عارفوں کو عمل کی حاجت نہیں۔ نعوذ باللہ منہا یہ الحاد و زندقہ ہے۔ بلکہ عارف اعمال کے بجالانے میں عام طالبوں کے ساتھ برابر ہیں۔ اور اعمال کے بجالانے سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بسا اوقات عارفوں کے اعمال میں طالبوں کا نفع مدنظر ہوتا ہے جو تقلید پر وابستہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ریا کہتے ہیں۔

غرض قول و فعل میں بڑی محافظت کریں کیوں کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ فساد و ہنگامہ کے درپے ہیں۔ کوئی ایسا کام سرزد نہ ہونے پائے جو اس مقام کے منافی ہو۔ اور جاہل لوگوں کو بزرگوں کے طعن کا موقع مل جائے۔ اور حضرت حق تعالیٰ سے استقامت طلب کرتے رہا کریں۔

دوسرے یہ ہے کہ آپ نے مشائخ کی نسبتوں کے حاصل ہونے کے بارہ میں لکھا تھا۔ اس کی وجہ کئی دفعہ رُوبرُو آپ سے بیان ہو چکی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ سمجھیں کہ اس میں خیریت نہیں ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۸)

بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور تعلیم طریقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ان کے مناسب امور کے بیان میں میر نعمان کی طرف لکھا۔

میرے بھائی سیادت پناہ کا مکتوب پہنچا۔ خوشی کا باعث ہوا۔ اے بھائی کئی دفعہ آپ کو کہا گیا ہے کہ اس طریق کا مدار دو اصولوں پر ہے۔

ایک شریعت پر اس حد تک استقامت اختیار کرنی کہ اس کے چھوٹے چھوٹے آداب کے ترک پر بھی راضی نہ ہوں۔

دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص پر اس طرح راسخ اور ثابت قدم ہوں کہ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کریں۔ بلکہ اس کے تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دکھائی دیں۔

خدا محفوظ رکھے کہ ان امور میں سے جو ان دو اصلوں کے متعلق ہیں کسی امر میں خلل واقع نہ ہو اور اگر اللہ کی مہربانی سے یہ دو اصل درست ہو گئے۔ تو دنیا و آخرت کی سعادت نقدِ وقت ہے۔ اور بھی بہت کی نصیحتیں اور وصیتیں آپ کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ ان کو مدنظر رکھنے میں بڑی احتیاط کریں اور بڑی عاجزی اور زاری سے

پہلی کوتاہیوں کو تدارک کریں۔ اور رمضان شریف کے اخیر عشرہ کا اعتکاف جو ایک دفعہ آپ سے ترک ہو گیا تھا۔ اس کی قضا کی نیت پر اس ذی الحج کے عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں تا کہ اس نیت سے سنت پر عمل کر سکیں۔ اور اس عشرۂ اعتکاف میں گریہ وازاری اور عجز و نیاز سے اپنی تقصیروں اور کوتاہیوں کی عذر خواہی کریں۔ فقیر بھی ان شاء اللہ اس عشرہ میں آپ کی مدد کرے گا۔

اجازت نامہ کے لکھنے میں جو آپ اس قدر مبالغہ اور کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصود کیا ہے۔ طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت جو آپ کو دی گئی ہے' اگر وہ کافی نہیں ہے تو اجازت نامہ کیا کرے گا۔ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ دل میں گزرے اسی کے واسطے کوشش کرنے لگ جائیں۔ کئی ایسی باتیں دل میں گزرتی ہیں جن کا ترک کرنا بہتر اور مناسب ہوتا ہے۔ نفس بڑا ضدی ہے جس امر کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے پورا کرنے کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس کے حق و باطل ہونے کا لحاظ نہیں کرتا۔ یہ چند باتیں آپ کی خاطر لکھی گئی ہیں' حق تعالیٰ آپ کو نفع دے۔ بھائی صاحب اپنے کام کا فکر کرنا چاہیے تا کہ جہاں سے ایمان سلامت لے جائیں۔ اجازت نامہ اور مرید کچھ کام نہیں آئیں گے۔ ہاں اپنے کام کے ضمن میں اگر کوئی شخص سچی طلب سے آ جائے تو اس کو طریقہ سکھا دیں نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم کو اپنے کام کا اصل خیال کریں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع بنا دیں کہ اس میں سراسر ضرر اور خسارہ ہے۔

مکتوب (۲۲۹)

میرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ ہمارا طریق بعینہ حضرت ایشاں قدس سرہ' کا طریق ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے۔ لیکن صناعت کا کامل ہونا اور نسبت کا تمام ہونا بہت سے فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے در پے آنے پر موقوف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف جو اپنے مخلص مشتاق کے نام لکھے ہوئے تھے' پے در پے پہنچ کر بڑی خوشی اور زیادہ محبت کا باعث ہوئے۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَآءِ۔ ''اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔''

مجمل طور پر بعض شبہات اور تردیدات جو آپ نے لکھے تھے۔ اُن کا جواب یہ ہے کہ ہمارا طریق وہی حضرت ایشاں یعنی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ' کا طریق ہے۔ اور ہماری نسبت آنحضرت ہی کی شریف نسبت

ہے۔اس طریق سے بڑھ کر عالی اور کونسا طریق ہے۔اور اس نسبت سے زیادہ بہتر اور مناسب اور کونسی نسبت ہے کہ کوئی اس کو اختیار کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہر صناعت کی تکمیل اور ہر نسبت کی تتمیم مختلف فکروں کے ملنے اور بہت سی نظروں کے پے دَر پے آنے پر منحصر ہے۔مثلاً وہ نحو جو سیبویہ کے زمانہ میں تھی۔وہ اب متاخرین کے فکروں کے ملنے سے دو چند زیادہ ہوگئی ہے۔اور یہ علم بہت کامل اور صاف ہوگیا ہے۔حالاں کہ یہ وہی سیبویہ کی نحو ہے جس کو متاخرین کے فکروں نے پہلے کی نسبت زیادہ آراستہ پیراستہ کر دیا ہے۔

شیخ علاو الدولہ قدس سرہٗ کا مقولہ آپ کے مبارک کانوں تک پہنچا ہوگا۔انہوں نے فرمایا کہ واسطے اور وسیلے جس قدر زیادہ ہوں اُسی قدر رستہ زیادہ نزدیک اور روشن ہوگا۔

اس نسبت عُلیہ پر اس قسم کی زیادتی نے جو آراستگی اور پیراستگی کے طور پر پیدا ہوگئی ہے بہت لوگوں کو تخیلات میں ڈال رکھا ہے۔اصل مناظر یہی ہے جس میں تکلّف اور بناوٹ کو دخل نہیں۔

آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسالوں کو دیکھیں کہ اس طریق کو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریق ثابت کیا ہے۔اور اس نسبت کو سب نسبتوں سے بڑھ کر مُدلل بیان کیا ہے۔اور اس طریق عالی اور اس طریق کے بزرگواروں کی تعریف اور مدح اس طرح پر کی ہے کہ اس بزرگ خاندان کے خلفا میں سے کسی کو اس کا سواں حصّہ بیان کرنے کی توفیق حاصل نہیں اور نیز یہ فقیر روزمرّہ اور نشست و برخاست میں اس طریق کے آداب ولوازم کی رعایت پورے طور پر کرتا ہے۔اور سرِ مُو مخالفت اور نئی بات کو پسند نہیں کرتا بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ نے یہ سب ہُنر نظر انداز کر دیے ہیں اور اگر بالفرض آزار کے دنوں میں بعض یاروں کی نسبت کلمہ وکلام میں کوئی نامناسب بات کہی گئی ہو اور آپ کی نظر میں آئی ہو۔تو پھر بھی تعجب ہے کہ آپ اس قسم کی باتوں کا یقین کر لیتے ہیں اور صرف سُن کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اگر حُسن ظن ہے تو کیا اسی جماعت سے مخصوص ہے یا شاید میں ہی حُسن ظن کے قابل نہیں ہوں۔

الغرض اگر گفت وشنود پر ہی مدار ہے۔تو پھر چغلخوروں کے ہاتھ سے خلاصی ناممکن ہے اور اخلاص کی کوئی توقع نہیں ہے۔آپ گفت وشنید سے درگزر کریں اور گزشتہ امور کو یاد میں نہ لائیں۔تا کہ اخلاص متصوّر ہو اور پُرانی کلفت رفع ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضرات پیرزادوں کی تربیّت کا وقت آ گیا ہے۔اور حضرت ایشاں قدس سرہٗ کی وصیّت کو یاد دلایا تھا۔

اے میرے مخدوم ومکرم! اس میں خادموں کی سعادت ہے کہ اپنے مخدوم زادوں کی خدمت سے کامیاب ہوں۔لیکن اس مُدّت میں معلومہ رکاوٹوں کے باعث ظاہری خدمت سے دُور رہا۔اور وصیّت کے وقت

کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور اب اگر آپ جانتے ہیں کہ کوئی مانع نہیں ہے' اور گفت وشنود کا رسہ بند ہو گیا ہے۔ تو فرمائیں تا کہ بندہ چند روز آ کر اس خدمت میں مشغول رہے اور اگر اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو جانتا ہے کہ اس کام میں صرف وصیّت کا حکم پر بجالانا مقصود ہے ورنہ آپ کی ظاہری باطنی تربیت اُن کے لیے کافی ہے کسی اور کی حاجت نہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ برادرم مولانا عبداللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیچ نے بڑے مخدوم زادہ کی ظاہری تعلیم وتربیت کو اپنے ذمے لے لیا ہے' اور آپ نے بھی اس بات کو پسند فرمایا ہے۔ اس بات کو سُن کر بہت تعجب ہوا ہے۔ اور اگر وہ اپنی نارسائی کے باعث اس بارہ میں کچھ خیال کرے تو خیر۔ مگر آپ کیسے تجویز کرتے ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہیں محمد قلیچ کا آزار کسی اور جگہ سیرات کر جائے۔

مکتوب نمبر (۲۳۰)

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

ہمت بلند رکھنے اور اس چیز پر جو حاصل ہو کفایت نہ کرنے میں بلکہ جو کچھ معلوم ومشہود ہو اس کی نفی کرنے اور معبود بیچون وبیچگون کے ثابت کرنے میں جو دید ودانش سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے بزرگ احوال میاں بابو نے آپ کے کہنے کے مطابق بتائے اور ان کی حقیقت دریافت فرمائی اس لیے چند کلمے لکھے جاتے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراتب میں اس راہ کے مُبتدیوں کو بہت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا کچھ اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی نفی کرتے ہیں۔ وصل کجا اور نہایت کونسی۔ شعر:

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا
قُلَلَ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفٌ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور ان کے درمیان نشیب وفراز واقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے کیف اور بے مثل ہے۔ اور جو کچھ دید ودانش اور شہود ومکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے۔ آپ اس راہ کے جوز ومویز (معمولی چیزوں) پر بچوں کی طرح ہرگز فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور نہایت کو پالینے پر مغرور نہ ہوں۔ اور احوال وواقعات کو ناقص مشائخ کے پاس ظاہر نہ کریں۔

کیونکہ یہ اپنی سمجھ کے موافق تھوڑے کو بہت خیال کرتے ہیں اور بدایت کو نہایت شمار کرتے ہیں۔ پس طالب مستعد اپنے کمال کے خیال میں پڑ جاتا ہے اور اس کی طلب میں فتور آ جاتا ہے۔ شیخ کامل کی تلاش کرنی چاہیے۔ اور اپنے باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیے۔ اور جب تک شیخ کامل نہ ملے چاہیئے کہ ان احوال کو لا کے نیچے لا کر نفی کریں اور معبود برحق کو جو بیچون اور بیچگون ہے اثبات کریں۔

حضرت خواجہ نقش بند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا یہ سب اس کا غیر ہے کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔ آیندہ جو کچھ ظاہر ہو اس کی نفی بھی کریں کہ وہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ ہاتھ میں نہ ہو۔ اس طریقت کے بزرگواروں کا طریق یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مِنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا.	سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا

مکتوب نمبر (۲۳۱)

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالوں کے جواب میں جو آپ سے کیے گئے تھے اور جن میں پوچھا گیا تھا کہ وصول اور حصول کے درمیان کیا فرق ہے۔ اور وہ اسما جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اولیا کے تعینات کے مُبادی بھی وہی اسم ہیں یا نہیں۔ اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔ اور آپ سے پوچھا گیا تھا کہ مشائخ نقش بندیہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق وشوق بخشتا ہے۔ اور چیزوں سے جو آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھیں۔ مثلاً لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِيِّهٖ وَ نُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْكِرَامِ	ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اور نبی اور اُس کی آل بزرگوار پر صلوٰۃ والسلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے دو مکتوب شریف پے در پے پہنچے۔ پہلا مکتوب تو سوزش اور اضطراب کی خبر دیتا تھا۔ لیکن دوسرا مکتوب اس سے ملائم اور شوق وسرگرمی سے بھرا ہوا تھا۔

میرے دوست آپ نے اس وقت جب کہ میر سعد الدین روانہ ہوئے خط کا جواب طلب کیا بندہ اس وقت یہاں تک بے دماغ اور مقبوض تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط نہ لکھ سکتا تھا۔ مولانا یار محمد جدید کو لکھنے کے لیے کہا۔ بے دماغی کے وقت اگر کوئی نامناسب کلمہ لکھا گیا ہو تو معاف فرمائیں آپ کو چاہیے کہ تھوڑی سی بات سے نہ بگڑ

جائیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کریں۔ خدا نہ کرے کہ کسی قسم کا ازالہ درمیان ہو یا رنجش ورُوگردانی کے باعث کچھ لکھا جائے۔ ہاں اگر نصیحت کے طور پر لکھا جائے تو خوش حال ہونا چاہیئے۔

آپ کے دوسرے خط نے بہت ہی خوش کیا۔ حرارت ہر کام میں درکار ہے۔ پژمردگی اور افسردگی دشمنوں کے نصیب ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ حصُول اور وصول کے درمیان جو فرق ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اے بھائی! حصول باوجود بُعد کے متصوّر ہے اور وصول متعذر و دشوار ہے۔ عنقا کو جب ہم صورت مخصوصہ سے تصوّر کرتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ عنقا ہماری قوت مدرکہ میں حاصل ہے۔ لیکن عنقا تک وصول ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ ظلّیت جو مرتبہ ثانی میں اُس شے کے ظہور سے مراد ہے۔ اس شے کے حصول کی منافی نہیں ہے۔ لیکن شے کا وُصول ظلّیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ پس دونوں کے درمیان فرق معلوم ہوگیا۔

اور نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ اسما جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کا مبدء ہیں وُہی اسما اولیا کے تعینات کا بھی مبدء ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا فرق ہے۔

اے عزیز! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ان اسما کے کلیّات ہیں اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسما کی جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت ہیں مندرج ہیں۔ اور ان اسما کی جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسے کہ کسی شے کیساتھ ارادہ بے قید اور ارادہ مقیّد ہوتا ہے۔ اور چونکہ اولیا کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے باعث ترقی واقع ہوتی ہے۔ اس لیے اس قید کو دُور کر کے مطلق کے ساتھ مل جائے گا۔ فقیر نے اس فرق کو اپنے بعض مکتوبات میں مفصّل ذکر کیا ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کرلیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے حالاں کہ ذوق وشوق بخشتا ہے۔ اور اَور چیزوں سے جو آنحضرت علیہ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ تھیں مثل لباس فرجی اور شال اور سراویل سے کیوں منع نہیں کرتے۔

میرے مخدوم! آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی بات ہے اور وہ مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے نہ کہ دین ومذہب پر، کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف ہے۔ اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنّت کو مدّنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کو موجب ہے۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى تَابِعِىْ كُلٍّ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا.

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۲۳۲)

دنیا کمینی کی حقیقت اور اس کی ردّی زیبائش کی بُرائی اور اس کمینی دنیا کی محبت کے دُور کرنے کے علاج اور مناسب امور کے بیان میں خان خاناں کی طرف صادر فرمایا:

حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ حضرت سید المرسلین ﷺ کی طفیل ناپسندیدہ کمینی دنیا کی حقیقت اور اس کی ردّی زیب وزینت اور سج دھج کو آپ کی نظر بصیرت میں منکشف کر کے آخرت کے حسن و جمال کو بہشتوں اور ان کی نہروں کی تروتازگی اور اُن میں پروردگار جل شانہٗ کے دیدار کی زیادتی کے ساتھ جلوہ گر کرے۔ تاکہ اس جلدی دُور ہو جانے والی بُری دنیا کی طرف سے بے رغبتی حاصل ہو جائے اور پورے طور پر عالم بقا کی طرف جو مولیٰ جل شانہٗ کی رضا کا مقام ہے توجہ میسر ہو جائے۔ اور جب تک اس کمینی کی برائی واضح نہ ہو اس کی قید سے نکلنا مشکل ہے۔ جب تک اس کی قید سے خلاصی نہ ہو۔ تب تک آخرت کی نجات اور بچاؤ دشوار ہے:

حُبُّ[1] الدُّنْيَا رَاْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

مشہور اور مانی ہوئی بات ہے۔ اور چونکہ علاج ضد سے ہوتا ہے اس لیے اس کمینی دنیا کی محبت دور کرنے کا علاج امور آخرت میں رغبت کرنے اور شریعت روشن کے احکام کے موافق اعمال صالحہ بجالانے پر وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے اور فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ[2] بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

دنیا کی زندگی کھیل کود اور زینت اور باہم فخر کرنا اور مال واولاد میں زیادتی کرنا ہے۔

پس جب عمل صالحہ میں مشغول ہوں تو جزو اعظم لعب ولہو ہی کم ہونے لگتا ہے۔ اور ریشم اور چاندی سونے کے استعمال سے جن پر عمدہ اعلیٰ زیب وزینت کا مدار ہے پرہیز کرنے لگے ہیں اور دوسرا جزو جو زینت ہے زائل ہونے لگتا ہے اور جب یقین ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت وبزرگی پرہیزگاری اور تقویٰ سے ہے نہ کہ

[1] زرین اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی۔ مشکوٰۃ شریف۔

[1] سورۂ جدید پارہ ۲۷۔ [2] سورۂ حشر پارہ ۲۸

حسب ونسب سے۔تو فخر کرنے سے باز آتے ہیں۔اور جب جانیں کہ مال واولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اوراس کی بارگاہ سے روکتے ہیں۔تو ان کے زیادہ زیادہ حاصل کرنے سے کوتاہی کرنے اوران کے بڑھانے کو معیوب جانتے ہیں۔غرض

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا کَیْلَا یَضُرُّکُمْ شَیْءٌ

جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو اور جس سے اس نے منع کیا ہے' ہٹ جاؤ تا کہ تمہیں کوئی چیز ضرر نہ دے

دادیم تراز گنج مقصود نشان
ما اگر نہ رسیدیم تو شاید برسی

ہم نے تجھے خزانہ مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو ہی پہنچ جائے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمومن بزرگ زادہ ہیں اور تحصیل علوم سے فارغ ہو کر طریقہ صوفیہ کا سلوک فرماتے ہیں' اور سلوک کے ضمن میں عجیب وغریب احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ضرورت انسانی از قسم اہل و عیال ان کو حیران و بے اختیار ناچار کر دیتی ہے۔اس فقیر نے اس ناچارگی اور پریشانی کو دُور کرنے کے لیے آپ کی جناب کی طرف ان کی رہنمائی کی ہے:

مَنْ دَقَّ بَابَ الْکَرِیْمِ اُفْتَحْ

جس نے کریم کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ کشادہ حال ہو گیا۔والسلام

مکتوب نمبر (۲۳۳)

بعض عمدہ عمدہ نصیحتوں کے بیان میں عالی جناب شیخ فرید کی طرف لکھا:

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ عَلٰی مَا جَآءَ بِہٖ جَدُّکُمُ الْاَمْجَدُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس چیز پر جس کو آپ کے جدّ بزرگوار ﷺ لائے ہیں ثابت قدم رکھے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے عرس [1] شریف کے دنوں میں دہلی حاضر ہو کر ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت

[1] اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ مجلس عرس میں شرکت کرتے تھے اور سرہند شریف سے اہل آتے تھے۔ اگر یہ سفر اور اس طرح کی مجلس میں شریک ہونا بدعت ہوتا تو آپ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ مانعین عرس غور فرمائیں۔یاد رہے کہ عرس کی اصل حدیث سے بھی ثابت ہے۔حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور فاتحہ شریف پڑھتے اور خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا کمافی التفسیر الکبیر للرازی۔

عالی میں بھی پہنچے کہ اسی اثنا میں کوچ کی خبر پھیل گئی۔ اس لیے توقف کر کے چند ٹوٹے پھوٹے کلموں سے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔ فقیر خواہ حضور میں ہو خواہ غیبت میں ہر دم آپ کے لیے دُعا گو ہے' کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر مناسب اور نالائق امر سے سلامت رکھے۔ بعض اوقات خیر خواہی کا غلبہ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ لِلّٰہ ان کی خدمت کو اختیار کر کے ان چیزوں سے جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان سے منع کرے اور مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ رہنے دے۔ لیکن جانتا ہے کہ سب امیدیں حاصل نہیں ہوتیں ناچار آپ کے حق میں غائبانہ دعا سے تر زبان رہتا ہے۔ شاید قبول ہو جائے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ اپنی بزرگی اور کلانی کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ہر چند یہ کفر ہے کہ کوئی ایسا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تمام جہان برہم ہو جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ ہم کو ہماری مصلحت کے بغیر بڑا بنایا ہے۔

آج اس قسم کی بزرگی اور کلائی نزدیک ہے کہ آپ کی جناب کے بارہ میں صادق آئے۔ کیونکہ آپ مخلوقات کے آرام میں ہیں اور مخلوقات آپ کے آرام میں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے آپ کے لیے دُعائے خیر بارش کی طرف برس رہی ہے۔ جو عام مخلوقات کو فائدہ مند ہے۔ پھر افسوس ہے کہ باوجود اس قدر کلانی اور بزرگی کے دانہ خشخاش کے برابر خالی جگہ رہ جائے۔ اور یہ دانہ خشخاش دوستوں اور خیر خواہوں کے دل پر بڑا بھاری بوجھ ہے۔ مہربانی فرما کر ان کو اس بوجھ سے ہلکا کریں۔ مدّت ہوئی ہے کہ اس خیر خواہ نے اس بات کی نسبت کچھ نہیں لکھا کہ ایسا نہ ہو کہ تکرار و مبالغہ گراں معلوم ہو۔

یار نازک بدن زبار ہوا ے رنجد
ہمچو گل برگ ز آسیب صبا ے رنجد

میرا یار نازک بدن ہے ہوا کے بوجھ سے بھی رنجیدہ ہوتا ہے' جس طرح پھول کا پتہ بادِ صبا کے آسیب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

محسوس کرتا ہے۔

لیکن دوستی سے دُور معلوم ہوا کہ آپ کے دل کے ناراض ہونے کا لحاظ کر کے خاموش رہے۔

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

اے حافظ تیرا وظیفہ صرف یہ ہے کہ دعا کرتا رہے۔ اس فکر میں نہ پڑ کہ سنتا ہے یا نہیں سُنتا۔

کچھ مدت سے حرمین شریفین (کہ خدائے تعالیٰ ان کو آفات سے محفوظ رکھے) کہ زیارت کا ارادہ و شوق پیدا ہوا۔ اور اس سفر کا باعث یہی خواہش ہے۔ اور چونکہ یہ ارادہ آپ کے صلاح مشورے اور رضامندی پر وابستہ

تھا۔اس لیے کوچ کی خبر سُن کو وہ ارادہ ملتوی ہو گیا:

اَلْخَیْرُ فِیْ مَاصَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بہتری اسی بات میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

والسلام

مکتوب نمبر (۲۳۴)

حقائق کو جاننے والے معارف پہچاننے والے عالم ربانی عارف سُبحانی مخدوم زادۂ کلاں یعنی شیخ محمد صادق (خدا اُن کو سلامت اور باقی رکھے اور اعلیٰ مقصود تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ واجب الوجود کی حقیقت وجود محض ہے جو ہر چیز و کمال کا منشا ہے۔اور ممکنات کی حقیقتیں عدمات ہیں جو ہر شر و نقص کا مبدء ہیں۔اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے معنی میں اور تجلّی ذاتی کے بیان میں جو تمام نسبتوں اور اعتبار سے بلند ہے۔اور آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنوں اور اس لیے مناسب بیان مین مع ان سوالات و جوابات کے جو اس مقام کی توضیح کے متعلق ہیں۔اور مع تنبیہات کے جو اس مطلب کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

خداوند بیچون کی حمد اور پیغمبر رہنما کے درُود کے بعد میرے فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہٗ کی حقیقت وجود محض ہے کہ اور کوئی امر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہے۔اور وہ وجود تعالیٰ ہر چیز و کمال کا منشا اور ہر حُسن و جمال کا مبداء ہے۔اور جزئی حقیقی اور بسیط ہے۔جس کی طرف ترکیب کو ہرگز راہ نہیں ہے نہ ذہنی طور پر نہ خارجی طور پر۔اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا تصور میں آنا محال ہے۔اور وجود ذات تعالیٰ پر ازروئے مواطات کے محمول ہے نہ ازروئے اشتقاق کے۔اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی اس مقام میں فی الحقیقت کچھ گنجائش نہیں ہے۔کیونکہ تمام نسبتیں وہاں ساقط ہو گئی ہوئی ہیں اور وہ وجود جو عام مشترک ہے۔وہ اس وجود خاص کے ظلّوں میں سے ایک ظل ہے۔اور یہ ظل ذات تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے۔اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر ازروئے اشتقاق کے نہ ازروئے مواطات کے۔اور اس ظل سے مراد تنزّلات کے مرتبوں میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کا ظہور ہے۔اور اس ظلّ کے افراد میں سے اولیٰ و اقدم و اشرف وہ فرد ہے جو ذات تعالیٰ پر ازروئے اشتقاق کے محمول ہے۔پس اصالت کے ہر مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالٰی وَجُوْدٌ کہہ سکتے ہیں نہ کہ اَللّٰہُ تَعَالٰی مَوْجُوْدٌ۔اور اس ظل کے مرتبہ میں اَللّٰہُ تَعَالٰی مَوْجُوْدٌ صادق ہے۔نہ اَللّٰہُ تَعَالٰی وَجُوْدٌ۔اور چونکہ حکما اور صوفیہ کے ایک گروہ نے جو وجود کی غیریت کے قائل ہیں اور اس فرق کی حقیقت سے واقف نہیں ہوئے۔اور ظلّ کو اصل سے جُدا نہیں کیا۔حمل اشتقاق اور حمل مواطات دونوں

کو ایک ہی مرتبہ میں ثابت کیا ہے۔ اور حمل اشتقاق کے صحیح کرنے میں بے جا تکلف اور حیلہ کے محتاج ہوئے ہیں۔ اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے الہام سے ثابت و تحقیق کیا ہے۔ اور یہ اصالت وظلیت تمام حقیقی صفات کی اصالت وظلیت کی طرح ہے۔ کیونکہ ہر مرتبہ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے۔ ان صفات کا حمل کرنا مواطات کے طریق پر ہے نہ اشتقاق کے طریق پر۔ پس اَللّٰہُ تَعَالٰی عِلْمٌ کہ سکتے ہیں اور اَللّٰہُ تَعَالٰی عِلْمٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حمل اشتقاق میں مغائرت کا ہونا ضروری ہے اگرچہ بالاعتبار ہی ہو۔ اور وہ یہاں بالکل مفقود ہے کیونکہ مغائرت ظلیت کے مرتبوں میں ہوتی ہے۔ اور اس جگہ کوئی ظلیت نہیں۔ کیونکہ وہ تعین اوّل سے کئی درجے برتر ہے۔ اس لیے کہ نسبتیں اس تعین میں اجمالی طور پر ملحوظ ہیں اور اس مقام میں اشیا میں سے کسی شے کا کسی طرح کا ملاحظہ نہیں ہے اور مرتبہ ظل میں جو اس اجمال کی تفصیل ہے۔ حمل اشتقاق صادق ہے نہ حمل مواصلات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجود تعالیٰ کی عینیت کی فرع ہے جو ہر خیر و کمال کا مبدء اور حسن و جمال کا منشاء ہے۔ اور اس فقیر نے کتابوں اور رسالوں میں جس جگہ وجود کی عینیت کی نفی کی ہے۔ اس سے وجود ظلی مراد رکھنا چاہیے۔ جو حمل اشتقاق کا صحیح کرنے والا ہے اور یہ وجود ظلی بھی آثار خارجیہ کا مبدء ہے پس وہ ماہیتیں جو مراتب موجودات میں سے ہر مرتبہ میں اس وجود کے ساتھ متصف ہوں خارجیہ ہوں گی۔

فَافْهَمْ فَاِنَّهٗ يَنْفَعُكَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمَوَاقِعِ پس سمجھ لے کیونکہ یہ بہت جگہ تجھے نفع دے گا

پس صفات حقیقیہ بھی موجودات خارجیہ ہونگی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گی۔

اے فرزند! اس پوشیدہ سرّ کو سُن کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں حضرت ذات کا عین ہیں۔ مثلاً علم کی صفت اس مقام میں حضرت ذات کا عین ہے۔ اور ایسے ہی قدرت اور ارادہ اور تمام صفات کا جمال ہے۔ اور نیز اس مقام میں حضرت ذات بتمامہ علم ہے اور ایسے ہی بتمامہ قدرت ہے نہ یہ کہ حضرت ذات کا بعض علم ہے اور بعض قدرت۔ کیونکہ وہاں بعض ہونا اور جزو بننا محال ہے اور ان کمالات نے جو گویا حضرت ذات تعالیٰ وتقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے بعد ازاں اس مقام میں کوئی ایسی چیز نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو۔ اور متمیز نہ ہوئی ہو۔ بلکہ تمام وہ کمالات جن میں سے ہر ایک ذات تعالیٰ کا عین ہے مرتبہ علم میں آ گئی ہیں۔ اور ان مفصلہ کمالات نے دوسرے مرتبہ میں وجود ظلی پیدا کر کے صفات نام حاصل کیا ہے۔ اور حضرت ذات کے ساتھ جو اُن کا اصل ہے قیام پیدا کیا ہے۔ اور اعیان ثابتہ صاحب فصوص علیہ الرحمۃ کے نزدیک انہی مفصلہ کمالات سے مراد ہے۔ جنہوں نے خانہ علم میں وجود علمی حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقائق عدم محض ہیں۔ جو بمع ان کمالات کے جو ان میں منعکس ہوئے ہیں۔ ہر شر و نقص کا مبدء و ماویٰ ہیں۔

یہ بات تفصیل چاہتی ہے گوش ہوش سے سُننا چاہیے۔ خدا تجھے ہدایت دے۔

جان لے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی نقیض ہے۔ پس عدم بالذات ہر شر و نقص کا منشا بلکہ ہر شر و فساد کا عین ہوگا۔ جس نے وجود مرتبۂ اجمال میں ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اور جس طرح حضرت وجود اصل الاصل مقام میں ذات تعالیٰ پر اشتقاق کے طریق پر محمول نہیں ہے اسی طرح عدم بھی جو اس وجود کے مقابل ہے ماہیت عدم پر اشتقاق کے طور پر محمول نہیں ہے۔ اس مرتبہ میں اس ماہیّت کو معدوم نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ عدم محض ہے۔ اور تفصیل علمی کے مرتبوں میں کہ جس کے ساتھ ماہیّت عدمیہ نے تعلق پایا ہے اس ماہیت کو جزئیات عدم سے متصف ہو جاتی ہیں اور حمل اشتقاق ان میں درست آتا ہے۔ اور عدم کا مفہوم کہ گویا اس اجمالیہ عدمیہ ماہیّت سے منتزع اور الگ ہے اور اس ماہیّت عدمیہ کے لیے ظل کی مانند ہے۔ اس ماہیّت عدمیہ کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریق پر حمل پاتا ہے۔ جیسے کہ آگے آئے گا اور چونکہ وہ عدم مرتبہ اجمال شر و فساد کا عین تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر شر دوسر سے شر سے جدا اور ہر فساد دوسرے فساد سے الگ ہو گیا۔ جیسے کہ وجود کی جانب میں اجمال کے مرتبہ میں حضرت وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا۔ اور تفصیل علمی کے مرتبہ میں ہر کمال سے الگ اور ہر خیر دوسرے خیر سے جُدا ہو گیا۔ پس ان وجودیہ کمالات میں سے ہر ایک کمال ان نقائص عدمیہ میں سے ہر ایک نقص میں اس کے مقابل ہے' خانہ علم میں منعکس ہوا ہے اور ایک دوسرے کی علمیہ صورتیں باہم مل جل گئی ہیں۔ اور وہ عدمات جو شر و نقائص سے مراد ہیں بمع اُن کمالات منعکسہ کے ممکنات کی ماہیتیں ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ وہ عدمات ان ماہیتوں کے اصول و مواد ہیں۔ اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی مانند ہیں۔

پس اعیانِ ثابتہ اس فقیر کے نزدیک ان عدمات اور کمالات سے مراد ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل جل گئے ہیں۔ اور جب قادر مختار جلّ شانہٗ نے چاہا ان عدمیہ ماہیات کو جمع اُن کے لوازم اور وجودیہ ظلال کے کمالات کے جو ان میں حضرت علم میں منعکس ہو کر ممکنات کی ماہیات نام پایا ہے۔ اس وجود ظلّی کے رنگ میں کہ موجودات خارجیہ بنایا اور آثار خارجیہ کا مبدء کر دیا۔

جاننا چاہیے کہ صور علمیہ کا جو ممکنات کے اعیان ثابتہ اور ان کی ماہیّات سے مراد ہیں۔ رنگ دار کرنا ان معنوں میں نہیں ہے کہ صور علمیہ نے خانہ علم سے نکل کر وجود خارجی پیدا کیا ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے اور جہل کو مستلزم نہیں۔

تَعَالَیٰ اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

بلکہ ان معنوں میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں ان صور علمیہ کے مطابق وجود پیدا کیا ہے اور وجود علمی کے سوائے اس وجود علمی کے موافق وجود خارجی حاصل کیا ہے۔ جیسے کاریگر نجار تخت کی صورت کی ذہن میں تصوّر کر کے خارج میں اس کا اختراع کرتا ہے۔ اس صورت میں تخت کی وہ ذہنیہ صورت جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیّت ہے۔ اس نجار کے خانہ علم سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ خارج میں اس تخت نے اس صورت ذہنیہ کے مطابق وجود پیدا کیا

ہے فافہم۔

جاننا چاہیے کہ ہر عدم نے کمالات وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ جو اس کے مقابل ہے اور اس میں منعکس اور منصبغ ہے۔ خارج میں وجود ذہنی پیدا کیا ہے۔ بخلاف عدم صرف ایک کہ وہ ان ظلال سے متاثرہ نہیں ہوا۔ اور ان کا رنگ نہیں پکڑا۔ اور وہ کیسے رنگ پکڑے جب کہ وہ ظلال کے مقابل نہیں ہے۔ اگر مقابلہ رکھتا ہے تو حضرت وجود سے صرف رکھتا ہے۔

پس عارف تامّ المعرفت جب حضرت وجود سے ترقی کر کے عدم صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے وسیلہ سے یہ عدم بھی اس حضرت سے انصباغ پیدا کر کے مزیّن و مستحسن ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس عارف کے تمام عدم کے مراتب نے جو فی الحقیقت اس کی تمام اجمالی اور تفصیلی مراتب ذاتیہ ہیں۔ حسن و خیریت پیدا کی ہے۔ اور کمال حاصل کیا ہے۔ اور یہ خیریت جو تمام ذاتیہ اس سیرایت کرتی ہے اس قسم کے عارف سے مخصوص ہے۔ اور اس کے غیر کے لیے اگر خیریت نے سیرایت کی ہے۔ تو وہ اس کے اعدام ذاتیہ کے بعض تفصیلیہ مراتب تک ہی منحصر ہے یا بلحاظ اختلاف درجات کے اس کے تمام تفصیلی مراتب میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ قسم اخیر بھی نادر الوجود ہے۔ لیکن عدم کے مرتبہ اجمال میں جو شر و نقص کا عین ہے اس عارف کے سوا اور کسی نے خیریت کی بُو نہیں پائی اور نہ ہی حسن کا کوئی رنگ پیدا کیا ہے۔

پس ناچار ایسے عارف کا جو خیریت نام سے متصف ہے' شیطان بھی حسنِ اسلام پیدا کر لیتا ہے اور اس کا نفس امارہ مطمئنہ ہو کر اپنے مولیٰ سے راضی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیّد المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ:

[1] اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ میرا شیطان بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

پس کوئی غازی غزا میں اس سے سبقت نہیں کرتا۔ اور شیطان جیسے کو خیر کی طرف دلالت نہیں کرتا۔

سُبحان اللہ! وہ معارف جو اس فقیر حقیر سے بے ارادہ و بے تکلف ظاہر ہو رہے ہیں۔ اگر بہت سے لوگ جمع ہو کر ان کی تصویر میں کوشش کریں تو معلوم نہیں کہ میسّر ہو سکے۔ فقیر کا یقین ہے کہ ان معارف کا بہت سا حصّہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کے نصیب ہوگا۔

اگر پادشاہ بردرِ پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سُبلت مکن

اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آ جائے تو اے خواجہ تو حسد سے اس کی مونچھ اپنی داڑھی نہ نوچ

[1] مسلم شریف بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ٥ پس کیا یہ بزرگ اور بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ٥

پس ثابت ہوا کہ ذوات ممکنات عدمات ہیں کہ وجودی کمالات کے ظلال نے ان میں منعکس ہو کر ان کو مزین کر دیا ہے۔ پس ناچار ممکنات بالذات ہر شر و فساد کا ماویٰ اور ہر شر و نقص کی جائے پناہ ہوئیں۔ اور ہر خیر و کمال جو ان میں آراستہ اور پوشیدہ فرمایا ہے وہ عاریتی ہے جو حضرت وجود سے جو خیر محض ہے فائز ہوا ہے۔

مَآ[1] اَصَابَکَ مِن حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَفْسِکَ جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے۔

اس مضمون کی شاہد ہے۔ اور جب خداوند تعالیٰ کے فضل سے یہ دید غلبہ پا جاتی ہے۔ اور اپنے کمالات کو ٹھیک اسی طرف دیکھتا ہے۔ تو اپنے آپ کو شر محض معلوم کرتا ہے اور خالص نقص جانتا ہے۔ اور کوئی کمال اپنے آپ میں مشاہدہ نہیں کرتا۔ اگرچہ انعکاس کے طریق پر ہو۔ اُس شخص کی طرح جو کہ ننگا ہو اور اُس نے عاریت کا لباس پہنا ہو۔ اور یہ دید عاریت اس پر اس قدر غالب آ جائے کہ وہ اپنے خیال میں اپنا سارا لباس اس لباس کے مالک کا سمجھے۔ تو بالضرور وہ شخص اپنے آپ کو ذوق میں ننگا معلوم کرے گا۔ اگرچہ عاریت درمیان واسطہ ہے اس دید کا صاحب مقام عبدیت سے مشرف ہوتا ہے جو تمام کمالات ولایت سے برتر ہے۔

تنبیہ یہ خیر و شر اور نقص و کمال کا اجتماع جو در حقیقت وجود و عدم کا اجتماع ہے۔ جمع نقیضین کی قسم سے ہے کہ تو اس کو محال جانے کیونکہ وجود صرف کی نقیض عدم صرف ہے۔ اور ان ظلی مراتب نے جس طرح وجود کی جانب میں اصل کی بلندی سے تنزلات کی پستی میں نزول فرمایا ہے۔ اسی طرح عدم کی جانب میں بھی ان ظلی مراتب نے عدم صرف کی پستی سے اُوپر کی طرف عروج کیا ہے۔ ان کا اجتماع عناصر متضادہ کے اجتماع کی طرح ہے کہ ہر ایک کے ضد یہ غلبہ اور تیزی کو توڑ کر ان کو جمع فرمایا ہے:۔

فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلْمَۃِ وَالنُّوْرِ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اندھیرے اور نور کو جمع کر دیا۔

اگر کہا جائے کہ تو نے اوپر عدم صرف کے لیے بھی وجود صرف کے ساتھ جو اس کی ضد ہے متصبغ اور رنگ دار ہونے کا حکم کیا ہے۔ پس اجتماع نقیضین پیدا ہوا۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ دو نقیضوں کا جمع ہونا ایک محل میں محال ہے۔ لیکن ایک نقیض کا دوسرے نقیض کے ساتھ قیام کرنا اور ایک دوسرے سے متصف ہونا محال نہیں ہے جیسے کہ معقول والوں نے کہا ہے

[1] پارہ ۵۔ سورۃ النساء ۱۲۔

کہ وجود کے کہ وجود معدوم ہے اور وجود کا عدم کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے پس اگر عدم موجود ہو۔ اور وجود کے ساتھ رنگا جائے۔ تو محال ہوگا۔ تو اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ عدم کے مفہوم کو معقولات ثانیہ سے کہا ہے۔ لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو کیا فساد ہے۔ جس طرح معقول والوں نے وجود کے بارہ میں اشکال کے طریق پر کہا ہے کہ وجود کو چاہیے کہ واجب الوجود تعالیٰ کی ذات کا عین نہ ہو۔ کیوں کہ وجود معقولات ثانیہ سے ہے جو وجود خارجی نہیں رکھتا۔ اور واجب الوجود کی ذات خارج میں موجود ہے پس عین نہ ہوگا اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولات ثانیہ سے ہے نہ کہ اس کی جزئیات۔ پس اس کی جزئیات میں سے جزئی وجود خارجی کے منافی نہ ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے کہ خارج میں موجود ہے۔

سوال: پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ صفات حقیقہ کا وجود ظلال کے مرتبوں میں ہے اور مرتبہ اصل میں ان کا کوئی وجود حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سفیہم کی رائے کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت ذات مقدس سے جدا نہیں جانتے اور ممتنع الانفکاک یعنی ان کا ذات سے جُدا ہونا محال تصور کرتے ہیں۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ اس بیان سے انفکاک کا جواز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لازم ہے۔ پس انفکاک نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ احدیت ذات ہے۔ اور اسماء وصفات میں سے کچھ اُس کے مدنظر نہیں ہے۔ اس مقام میں ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے۔ اور صفات سے کچھ ملحوظ نہیں ہوتا نہ یہ کہ صفات اس وقت حاصل نہیں ہیں۔ پس حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے صفات کا الگ ہونا نہ ہی عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہوا۔ اور نہ ہی حقیقت امر کے اعتبار سے۔ تا کہ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہو۔ فافہم۔

اس بیان سے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچان لیا۔

کے معنے بھی ظاہر ہو گئے۔ کیوں کہ جس نے اپنی حقیقت کو شرارت ونقص کے ساتھ پہچان لیا۔ اور جان لیا کہ ہر خیر وکمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے۔ وہ حضرت واجب الوجود کی طرف سے عاریت کے طور پر ہے۔ پس وہ ضرور ہی حق سبحانہٗ کو خیر وکمال وحسن وجمال سے پہچان لے گا۔ اس تحقیقات سے آیت کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے تاویلی معنے بھی واضح ہو گئے۔ کیونکہ جب ظاہر ہو چکا کہ ممکنات سب کے سب عدمات ہیں۔ جو سراسر ظلمت وشرارت ہیں۔ اور ان میں خیر وکمال اور حسن وجمال حضرت وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ ہے اور ہر خیر وکمال اور حسن وجمال کا عین ہے۔ تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرت وجود ہی

---

۱ سمعانی فرماتے ہیں یہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے ابن حجر نے کہا یہ حضرت کا کلام ہے۔ لیکن کتاب ماوردی میں ہے کہ حضرت عائشہ سے مرفوعاً حضور کا ارشاد بیان فرمایا ہے۔

ہوگا جو واجب تعالیٰ وتقدس کی حقیقت ہے اور چونکہ یہ نور آسمان اور زمین میں ظلال کے واسطہ سے ہے اس لیے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دُور کرنے کے لیے جو بیواسطہ سمجھتے ہیں۔ اس نور کے لیے مثال بیان کی اور اس طرح فرمایا:

مَثَلُ نُوْرِهٖ[1] كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ

الیٰ آخر الآیۃ الکریمہ تاکہ واسطوں کا ثبوت ہو جائے۔ اور اس آیت کریمہ کے تاویلی معنے مفصل طور پر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ پر لکھے جائیں گے۔ کیونکہ اس میں سخن کی بہت مجال ہے۔ اور یہ مکتوب اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ آیت کریمہ کے یہ تاویلی معنے ہیں۔ اس لیے کہا ہے کہ تفسیری معنے نقل و سماع پر مشروط ہیں:

مَنْ[2] فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ فَقَدْ كَفَرَ — جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

تم نے سُنا ہوگا۔ اور تاویل میں سے صرف احتمال کافی ہے۔ بشرطیکہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو پس ثابت ہوا کہ ممکنات کے ذوات واصول عدمات ہیں۔ اور ان کی ناقص اور رذیل صفات ان عدمات کی مقتضیٰ ہیں جو قادر مختار جل سلطانہ کے ایجاد سے وجود میں آئی ہیں۔ اور صفات کاملہ ان میں حضرت وجود تعالیٰ کے کمالات کے ظل سے عاریت کے طور پر ہیں جو انعکاس کے طریق پر ظہور پا کر قادر مختار جل شانہٗ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں۔ اور اشیا کے حسن وقبح کا مصداق یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وہ حسن ہے اگرچہ بظاہر اچھی دکھائی نہ دے۔ اور جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے لیے وسیلہ وذریعہ ہے وہ قبیح ہے اگرچہ بظاہر حسن وخوب دکھائی دے۔ اور حلاوت وطراوت سے ظاہر ہو۔ دنیا کی مزخرفات یعنی بے ہودہ زیب وزینت کا یہی حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں امردوں[3] یعنی بے ریشوں اور بیگانی عورتوں کے حسن اور دنیاوی زیب وزینت کی طرف رغبت وخواہش سے نظر کرنا منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ حسن وطراوت مقتضیات عدم سے ہے جو ہر فساد کا محل ہے۔ اور اگر حسن وجمال کا منشا کمالات وجودیہ

---

[1] سورہ نور پارہ ۱۸

[2] اس مضمون کی احادیث ترمذی ابوداؤد مسند الفردوس بروایت حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ میں موجود ہیں۔

[3] ردّالمحتار میں ہے قال فی الهندية والغلام اذ ابلغ مبلغ الرجال: لم يكن صبيحا افحكمه حكمه جان و ان كان صبيحا فحكمه حكم النساء و هو عورة من قرنه الى قدره لا يحل النظر اليه عن شهوة۔ ''یعنی بچہ جب مردوں کے مقام کو پہنچ جائے اور خوبصورت نہ ہو تو اس کا حکم مردوں کا ہے اور اگر صبیح اور خوبصورت ہو تو وہ عورتوں کے حکم میں ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک اس کے کسی بھی حصہ جسم کو شہوت سے دیکھنا روا نہیں۔

ہوتے تو اس سے منع نہ فرماتے۔ مگر اس سبب سے کہ اصل کے ہوتے ظل کی طرف توجہ کرنا بُرا ہے۔ یہ منع استحسانی ہے۔ نہ وجوبی برخلاف پہلی منع کے۔ پس وہ حسن جو دنیا کے مظاہر جمیلہ میں ظاہر ہے وہ اس ذات تعالیٰ کے حسن ظلال سے نہیں ہے۔ بلکہ لوازم عدم سے ہے جس نے حسن کی مجاورت کے باعث ظاہر میں حسن پیدا کر لیا ہے اور حقیقت میں قبیح و ناقص ہے۔ جس طرح زہر کو شکر کے غلاف میں رکھیں۔ اور نجاست کو زر سے منڈھیں۔ اور یہ جو منکوحہ خوبصورت عورتوں اور لونڈیوں سے تمتع حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ وہ اولاد کے حاصل کرنے اور نسل کے باقی رکھنے کے لیے ہے جو انتظام عالم کے باقی رکھنے کے لیے مطلوب ہے۔

پس بعض صوفیہ جو مظاہر جمیلہ اور عمدہ عمدہ نغموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ حسن و جمال حضرت واجب الوجود تعالیٰ کے کمالات سے مستعار ہے جو ان مظاہر میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس گرفتاری اور تعلق کو نیک اور بہتر سمجھتے ہیں۔ بلکہ راہ وصول تصور کرتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک ان کے برخلاف صادق و ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کا تھوڑا سا مضمون اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بعض اپنے مطلب کے لیے اس قول کو بطور سند پیش کرتے ہیں' جو کہا گیا ہے کہ:

اِیَّاکُمْ وَالْمُرْدَفَاِنَّ فِیھِمْ لَوْنًا کَلَوْنِ اللّٰہِ — تم بے ریشوں سے بچو کیونکہ ان میں رنگ ہے' اللہ تعالیٰ کے رنگ کی طرح۔

کلمہ ''کَلَوْنِ اللّٰہِ'' ان کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور نہیں جانتے کہ یہ قول ان کی طلب کے منافی ہے اور اس فقیر کی معرفت کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ کلمہ تحذیر لایا گیا ہے۔ جس سے ان کی طرف توجہ کرنے سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ اور اس غلط فہمی کا منشا بیان فرمایا ہے کہ ان کا حسن حق سبحانہٗ کے حسن و جمال کے مشابہ اور ماخذ ہے نہ کہ بعینہ اُس کا حسن۔ تاکہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

مَا الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدٰھُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰی — دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں یعنی دو عورتیں جو ایک مرد کے نکاح میں ہوں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض

اس حدیث میں بھی اس امر کی تصریح ہے کہ دنیا و آخرت کا حسن و جمال ایک دوسرے کا نقیض اور ضد ہے اور مقرر ہے کہ دنیاوی حُسن ناپسند ہے اور حُسن اخروی پسند۔ پس شر و نیاوی حُسن کے لازم ہوگا۔ اور خیر حُسن آخرت کے لازم۔ پس ناچار اوّل کا منشا عدم ہوگا اور دوسرے کا منشا وجود۔ ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک وجہ سے دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ایک وجہ سے آخرت کے ساتھ یہ اشیا پہلی وجہ کے لحاظ سے قبیح ہیں۔ اور دوسری کے اعتبار سے حسن۔ اور ان ہر دو وجہ کے درمیان اور ہر ایک کے حسن و قبیح کے درمیان تمیز کرنا علم شریعت پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1] — جو کچھ رسول تمہارے پاس لائے اس کو پکڑ لو۔ اور جس سے منع کرے اس سے ہٹ جاؤ۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے حضرت حق سبحانہٗ نے اس پر نظر نہیں کی اور اس پر حق تعالیٰ کا غضب ہے۔

یہ سب کچھ اس کی قباحت اور شرارت اور فساد کے باعث ہے جو عدم کے مقتضیات سے ہے۔ جو ہر شر و فساد کا ماویٰ ہے۔ دنیاوی حُسن و جمال اور اس کی حلاوت و طراوت رستہ میں پھینکے ہوئے کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں۔ اور منظورِ نظر نہیں ہیں۔ وہ آخرت کا جمال ہی ہے جو نظر کے لائق اور حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ دنیاداروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

یُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ — وہ دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آخرت چاہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَغِّرِ الدُّنْیَا بِاَعْیُنِنَا وَکَبِّرِ الْاٰخِرَۃَ فِیْ قُلُوْبِنَا بَحُرْمَۃِ مَنِ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَ تَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا — یا اللہ تو دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر کر دے اور آخرت کو ہمارے دلوں میں بزرگ بنا اس رسول کی طفیل جس نے فقیر کے ساتھ فخر کیا۔ اور دولت مندی سے الگ رہا اُس پر اُس کی آل پر اتم و اکمل صلوٰۃ و سلام ہو

اور چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شرارت اور نقص اور فساد کی حقیقت پر نظر نہیں ڈالی۔ اور ممکنات کے حقائق کو حق جل وعلا کی علمیہ صورتیں مقرر کی ہیں۔ کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت تعالیٰ و تقدس کے آئینہ میں کہ خارج میں اس کے سوا کچھ موجود نہیں جانتا۔ انعکاس پیدا کر کے خارجی نمود و ظہور حاصل کیا ہے۔ اور ان علمیہ صورتوں کو واجب تعالیٰ کی صفات اور شیون کی صورتوں کے غیر نہیں سمجھا ہے اس لیے وحدت وجود کا حکم ہے۔ اور ممکنات کے وجود کو واجب تعالیٰ و تقدس کے وجود کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی اور نسبتی کہہ کر شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی چیز کو فی نفسہٖ قبیح نہیں جانتا۔ حتیٰ کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت بُرا جانتا ہے نہ اپنی ذات کی نسبت سے کہ اس کو عین صلاح و خیر سمجھتا ہے۔ اور ارباب کفر کی نسبت ان کے لیے استقامت کا حکم کرتا ہے۔ اور آیت کریمہ

---

[1] سورہ حشر پارہ ۲۸

وَمَا [2] مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

کوئی زمین پر چلنے والا نہیں جس کو وہ اس کی پیشانی سے پکڑنے والا نہیں ہے۔ بیشک میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔

کو ان معنے پر شاہد لاتا ہے۔ ہاں جو کوئی وحدت وجود کے سوا حکم نہ پائے۔ وہ اس قسم کی باتوں سے کیوں کنارہ کرے۔

اور جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ممکنات کی ماہیتیں بمع اُن کے کمالات وجودیہ کے جو ان میں منعکس ہو کر ان سے مل گئی ہیں' عدمات ہیں جیسے کہ مفصل طور پر گزر چکا۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِی السَّبِيْلِ

اللہ تعالیٰ ہی حق ظاہر کرتا اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے ہی صراحت سے اور نہ ہی اسارہ سے گفتگو کی ہے۔ بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں۔ جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں اور واجب تعالیٰ و ممکنات کی حقیقت کو جیسے کہ ممکن اور لائق ہے' بیان فرمایا۔ اور جو نہ ہی کتاب و سنت کی مخالفت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی اہل حق کے اقوال کے مخالف ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا میں جو آپ نے گویا تعلیم کے لیے فرمائی ہے۔

اَللّٰهُمَّ [2] اَرِنَا حَقَآئِقَ الْاَشْيَآءِ كَمَاهِیَ

یا اللہ تو اشیا کی حقیقتیں کما حقہ' دکھا۔

حقائق سے مراد یہی حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں۔ اور جو کہ مقام عبودیت کے مناسب ہیں۔ اور جو کہ نقص و ذلت و انکسار پر جو بندگی کے حال کے مناسب ہے دلالت کرتی ہیں۔ بندہ عاجز جو اپنے آپ کو اپنے مولائے قادر کا عین جانے' کمال بے ادبی ہے۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جب کہ پہلی اُمتوں میں سے ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اُولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا۔ اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا۔ اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل ﷺ ہے۔ اس کے علماء کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ [2] دیا ہے۔ اور علما کے وجود کے ساتھ انبیا کے وجود سے کفایت کی ہے۔ اسی واسطے ہر صدی کے بعد اس اُمت کے علما میں سے ایک مجدّدِ مقرر [3] کرتے ہیں۔ تا کہ

---

[2] سورۂ ہود پارہ ۱۲

[1] اس روایت کو امام غزالی نے علق مصنفون اور حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔

[2] بخاری شریف میں ہے العلماء ورثۃ الانبیآء اور فتوحات مکیہ میں ہے ان علماء ھذہ الامۃ کانبیاء بنی اسرائیل۔

[3] ابوداؤد شریف بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مشکوٰۃ ۱۲

شریعت کو زندہ کرے۔ خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے۔ اسی طرح اُس وقت ایک تامُّ المعرفت عالم و عارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو۔

فیض رُوح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں نیز کنند آنچہ مسیحا می کرد!

رُوح القدس کا فیض اگر اب بھی مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کرتے تھے۔

اے فرزند! وجودِ صرف عدم صرف کے مقابل ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ وجودِ صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ اگر چہ یہ عینیت بھی خواہ اجمال کے طور پر ہی ہو اس مقام میں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ ظلّیت کی آمیزش رکھتی ہے۔ اور عدم جو صرف اس وجود کے مقابل ہے وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت اور اضافت نے راہ نہیں پایا۔ اور وہ ہر شر و نقص کا عین ہے۔ اگر چہ یہ عینیت بھی وہاں گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اضافت کی بُو رکھتی ہے۔

اور معلوم ہے کہ کسی شے کا ظہور پُورے طور پر اس شے کے حقیقی مقابل میں ظاہر ہوتا ہے:

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ اشیا اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

پس بالضرور وجود صرف کا ظہور پورے طور پر عدم صرف کے آئینہ میں حاصل ہوگا۔ اور مقرر ہے کہ نزول عروج کے اندازہ سے ہے۔ پس جس کا عروج اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وجود صرف تک ثابت ہو۔ ناچار اس کا نزول عدم صرف میں ہوگا۔ جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت وہاں عارف کا استہلاک ہے جس کو جہل لازم ہے۔ اور نزول کے وقت صحو سے متحقق ہے جو علم و معرفت کا مقام ہے۔ اس وقت اس کے صحو کو اس تجلی ذات سے جو ظلّیت کی آمیزش سے منزہ اور سائیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ سے مبرا ہے مشرّف کرتے ہیں۔ اور اس کو جتلا دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلّی حاصل ہوئی تھی۔ وہ اسماء و صفات و شیون و اعتبارات کے ظلال میں کسی ظل کے پردہ میں تھی۔ اگر چہ عارف اس کو اسماء و شیون کے ملاحظہ کے بغیر جانتا ہے۔ اور حضرت وجود صرف کی تجلّی گنتا ہے۔ سُبحان اللہ! اس عدم نے جو ہر شر و نقص کا ماویٰ ہے۔ حضرت وجود تعالیٰ کے ظہور تام کے باعث حسن کے معنے پیدا کیے۔ اور وہ کچھ پایا جو کسی نے نہ پایا۔ اور جو فی نفسہٖ قبیح تھا۔ حسن عارضی کے سبب مستحسن ہوگیا۔ نفس امّارہ انسانی جو بالذات شرارت کی طرف مائل ہے۔ اس عدم کے ساتھ سب سے زیادہ کامل مناسبت رکھتا ہے۔ اسی واسطے تجلّی خاص میں سب سے فائق ہوگیا۔ اور سب پر ترقی پا گیا۔ ع

کہ مستحق کرامت گنہگارانند ۔

کیونکہ گناہ گار ہی عزت افزائی کے مستحق ہیں۔

جاننا چاہیے کہ تام المعرفت عارف جب عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو مفصل طور پر طے کرنے کے بعد عدم صرف میں نزول فرمائے گا اور حضرت وجود کی آئینہ داری کرے گا۔ تو اس وقت تمام اسمائی و صفاتی کمالات اس میں ظہور پائیں گے۔ اور مفصل طور پر سب کو ایسے لطائف کے ساتھ ظاہر کرے گا کہ مقام اجمال جن کا متضمن ہے اور یہ دولت اس کے سوا کسی دوسرے کو میسر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قیمتی لباس ہے جو اس کے قد پر سیا ہوا ہے۔ اس تفصیل نے اگرچہ حضرت علم کے خزینہ میں صورت حاصل کی ہے۔ لیکن وہ آئینہ داری مرتبہ علم میں ہے۔ اور اس عارف کا آئینہ مرتبہ خارج میں ہے جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال: مرآتیتِ عدم کے کیا معنے ہیں۔ اور عدم کو جو لاشے محض ہے کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا ہے؟

جواب: عدم باعتبار خارج کے لاشے محض ہے۔ لیکن اس نے علم میں امتیاز پیدا کی ہے بلکہ وجود ذہنی کے ثابت کرنے والوں کے نزدیک اس نے وجود علمی بھی حاصل کیا ہے۔ اور اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ مرتبۂ عدم میں ہر نقص و شرارت جو وجود سے جو اس کی نقیض ہے ثابت ہو۔ ضرور مسلوب ہوگا۔ اور ہر کمال جو مرتبہ عدم میں مسلوب ہو۔ وہ حضرت وجود میں مثبت ہوگا۔ پس ناچار عدم کمالات وجودی کے ظہور کا سبب ہوا۔ اور آئینہ ہونے کے یہی معنے ہیں اس کے سوا اور معنے کچھ نہیں:

فَافْهَمْ فَاِنَّهٗ دَقِيْقٌ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ الْمُلْهِمُ — پس سمجھ لے کیونکہ یہ باریک مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ الہام کرنے والا ہے

اے فرزند! یہ جو معارف لکھے گئے ہیں امید ہے کہ رحمانی الہامات سے ہوں گے جن میں ہرگز شیطانی وسوسوں کی آمیزش نہیں ہے۔ اور اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ جب فقیر ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں التجا کی تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے گرد و نواح سے شیطان کو دفع کرتے ہیں۔ اور اس مکان کے گرد نہیں آنے دیتے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی شکر گزاری ہے۔ اس لیے اس نعمت عظمیٰ کے ظاہر کرنے کی دلیری کی۔ اُمید ہے کہ یہ بات عجب اور خود بینی کے گمان سے پاک ہوگی۔ اور خود بینی کے گنجائش کیسے ہو سکے جب کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اپنا ذاتی نقص و شرارت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور کمالات سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ دَآئِمًا وَّ سَرْمَدًا وَّ عَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَاo

اوّل آخر میں اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور اس کے رسول اور اُس کی آل بزرگوار اور اصحاب عظام پر ہمیشہ صلوٰۃ و سلام ہو۔ اور سلام ہو اُن سب پر جو ہدایت کے رستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۳۵)

اس بیان میں کہ اس طائفہ کی محبت دنیا و آخرت کی سعادت کا سرمایہ ہے اور احکام شرعیہ کے بجا لانے اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کا ثمرہ ہے۔ اور اس کے مناسب بیان میں مُلّا عبدالغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرکتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا ہے:

حمد و صلوٰت اور دعوات کے بعد دوستانِ حقیقی اور مشتاقانِ تحقیقی کو معلوم شریف ہو کہ آپ کے مکتوبات شریفہ جو فرط محبت اور کمال اشتیاق سے بھرے ہوئے تھے ان کے پہنچنے سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسی محبت پر ثابت قدم رکھے۔ اس محبت کو دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ جان کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس پر ثابت اور قائم رہنے کی دُعا مانگتے رہا کریں۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے۔ اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر تمام جہان جنتی ظلمتیں اور کدورتیں باطن میں گرادیں لیکن اس محبت کو قائم رکھیں تو کچھ غم نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُمیدوار رہنا چاہیے۔ اور اگر تمام پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں زیادہ کردیں لیکن اس محبت سے بال کے برابر بھی دور کردیں۔ تو سوائے خرابی کے کچھ نہ جاننا چاہیئے۔ اور اس کو استدراج شمار کرنا چاہیے۔ اس سررشتہ کو مضبوط پکڑ کر اپنے کام میں متوجہ رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ کریں۔

ہمہ اندر زمن بتو این است
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

میری ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور مکان رنگین اور خوشنما ہے

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ عَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت کے راہ پر چلے اور حضرت مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۳۶)

بعض اسرار کے بیان میں مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ کے بعد میرے فرزند ارشد کو معلوم ہو کہ تمہارے خط سے جو تم نے احوال کی شرح میں لکھا ہوا تھا۔ ایسا مفہوم ہوا تھا کہ تم کو ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے۔ اس بات سے خداوند جل سُلطانہ کا شکر بجالایا کہ بہت مدت سے یہ آرزو تھی کہ یہ دولت تمہیں حاصل ہو جائے۔ اب اُمیدوار ہو کر اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ تم کو اس دولت کی طرف جذب کرے۔ اتفاقاً اس جستجو میں تم کو ولایت موسوی علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل پایا۔ اور وہاں سے کھینچ کر دائرہ ولایت خاصہ میں داخل کیا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰى ذَالِكَ. اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور جب تم کو قسر وجبر سے اس ولایت میں لائے ہیں۔ اس لیے بیس روز سے زیادہ ہوئے ہیں کہ تم کو اپنی بغل میں نگاہ رکھ کر پرورش کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نسبت کے ضعف سے تمہیں معلوم ہوا ہوگا۔ اور اب چونکہ یہ نسبت قوی ہوگئی ہے امید ہے کہ تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ اور حضرت حق سبحانہٗ کے انعامات کی نسبت جو پے در پے اس عاصی کے حق میں پہنچ رہے ہیں۔ کیا لکھے۔

من آں حاکم کہ ابرِ نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بروید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے توانم

میں وہ خاک ہوں کہ نور بہار کا بادل لطف ومہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔
اگر میرے تن پر سو زبانیں بھی اُگ آئیں تو پھر بھی میں سبزے کی طرح اس کی مہربانی کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ ہے کہ فرزند عزیز محمد سعید نے جو اپنے مکتوب میں اپنے احوال کو ظاہر کیا تھا' بہت ٹھیک ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ یاروں میں سے کم کسی کو حاصل ہوئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولایت خاصہ سے مشرف فرمائے گا۔ اور فرزندی محمد معصوم بالذات اس دولت کے قابل ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے قوت سے فعل میں لائے۔

مکتوب نمبر (۲۳۷)

سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی تابعداری پر ترغیب دینے اور طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی مدح میں محمد طالب بیانگی کی طرف صادر فرمایا:

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى جَادَّةِ الشَّرِيْعَةِ الْحَقَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَاٰلِهِ الْكِرَامُ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ○

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت حقہ کے سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔

میرے سعادت مند بھائی! طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کے بزرگواروں نے سنت سنیہ کو لازم پکڑا ہے اور عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے۔ اگر اس التزام اور اختیار کے ساتھ ان کو احوال ومواجید سے مشرف کرادیں تو ان کو نعمت عظیم جانتے ہیں۔ اور اگر احوال ومواجید تو ان کی بخشیں۔ مگر اس التزام اور اختیار میں فتور معلوم کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ اور ان مواجید کو نہیں چاہتے۔ اور اس فتور میں اپنی سراسر خرابی جانتے ہیں۔ کیونکہ برہمنوں اور ہندو جوگیوں اور یونانی فلاسفہ کو علم توحید کی بہت قسم کی تجلیات صوری اور مکاشفات مثالی ہوئی ہیں۔ لیکن سوائے خرابی اور رسوائی کے ان سے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ اور سوائے بُعد وحرمان کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اے بھائی! جب آپ نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان بزرگواروں کی ارادت کے سلک میں دخال کیا ہے تو چاہیئے کہ ان کی متابعت کو لازم پکڑیں اور سرمُو ان کی مخالفت نہ کریں۔ تاکہ ان کے کمالات سے فائدہ مند اور برخوردار ہوں۔ اوّل اپنے عقاید کو اہل سنت وجماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کے عقاید کے موافق درست کریں۔

دوسرے فرض وسنت وواجب ومندوب وحلال وحرام ومکروہ ومشتبہ کا علم جو فقہ میں مذکور ہے حاصل کریں اور اس علم کے موافق عمل درست کریں۔

تیسرے درجے پر علوم صوفیہ کی نوبت پہنچتی ہے جب تک وہ دو۲ پر درست نہ کرلیں عالم قدس میں اڑانا محال ہے۔ اور اگر ان دو کاموں کے حاصل ہونے کے بغیر احوال ومواجید میسر ہوں تو ان میں اپنی سراسر خرابی جاننی چاہیے۔ اور ایسے احوال ومواجید سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ!

اصل کام یہی ہے باقی سب ہیچ ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ رسول کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔

برادرم میاں شیخ داؤد وہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور جو نصیحت اور دلالت کریں بجالائیں۔ کیونکہ وہ ان بزرگواروں کے مُریدوں کی صحبت میں بہت مدت رہے ہیں۔ اور انہیں ان کا راہ و روش معلوم ہو چکا ہے۔ اُس جگہ کے اُن یاروں کو جو میر نعمان کے ذریعے اس طریقہ عُلیہ میں داخل ہوئے ہیں۔ چاہیے کہ مشارٌ الیہ (شیخ داؤد) کی صحبت کو غنیمت جانیں۔ اور حلقہ میں ایک ہی جگہ بیٹھیں۔ اور ایک دوسری میں فانی ہوں تا کہ جمعیّت حاصل ہو۔ اور معاملہ ترقی پائے۔ اور مکتوب کا مطالعہ کیا کریں کہ بہت فائدہ مند ہے ع

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کی راہ پر چلا اور حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۳۸)

میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ بھائیوں یعنی دوستوں کے زیادہ ہونے میں بہت سی امیدیں ہیں۔ اور اس امر کی تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف اور عُجب کا موجب بن جائیں اور اس بیان میں کہ مُریدوں کے احوال حیا کا موجب بننے چاہیں۔ تا کہ ترقیات پر راغب کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ۝

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور سید المرسلین اور ان کی آلِ پاک و طاہر پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو خواجہ رحمی کی خدمتگار کے ہمراہ ارسال کیا تھا' پہنچ کر نہایت ہی خوشی کا باعث ہوا اور چونکہ آپ کے مریدوں کے احوال مفصل طور پر درج تھے۔ اس لیے خوشی پر خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ بھائیوں کے زیادہ ہونے میں:

اَكْثِرُوْا اِخْوَانَكُمْ فِی الدِّيْنِ

اپنے دینی بھائیوں کو زیادہ بناؤ۔

کے بموجب بہت بہت اُمیدیں ہیں۔ اور آیت کریمہ:

[1] سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَخِیکَ تیرے بازو کو تیرے بھائی سے قوی کریں گے۔

بھی اسی مضمون کی موید ہے۔ لیکن چاہیے کہ اپنے احوال و اعمال منظور نظر ہوں اور اپنی حرکت و سکون ملحوظ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقف کا باعث بن جائیں۔ اور مسترشدوں اور مریدوں کی گرمجوشی مُرشدوں کے گھر میں سردی ڈال دے۔ اس بات سے بہت ڈرتے رہنا چاہیے۔ اور مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر و ببر کی طرح جاننا چاہیے۔ اور اُن پر فخر و مباحات نہ کرنا چاہیے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ اس وجہ سے عجب و غرور کا دروازہ کھل جائے۔ بلکہ چاہیئے کہ:

اَلْحَیَاءُ [2] شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ حیا ایمان کی جزو ہے۔

کے موافق سویدوں کی ترقیاں شرمندگی و خجالت کا باعث ہوں۔ اور طالبوں کی گرمی عبرت کا موجب بنے۔ اور چاہیئے کہ اپنے اعمال کو قاصر اور اپنی نیت کو کوتاہ سمجھیں۔ اور حال و قال کی زبان کلمہ سے تر رہے۔ اگرچہ آپ کے پسندیدہ اطوار سے اُمید ہے کہ آپ اس طرح معاملہ کریں گے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ طالبوں کی توجہ کی سرگرمی میں سردی پڑ جائے۔ کیونکہ مقصود ان دونوں حالتوں کا جمع کرنا ہے۔ صرف ایک ہی کے فکر میں لگا رہنا قصور میں داخل ہے۔

خواجہ رحمی و سیّد احمد کو آپ کی خدمت میں حاضر رہنا چاہیئے۔ اور آپ ان کے حال پر پورے طورے سے توجہ فرماتے رہیں۔ میر عبداللطیف نے بھی اگر توجہ کی توفیق پائی ہو۔ تو اس کی بھی مدد کریں۔ تا کہ استقامت حاصل کر لے۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالب طریقہ قادریہ کی التماس کرتے ہیں۔ چاہیے کہ طریقہ نقش بندیہ کے سوا اور کوئی طریقہ کسی کو نہ سکھائیں۔ تا کہ دو طریقے باہم مل نہ جائیں۔ ہاں اگر کلاہ شجرہ طلب کریں۔ اور استخارہ کی اجازت دیں تو مرید بنالیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ اَصْحَابِکُمْ وَ اَحْبَابِکُمْ وَ عَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلَی الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَتَمَّھَا وَ اَکْمَلُھَا

آپ پر اور آپ کے تمام دوستوں پر سلام ہو۔ اور نیز ان تمام پر جو ہدایت کے راستہ پر چلے۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

☆☆☆

[1] پارہ امن خلق، سورہ قصص ۱۲ [2] بخاری و مسلم مشکوٰۃ شریف

مکتوب نمبر (۲۳۹)

ملا احمد برکی کی طرف اُس کے اس خط کے جواب میں جو اُس نے لکھا تھا اور اس میں چند سوال استفسار کیے تھے' لکھا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اللہ ربّ العالمین کے لیے حمد ہے۔ اور سید المرسلین اور اُن کی آل واصحاب پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

آپ کا مکتوب گرامی جو از روئے شفقت ومہربانی ارسال کیا تھا۔ اس کے مضمون کا مطالعہ کر کے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ احوال کا عرض کرنا احوال کے اندازہ پر ہے الخ۔

میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود یہ ہے کہ محوِل احوال یعنی کے پھیرنے والے (اللہ) کے ساتھ گرفتاری اور تعلق حاصل ہو جائے۔ جب یہ گرفتاری حاصل ہو تو پھر اگر احوال حاصل ہوں یا نہ ہوں کچھ پروا نہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ آپ کے حق میں ہم نے بہت تخم ریزی کی الخ

میرے مخدوم! واقعی اسی طرح ہے۔ لیکن ثمرات کا ظہور زندگی اور مرنے کے بعد بے شمار زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔ اَبْشِرْ وَالَا تَعْجِلْ بِہٖ (خوش ہو اور جلدی نہ کر)

مولانا محمد صالح کے مقولہ کی نسبت آپ نے لکھا تھا۔ چونکہ مولانا مذکور حاضر نہ تھے تا کہ ان کی مراد سمجھی جائے اس لیے اس مقولہ سے معترض نہ ہوا۔ لیکن خیر ہے کسی طرح کا فکر دل میں نہ لائیں' اور بے ادبی کی نسبت جو آپ نے لکھا تھا' سو دوستوں کی خطائیں معاف ہیں دل میں کچھ فکر اندیشہ نہ کریں۔

آپ نے اپنے احوال کی نسبت تفتیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ آپ مقبولوں میں سے ہیں۔

قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّۃٍ

جو قبول کیا گیا وہ بلا علت قبول کیا گیا۔

آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے تا کہ ذکر کی تلقین حاصل کریں۔ الخ

میرے مخدوم! استخارہ ہر کام میں مسنون ومبارک ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہے ممکن ہے کہ استخارہ کے بعد خواب یا واقعہ یا بیداری میں ایسا امر ظاہر ہو۔ جو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے پر درست کرے۔ بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنی چاہیے۔ اگر اس کام کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ ہے تو اس کام کرنے پر دلالت رکھتا ہے۔ اور اگر توجہ اسی قدر ہے جس قدر کہ پہلے تھی اور کچھ کم نہیں ہوئی۔ تب بھی منع نہیں ہے اس صورت میں استخارہ کو

دوبارہ سہ بارہ کرے۔ تاکہ توجہ کی زیادتی مفہوم ہو جائے۔ استخارہ کے تکرار کی نہایت سات مرتبہ تک ہے۔ اور اگر استخارہ کے ادا کرنے کے بعد پہلی توجہ میں نقصان مفہوم ہیں تو منع پر دلالت ہے اس صورت میں بھی اگر استخارہ کرے گنجائش ہے۔ بلکہ ہر تقدیر پر استخارہ کو مکرر کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے۔ اور اس امر کے کرنے یا نہ کرنے میں احتیاط ہے۔

رسالہ مبدٔ و معاد کی اس عبارت کے معنے جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ جو رُوح سے مکتسب ہے آپ نے پوچھی تھی۔

میرے مخدوم! اروح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے کہ دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا[1] وغیرہ وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

ظالموں کے فتنہ سے آپ نے امن طلب کیا تھا۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو بلکہ آپ کی جگہ کو ان ظالموں کی شرارت سے محفوظ رکھا ہے۔ خاطر جمع ہو کر حق تعالیٰ کی پاک جناب کی طرف متوجہ رہیں اور امید ہے کہ اس حفظ کو کسی خاص وقت تک معین نہیں کرے گے:

[2] اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ — تیرا ربّ بڑی بخشش والا ہے۔

لیکن اُس جگہ کے رہنے والوں کو نصیحت کریں کہ مسلمانوں کی بہتری اور خیر خواہی کی وضع کو نہ بدلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَابِقَوْ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلائیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۰)

شیخ یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا:

اس راستہ کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعض فائدوں کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی — اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

وہ رسالہ جو آپ کے خیریت کے انجام والے احوال پر شامل تھا، پہنچا اور اس کا مطالعہ خوشی کا باعث ہوا

ع در عشق چنیں بوالعجبہا باشد

عشق میں اس طرح کے بہت سے تعجب انگیز کام ہوتے ہیں

---

[1] معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی روحیں مدد کرتی ہیں ۱۲ [2] سورۃ والنجم پارہ عما خطبکم [3] سورہ رعد پارہ ۱۳

لیکن چاہیے کہ احوال سے گزر کر محول احوال یعنی احوال کے پلٹانے والے (اللہ) تک پہنچنا چاہیے کہ وہاں سراسر جہالت ونادانی ہے۔ بعدازاں اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو زہے دولت وسعادت۔ غرض جو کچھ دید ودانش میں آئے نفی کے قابل ہے۔ خواہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو۔ کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس وحدت کا شبح ومثال ہے نہ بذاتِ خود وحدت پس اس وقت آپ کے حال کے مناسب کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر اور تکرار ہے۔ اس حد تک کہ دید ودانش میں کچھ نہ چھوڑے اور حیرت وجہالت میں ڈال دے۔ اور معاملہ کو فنا تک پہنچا دے۔ جب تک جہل وحیرت میں نہ پہنچیں۔ فنا نصیب نہیں ہوتی۔ جس کو آپ نے تصور کیا ہے۔ اس فنا کو عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ نہ فنا سے۔ اور جب جہل تک پہنچنے کے بعد فنا حاصل ہوگی۔ تب پہلا قدم اس راہ میں رکھا جائے گا۔ وصل کہاں اور اتصال کس کے لیے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادُ وَ دُوْنُهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب وفراز واقع ہیں۔

آپ کے احوال درست ہیں لیکن ان سے گزرنا لازم ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ	اور سلام ہو اُس شخص پر جو ہدایت کے راہ پر چلا اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

دوسری نصیحت یہ ہے کہ آپ شریعت پر استقامت اختیار کریں اور اپنے احوال کو علوم واُصول شرعیہ کے مطابق درست کریں۔ اگر عیاذاً باللہ کسی قول وفعل میں شریعت کا خلاف پیدا ہو تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیے۔ استقامت والوں کا یہی طریق ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر (۲۴۱)

بعض یاروں کی ترقی کے بیان میں مولانا محمد صالح کی طرف لکھا:

میرے سعادت مند بھائی کو حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ ان حدود کے احوال حمد کے لائق ہیں اور اس جگہ کے سب یار خوش وخرم ہیں۔ بالخصوص مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ولایت خاصہ کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اسم جزئی سے اسم کُلّی کے ساتھ ملحق ہوئے باوجود اس کے نظر فوق کی جانب رکھتے ہیں۔ وہاں سے نصیب وافر حاصل کر کے شاید رجوع کی طرف میلان کریں:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے۔ (پ. سورہ بقرہ)

کبھی کبھی اپنے اور اُن دوستوں کے احوال جو طریقہ میں داخل ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں۔ لکھتے رہا کریں۔ اور چند روز اسی جگہ استقامت اختیار کریں۔ والسّلام

مکتوب نمبر (۲۴۲)

بعض سوالوں کے جواب میں ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ کے بعد میرے عزیز بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے آپ کا مکتوب شریف پہنچایا۔ بڑی خوشی کا موجب ہوا۔ آپ نے جو اپنے اعمال کو قاصر اور نیتوں کو کوتاہ سمجھنے کے بارہ میں لکھا ہوا تھا۔ واضح ہوا۔ حق تعالیٰ سے التجا ہے کہ اس دید کو زیادہ کرے۔ اور اس الہام کو کمال تک پہنچائے۔ کیونکہ اس راہ میں یہ دونوں دولتیں اصل مقصود میں سے ہیں۔

آپ نے لکھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات کا شغل کہاں تک ہے۔ اور اس مبارک شغل کی مداومت سے کس قدر پردے دُور ہوتے ہیں۔ اور نفی و اثبات کی نہایت کہاں تک ہے۔ اور اس کلمہ متبرکہ سے کیا وسعت حاصل ہوتی ہے اور کس قدر حجاب دور ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مُراد غفلت کا دُور کرنا ہے۔ اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ ابتدا میں ہو خواہ انتہا میں۔ اس لیے ظاہر ہر وقت ذکر کا محتاج ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر اسم ذات نفع دیتا ہے اور بعض اوقات ذکر نفی و اثبات مناسب ہوتا ہے۔ باقی رہا معاملہ باطن کا۔ وہاں بھی جب تک بالکل غفلت دُور نہ ہو جائے۔ تب تک ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہاں اس قدر ہے کہ ابتدا میں یہ دونوں ذکر متعیّن ہیں اور توسط و انتہا میں یہ دونوں ذکر متعین نہیں ہیں۔ اگر قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کے ادا کرنے سے غفلت دُور ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی تلاوت متوسط کے حال کے مناسب ہے۔ اور نماز نوافل کا ادا کرنا منتہی کے حال کے مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ذات کا وہ حضور جو اسما و صفات کے ملاحظہ سے ہو۔ اگرچہ دائمی ہو۔ احدیت مجرّدہ کی طرف توجہ کرنے والوں کے نزدیک غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو بھی دُور کرنا چاہیے اور وراء الورا کی طرف جانا چاہیے۔ ؎

؎ پارہ الٓمٓ سورہ بقرہ

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کا فراق اگر تھوڑا سا بھی ہو تو تھوڑا نہیں ہے' آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے

آپ نے ان واقعات کی نسبت جو ظاہر ہوتے ہیں لکھا تھا۔ اس سے پہلے بھی جواب میں یہی لکھا تھا کہ یہ مبشرات ہیں ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا۔ منتظر رہیں اور کام کرتے جائیں۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَ دُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا کس طرح ممکن ہے جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر (۲۴۳)

طریقہ علیہ نقشبندیہ کی ترغیب میں مُلّا ایوب محتسب کی طرف صادر فرمایا:

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے معزز بھائی کو معلوم ہو کہ کئی دفعہ آپ نے اپنے متعدد خطوں میں نصیحتیں طلب فرمائی تھیں۔ لیکن جب بار بار یہی طلب آپ کی طرف سے ظہور میں آئی۔ اس بنا پر چند ٹوٹے پھوٹے فقرے لکھے جاتے ہیں' ان کو غور سے سنیں۔ اور جان لیں کہ جو کچھ طالب کے لیے ضروری ہے اور اس کے ساتھ مکلّف ہے وہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے ہٹ جانا ہے۔ آیت کریمہ:

[1] مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا — جو کچھ رسول تمہارے پاس لایا اس کو پکڑ لو۔ اور جس سے اس نے تمہیں منع کیا ہے اس ہٹ جاؤ۔

اس مطلب پر شاہد ہے۔ اور جب طالب کو اخلاص کو حکم ہے:

[2] اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ — خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔

اور وہ بغیر فنا کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور محبت ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لیے طریق صوفیہ کا سلوک بھی جس سے فنا اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے۔ ضروری ہے۔ تا کہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے۔ اور چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مرتبوں میں اصالۃً متفاوت ہیں۔ اس لیے ایسے طریق کا اختیار کرنا جس میں سنت سنیہ کی متابعت زیادہ لازم اور احکامِ شرعیہ کے بجالانے کے زیادہ موافق ہو۔ بہت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ اور وہ طریقہ مشائخ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریق میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور

[1] سورۃ حشر' پارہ قد سمع اللہ۔ [2] سورۃ زمر' پارہ ۲۳

بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے۔ اگر چہ بظاہر اس کا نفع باطن میں معلوم کریں۔ اور عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے اگر چہ بظاہر اس کو باطن میں مضر جانیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔ اور ذوق و معارف کو علوم دینیہ کا خادم جانتے ہیں۔ احکام شرعیہ کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کے جوز و مویز کے بدلے ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور و مفتون نہیں ہوتے۔ نص کو چھوڑ کر فص[۳] کی طرف خواہش نہیں کرتے۔ اور فتوحات مدینہ کو چھوڑ کر فتوحات مکیہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا حال دائمی اور ان کا وقت استمراری ہے۔ ماسوی اللہ کے نقش ان کے باطن سے اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ اگر ماسوی کے حاضر کرنے میں ہزار سال تک توقف کریں تو بھی میسر نہ ہو۔ اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق کی طرح ہے۔ ان بزرگواروں کے لیے دائمی ہے۔ اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو۔ ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے:

[۴] رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۝ — وہ ایسے مرد ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت اُن کو ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

ان کے حال کا بیان ہے۔

اس کے علاوہ ان کا طریق سب طریقوں سے اقرب اور ضرور موصل ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان کی ہدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ تمام مشائخ کی نسبتوں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن ہر کسی کا فہم ان بزرگوار کے مذاق تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان کے بعض کمالات سے انکار کریں۔

قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور
حاش للہ کہ برارم بزبان ایں گلہ را!

کوئی کوتاہ اندیش اگر اس گروہ نقشبندیہ پر اعتراض کرے تو کرتا رہے۔ میں تو ہرگز اُن گلہ زبان پر نہیں لاسکتا۔

شاعر عرب فرماتا ہے شعر:

اُولٰئِكَ اٰبَآءِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

میرے آباء و اجداد تو یہ ہیں، تو بھی ان کی مثل لے آ۔ جبکہ مجالس منعقد ہوں۔

---

[۳] فص سے کتاب فصول الحکم کی طرف اشارہ ہے جو شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے معرکۃ الاراء تصنیف ہے ۱۲

[۴] سورۃ نور پارہ ۱۸۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ قدس سرہم ہر زرّاق اور رقّاص (فریب کرنے والے اور قص کرنے والے) کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے۔ ان کا کارخانہ بلند ہے۔

حیف باشد شرح او اندر جہاں ہم چو رازِ عشق باید درنہاں
لیک گفتم و صف او تارہ برند پیش ازاں کزفوت حسرت آں خورند

اس کی شرح جہاں میں نہیں ہوسکتی اور وہ راز عشق کی طرح پوشیدہ ہے۔ لیکن میں نے اس کی صفت بیان کی ہے تا کہ لوگ اس کا سراغ لگائیں اس سے قبل کو ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افسوس کریں۔

اگر ان بزرگواروں کے خصائص وکمالات میں دفتروں کے دفتر لکھے جائیں۔ تو دریائے بے نہایت سے قطرہ کی طرح ہیں۔ ع

دادیم ترا زگنج، مقصود نشان

ہم نے تجھے گنج مقصود کا نشان بتلا دیا ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ۝

اور سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کے راستہ پر چلا۔ اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۴۴)

محمد صالح کولابی کی طرف اُس کے اُس خط کے جواب میں جو اس نے اپنے حال کی خرابی کے بیان میں تحریر کیا تھا'

صادر فرمایا:

میرے سعادت مند بھائی خواجہ محمد صالح کا مکتوب شریف پہنچا جو آپ نے اپنے احوال کی خرابی کی نسبت لکھا ہوا تھا' اُمید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ اور اس خرابی کی نہایت اس مکتوب میں جو انہی دنوں میں میرے فرزند ارشد کے نام لکھا ہے۔ درج ہو چکی ہے۔ وہاں سے معلوم کرلیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا یاروں کی جمعیت کا باعث ہے۔ تو بہتر ہے کہ چند روز وہاں ٹھہریں۔ یہ فقیر بھی عنقریب حضرت دہلی کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اکثر استخارے اور توجہات اس سفر کا باعث ہیں۔ اور یہ مقام میرے فرزند ارشد کو عنایت فرمایا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کیا ہے۔ فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔

وہ یار جو طریقہ علیہ میں داخل ہوئے ہیں خاص کر میر سیّد مرتضیٰ و مولٰنا شکر اللہ اور میر سیّد نظام بہت بہت دعاؤں سے مخصوص ہیں۔ فرزندی خواجہ محمد صادق اور سب بھائی آپ کو اور تمام یاروں کو سلام و دُعا کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۵)

مُلّا محمد صالح کی طرف بعض استفساروں کے جواب میں لکھا ہے:

حمد و صلوٰۃ و تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مکتوب شریف جو قاصد کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا اور بڑی خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ ذکر نفی و اثبات اکیس عدد تک پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیشگی نہیں ہو سکتی اور غیبت بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ میرے محبت آثار ذکر کرنے میں ظاہراً کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہے جس کے باعث اس عدد پر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ روبرو اِن شاء اللہ دریافت کر لیں گے۔

دوسرے آپ نے اس قول کے معنے دریافت کیے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کام کو تمام کر کے فرمایا کہ:

ذِکْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ وَذِکْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِکْرُ الرُّوْحِ شِرْکٌ وَذِکْرُ السِّرِ کُفْرٌ

زبان کا ذکر بکواس، اور قلب کا ذکر وسوسہ اور روح کا ذکر شرک اور سر کا ذکر کفر ہے۔

کیونکہ جب ذکر، ذاکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے خواہ کوئی ذکر ہو۔ اور اصل مقصود مذکور میں ذکر و ذاکر کا فنا ہونا ہے۔ اس لیے ذکر کو لقلقہ و وسوسہ و شرک و کفر فرمایا۔

بہر چہ از دوست و ایانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہر چہ ازراہ وا افتی چہ زشت آں حرف وچہ زیبا

جس چیز کے باعث تم دوست سے دور ہو جاؤ، وہ چاہے کفر ہو چاہے ایمان یکساں ہے۔ اور جس چیز سے تم راستے سے بھٹک جاؤ، اس کی ابھائی اور برائی برابر ہے۔

لیکن ذکر کے لئے ان ناموں کا عارض ہونا فنا و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیے۔ کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذاکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے۔ اگر اس میں کچھ پوشیدگی رہی ہو۔ تو حضور میں دریافت فرمالیں گے۔ کیونکہ تحریر کا حوصلہ تنگ ہے تو اس قول کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا خاص کر کام کے تمام ہونے کے بعد اچھا نہیں ہے۔

دوسرا استفسار یہ تھا کہ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے ابوعلی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی

اور اس نے جواب میں لکھا تھا کہ کفر حقیقی میں آ جا اور اسلام مجازی سے نکل جا۔ اور شیخ ابوسعید نے عین القضاۃ کی طرف لکھا کر اگر میں لاکھ برس تک عبادت کرتا تو مجھے وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو مجھے ابوعلی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوا۔ عین القضاۃ نے لکھا کہ اگر آپ سمجھتے تو اس بے چارہ کی طرح مطعون وملام کیوں ہوتے۔

جاننا چاہیے کہ کفر حقیقی دوئی کے بالکل دُور ہو جانے اور کثرت کے کلی طور پر چھپ جانے سے مراد ہے جو کہ فنا کا مقام ہے۔ اور اس کفر حقیقی کے اوپر اسلام حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے کفر حقیقی کو اسلام حقیقی سے نسبت دینی سراسر نقص وعیب ہے۔ یہ ابن سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلام حقیقی کی طرف دلالت نہیں کی ہے۔ اور حقیقت میں اس کو کفر حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اس نے صرف از روئے علم وتقلید کے کہہ دیا اور لکھ دیا ہے۔ بلکہ اس کو تو اسلام مجازی سے بھی خط وافر حاصل نہ ہوا۔ اس نے صرف از روئے علم وتقلید کے کہہ دیا اور لکھ دیا ہے بلکہ اس کو تو اسلام مجازی سے بھی خط وافر حاصل نہ ہوا۔ اور فلسفی بکھیڑوں میں عمر بسر کر دی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تکفیر کرتے ہیں اور واقعی اس کے فلسفی اصول اصول اسلام کے منافی ومخالف ہیں۔ نیز شیخ ابوسعید عین القضاۃ سے بہت مقدم ہے وہ اس کی طرف کیا لکھے اگر کچھ شبہ باقی رہا ہو تو حضور میں آ کر دریافت فرمالیں گے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۷)

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اُس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جو کمال وتکمیل کے مرتبوں میں متوقع اور جس کی انتظار رہتی ہے اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَجْمَعِيْنَ

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل واصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

آپ کے مکتوب شریف یکے بعد دیگرے صادر ہوئے۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ ان حدود کی طرف جانے والا کوئی نہ ملا تا کہ ہر ایک کا جواب الگ الگ لکھا جاتا۔ امید ہے کہ معذور فرمادیں گے۔ اس مکتوب کے پہنچنے کے بعد جو میر داد کے ہمراہ ارسال کیا تھا۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ بیخواستہ آپ کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ اور بقایا آثار جو نظر میں آتے تھے ان کے دُور کرنے کے درپے ہوا۔ اور وہ ظلمتیں

اور کدورتیں جو محسوس ہو رہی تھیں ان کے دفع کرنے میں کوشش کرنے لگا۔ یہاں کہ آپ کے کمال کا ہلال بدر کامل بن گیا۔ اور جو کچھ ہدایت کے آفتاب میں امانت رکھا تھا سب اس بدر میں منعکس ہوا حتی کہ کمال کی جانب میں کچھ متوقع اور منتظر نہ رہا:

اِلَّا اَنْ یَّتَّسِعَ الظَّرْفُ وَیَاخُذُ بِقَدْرِ وُسْعَتِهٖ شَیْئًا فَشَیْئًا

سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اپنی وسعت کے موافق کچھ حاصل کرے۔

اور بہت دیر تک اس معنے کے مثالیہ صورت نظر میں رہی۔ یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے حاصل ہوا۔ الحمد للہ سبحانہ علیٰ ذالک

اس دولت کا حاصل ہونا اس واقع کو تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا۔ اور اس کے حاصل ہونے کے لیے بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان ہے کہ آپ کا قرض سب کا سب ادا ہو گیا۔ اور وعدہ پورا ہوا۔ اب امیدوار ہے کہ اس کمائی کے اندازہ پر تکمیل حاصل ہو گی۔ اور اس طرف کے دشت و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کی نسبت لکھا تھا۔ ظاہراً اس کا سبب قبض کی زیارت ہے اور چوں کہ آپ کی قبض مفرط اور دیر کے بعد دُور ہونے والی ہے۔ اس کا مسبب بھی سبب کے اندازہ کے موافق طویل ہو گا۔ اس حال میں تکلیف کے ساتھ آپ اعمال بجالاتے اور عبادات کرتے رہیں۔ اور تحمل اور بناوٹ کے ساتھ اس پر آمادہ رہیں۔

دوسرے یہ ہے کہ اس سال میں بہت علوم بلند اور معارف ارجمند ظہور میں آئے ہیں۔ ان میں سے دو مسودہ کو اخوند مولانا محمد امین ہمراہ لائے ہیں۔ ان میں ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی ان بعض رباعیوں کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آبادی دوستوں کی قرأت سے کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رباعیوں کے مناسب درج ہوئے ہیں۔ اور علما اور وحدت وجود کے قائل صوفیہ کے درمیان تطبیق دی ہے۔ اور اس طرح تحریر ہوا ہے کہ فریقین کہ نزاع لفظ کی طرف راجع ہوئی ہے۔ اور دوسرا مسودہ وہ مکتوب ہے جو فرزندی ارشدی کی طرف بڑے طول و بسط کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ آپ کو مطالعہ کے وقت معلوم ہو جائے گا یہ علوم کس درجہ بلند ہیں۔ اگر کوئی امر ان سے رہ جائے تو دریافت کرلیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۷)

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کے وجود پاک پر اس کا اپنا وجود پاک ہی دلیل ہے نہ کہ اس کا ماسوا۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

عَرَفْتُ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَابَلْ عَرَفْتُ فَسْخَ الْعَزَائِمِ بِرَبِّیْ

میں نے اپنے رب کو ارادوں کے توڑنے سے نہیں پہچانا' بلکہ ارادوں کے توڑنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچان لیا ہے۔

کیونکہ وہ حق تعالیٰ اپنے ماسوائے پر دلیل ہے نہ کہ برعکس۔ اس لیے کہ دلیل اپنے مدلول سے اظہر ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر اور کونسی چیز اظہر ہے۔ کیونکہ تمام اشیاء اسی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ پس وہ اپنی ذات اور اپنے ماسوٰی پر دلیل ہے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ وَعَرَفْتُ الْاَشْیَآءَ بِهٖ تَعَالٰی ○

میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ساتھ پہچانا اور اشیاء کو اس کے ساتھ پہچانا۔

پس برہان اس جگہ لمی ؎ ہے اور اکثر کے خیال میں اِنی ہے اور تفاوت نظر کے تفاوت سے ہے۔ اور اختلاف بلحاظ منظر کے ہے۔ بلکہ وہاں استدلال اور برہان کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کے وجود میں کوئی پوشیدگی اور اس کے ظہور میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اور وہ تمام بدیہات سے زیادہ روشن ہے۔ اور یہ بات سوائے اُس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ہو کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور تمام اشیا حواس ظاہری سے محسوس ہیں۔ اور ضروری طور پر معلوم ہے کہ ان سب کا وجود اُسی ذات پاک کی طرف سے ہے جو مطلوب میں مضر نہیں ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَ اَکْمَلُهَا

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

؎ برہان لمی یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور انی یہ ہے کہ معلول سے علت کی طرف دلیل پکڑیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۸)

عالی جناب مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انبیائے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو ان کے تمام کمالات سے بطریق تبعیت کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہے۔ اور اس بیان میں کہ کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس امر کی تحقیق میں کہ تجلّی ذاتی جو آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہے، کسی معنی سے ہے۔

اور اس کے مناسب بیان میں:

[1] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُهٗ عَلَیْهِمْ وَعَلٰی اَتْبَاعِهِمْ وَاَعْوَانِهِمْ وَخَزَنَةِ اَسْرَارِهِمْ

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس طرف ہدایت کی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رُسول حق کے ساتھ آئے ہیں، اُن پر اور ان کے تابعداروں اور مددگاروں اور ان کے اسرار کے خزانچیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کمال متابعت اور زیادہ محنت کے باعث بلکہ محض عنایت و بخشش سے اپنے متبوع انبیاءؑ کے تمام کمالات کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور پُورے طور پر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ تابعوں اور متبوعوں کے درمیان سوائے اصالت اور تبعیت اور اولیت اور آخریت کے کچھ فرق نہیں رہتا۔ باوجود اس امر کے کوئی تابعدار اگرچہ افضل الرسل کے تابعداروں سے ہو۔ کسی نبی کے مرتبہ کو اگرچہ وہ تمام انبیاء سے کم درجہ کا ہو نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر کے نیچے رہتا ہے جو تمام پیغمبروں سے نیچے درجے کا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تمام انبیا اور ان کے ارباب کے تعیّنات کے مبادی مقام اصل سے ہیں۔ اور تمام اعلیٰ و اسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مُبادی تعینات اس اصل کے ظلال کے مقامات سے اپنے اپنے درجہ کے موافق ہیں۔ پھر اصل وظل کے درمیان کس طرح مساوات ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] سورہ اعراف، پارہ ولو اننا

[1] وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ اَنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ○	بے شک ہمارے مُرسل بندوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا کہ وہ فتحیاب ہیں اور ہمارا یہی لشکر غالب ہے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذاتی جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان حضرت خاتم الرسل سے مخصوص ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ حاصل ہے۔ وہ اس معنے کے لحاظ سے نہیں ہے کہ تجلی ذات انبیا کے نصیب نہیں ہے۔ اور تابعداری کے سبب ان کے کاملوں کو نصیب ہے۔ حاشا وکلا کہ کوئی اس سے یہ مطلب تصور کرے۔ کیونکہ اس میں اولیا کی انبیاء پر زیارت ہے بلکہ ان تجلی کا آنحضرت ﷺ سے مخصوص ہونا اس معنے کے اعتبار سے ہے۔ کہ دوسروں کو اس کا حاصل ہونا آنحضرت ﷺ سے کی طفیل اور تبعیت سے ہے۔ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنحضرت ﷺ کی طفیل ہے۔ اور اس اُمت کے کامل اولیا کو آنحضرت ﷺ کی تابعداری کے سبب سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آنحضرت ﷺ کی نعمت عظمےٰ کے دسترخوان پر اس کے طفیلی اور جلیس ہیں۔ اور اولیاء آنحضرت ﷺ کے خادم پس خوردہ کھانے والے۔ اور جلیس طفیلی اور خادم پس خوردہ کھانے والے کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام پر قدم لغزش کھا جاتا ہے۔

اس شبہ کی تحقیق میں اس فقیر نے اپنے مکتوبات اور رسالوں میں کئی قسم کی وجہیں ذکر کی ہیں۔ اور حق وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس مسودہ میں تحقیق کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگرچہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت ﷺ کی طفیل اس تجلی سے کامل حصہ حاصل ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایت خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیا میں اثر نہیں کیا ہے۔ اور اس تجلی سے وافر حصہ حاصل نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ جب ان کی اصلوں میں یہ دولت طفیلی اور انعکاسی ہو تو فروع میں عکس العکس کے طریق پر کیا پہنچے۔ اس معنے کا مصداق کشف صریح ہے نہ استدلال عقلی۔

اور یہ جو پہلے مذکورہ ہوا ہے کہ کامل تابعدار کمال متابعت کے سبب اپنے متبوعوں کے کمالات جذب کر لیتے ہیں مراد ان سے متبوعوں کے اصلیہ کمالات ہیں نہ کہ مطلقاً تا کہ تناقض پیدا نہ ہو۔ بلکہ یہ لوگ انبیاء میں سے اپنے ہر ایک نبی کی مخصوصہ ولایت سے بہرور ہوئے ہیں۔ اور سب امتوں کے درمیان یہی اُمت تابعداری کے سبب اس تجلی سے مخصوص ہے۔ اور اس دولت عظمےٰ سے مشرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت خیر الامم ہے۔ اور اس اُمت کے علما بنی اسرائیل کی طرح ہیں:

---

[1] سورۃ والصافات۔ پارہ ۲۳

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

دل نے چاہا کہ اس ولایت خاصہ کے کچھ فضائل وخصائص لکھے۔ لیکن وقت کی تنگی نے مدد نہ کی اور کاغذ نے کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علوم ومعارف بھاری بادل کی طرح برس رہے ہیں۔ اور عجیب غریب اسرار پر اطلاع بخش رہے ہیں۔ اس راز کے محرم اپنی اپنی استعداد کے موافق میرے بزرگوار فرزند ہیں۔ اور دوسرے دوست چند روز حضور میں ہیں اور چند روز غیبت میں۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ولی ہر چند ولی ہو صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے بڑھ کر ہے۔ صحیفہ گرامی جو اس حقیر کے نامزد فرمایا تھا اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا۔ اعمال کو قاصر دیکھنا بڑی بھاری نعمت ہے۔ لیکن توسط احوال تمام امور میں اچھا ہے۔ افراط تفریط کی طرح حد اعتدال سے باہر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ط

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جو ہدایت پر چلے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۴۹)

میرزا داراب کی طرف صادر فرمایا:

حضرت سید المرسلین والآخرین کی متابعت کے فضائل اور اس پر مترتبہ کمالات اور اس کے ساتھ مخصوص مراتب کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو

آخرت کی نجات اور ہمیشہ کی خلاصی حضرت سید الاولین والآخرین ﷺ کی متابعت پر وابستہ ہے۔ آپ ہی کی متابعت سے حق تعالیٰ کی محبوبیت کے مقام میں پہنچتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے تجلی ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور آپ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیّت میں جو کمال کے مراتب سے اوپر اور مقام محبوبیّت کے حاصل ہونے کے بعد ہے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور آپ کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح فرماتے ہیں۔ اور اُولُو العزم پیغمبر آپ کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اور اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ

کے زمانہ میں زندہ ہوتے تو آپ ہی کی تابعداری کرتے۔ اور عیسیٰ روح اللہ کے نازل ہونے اور حضرت حبیب اللہ ﷺ کی متابعت کرنے کا قصہ مشہور و معلوم ہے۔ آپ کی اُمت آپ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہوئی ہے۔ اور اس میں سے اکثر اہل جنت ہیں۔ قیامت کے دن آپ کی تابعداری کی بدولت تمام اُمتوں سے پہلے آپ کی اُمتی بہشت میں جائیں گے۔ اور ناز و نعمت حاصل کریں گے۔ پس آپ کو لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ اخوانہٖ وسلم کی متابعت اور سنت کو لازم پکڑیں اور شریعت حقہ کے موافق اعمال بجالائیں۔

دوسرے یہ کہ شیخ اسماعیل کی سفارش کرتا ہے جو معارف آگاہ حاجی عبدالحق کے دوستوں میں سے ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۰)

بعض استفساروں کے حل میں مُلّا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ اس طرف کے فقرا کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں اور آپ کی عافیت حق تعالیٰ سے مطلوب و مسئول ہے۔

آپ کا مکتوب شریف صادر ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ وہ ذوق و خوشی جو اول حاصل تھی۔ اب اپنے آپ میں نہیں پاتا۔ اور اس بات کو اپنا تنزل جانتا ہے' سو میرے بھائی کو معلوم ہو کہ پہلی حالت اہل وجد و سماع کی طرح تھی۔ جس میں جسد کو کامل دخل تھا۔ اور جو حالت اب حاصل ہوئی ہے اس میں جسد کا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا زیادہ تر تعلق قلب و روح کے ساتھ ہے۔ اس معنیٰ کا بیان کرنا تفصیل چاہتا ہے حاصل یہ کہ دوسری حالت پہلی حالت سے کئی مرتبہ بڑھ کر ہے۔ اور ذوق کا نہ پانا اور خوشی کا دور ہونا' ذوق و خوشی کے پانے سے برتر ہے۔ کیونکہ نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو۔ اسی قدر اصل اور مقصود حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے۔ اس لیے کہ اس مقام میں عجز و جہل کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ جہل کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور عجز کا نام ادارک رکھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کی وہ تاثیر جو پہلے تھی اب نہیں رہی۔ ہاں تاثیر جسدی نہیں رہی' لیکن تاثیر روحی زیادہ تر حاصل ہوگئی ہے۔ لیکن ہر ایک شخص اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ لیکن کیا کیا جائے آپ کی صحبت اس فقیر کے ستھ بہت کم ہوئی ہے۔ اور علوم و معارف خاصہ بہت کم مذکور ہوئے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ دوبارہ صحبت حاصل ہو۔ اور پھر چند روز باہم اکٹھے رہیں۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ باوجود زادو راحلہ کے اس زمانہ میں مکہ معظمہ جانا فرض ہے یا نہیں؟

میرے مخدوم! اس بارہ میں فقہ کی روایتوں میں بہت اختلاف ہے۔ اور اس مسئلہ میں مختار فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے' جو اُس نے کہا ہے کہ اگر راستہ میں امن اور عدم ہلاک کا ظن غالب ہے تو اُس کی فرضیت ثابت ہے' ورنہ نہیں۔ لیکن یہ شرط وجوب ادا کی شرط ہے نہ کہ نفس وجوب کی۔ کما ہوا الصحیح۔ پس اس صورت میں حج کی وصیت واجب نہیں ہوتی۔ چونکہ وقت نے موافقت نہ کی۔ اس لیے آپ کے دوسرے استفساروں کے جواب کو کسی دوسرے مکتوب پر موقوف رکھا۔ والسلام

مکتوب نمبر (۲۵۱)

مولانا محمد اشرف کی طرف صادر فرمایا:

خلفائے راشدین کے فضائل اور حضرات شیخینؓ کی فضیلت اور حضرت امیرؓ کے بعض خاصوں اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی تعظیم وتوقیر اور ان کے درمیانی جھگڑوں اور لڑائیوں کو محمل صحیح پر حمل کرنے اور اُس کے متعلق بیان میں

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے سعادت مند بھائی محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض علوم غریبہ اور اسرار عجیبہ اور مواہب لطیفہ اور معارف شریفہ جن میں سے اکثر حضرات شیخین وذی النورین وحیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے فضائل وکمالات سے تعلق رکھتے ہیں اپنی ناقص سمجھ کے موافق لکھتا ہے' گوش ہوش سے سُنیں

حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کمالات محمدی کے حاصل ہونے اور ولایت مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والسلام کے درجوں کے پہنچنے کے باوجود گزشتہ انبیا کے درمیان جانب ولایت میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسب رکھتے ہیں اور جانب دعوت میں جو مقام نبوت کے مناسب ہے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسب رکھتے ہیں۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ دونوں طرف میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں' اور چونکہ حضرت عیسےٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ اس لیے نبوت کی جانب سے ولایت کی جانب ان میں غالب ہے۔ اور حضرت امیر میں بھی اس مناسبت کے باعث ولایت کی جانب غالب ہے۔ اور خلفائے اربعہ کے تعینات کے مبادی جہالت کے اختلاف کے بموجب اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت العلم ہے۔ اور وہ صفت باعتبار اجمال حضرت محمد ﷺ کا رب ہے۔ اور باعتبار تفصیل کے حضرت خلیل علیہ السلام کا رب اور اجمال وتفصیل کی برزخیت کے اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام کا رب ہے۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب صفت الکلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رب صفت القدرت اور حضرت آدم علیہ السلام کا رب صفت التکوین ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ مراتب کے اختلاف کے موافق نبوت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں۔ اور حضرت امیرؓ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مناسبت اور جانب ولایت کے غلبہ کے باعث ولایت محمدی کے بوجھ کو اُٹھانے والے ہیں اور حضرت ذی النورین کو برزخیت کے اعتبار سے ہر دو طرف کے بوجھ اٹھانے والا فرمایا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی ان کو ذی النورین کہیں۔ اور چونکہ شیخین رضی اللہ عنہما بار نبوت کے اٹھانے والے ہیں۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مقام دعوت جو مرتبہ نبوت سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد باقی تمام انبیا کے درمیان ان میں اتم واکمل ہے اور ان کی کتاب قرآن مجید تمام نازل شدہ کتابوں سے بہتر ہے۔ اسی واسطے ان کی امت گزشتہ امتوں کی نسبت زیادہ بہشت میں جائے گی۔ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملّت تمام شریعتوں اور ملّتوں سے افضل واکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے افضل پیغمبر کو اس کی ملّت کی متابعت کا امر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط — پھر ہم تیری طرف وحی بھیجی کہ ملّت ابراہیمؑ کی تابعدار کر کہ وہ راتہ راست پر چلنے والا ہے۔

اس مضمون کی شاہد ہے اور حضرت مہدی موعود کہ اس کا رب بھی صفت العلم ہے حضرت امیرؓ کی طرح حضرت عیسیٰؑ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ گویا ایک قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے سر پر۔

اور جاننا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت' ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایت عیسویؑ اس ولایت کے بائیں طرف اور چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامل ہیں۔ اس لیے مشائخ واولیا کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں۔ اور حضرت امیر کے کمالات حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات کی نسبت اکر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں۔ زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر شیخینؓ کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے کمالات انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کے مشابہ ہیں۔ اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے۔ اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث راہ میں ہیں۔ ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلہ میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی طرح ہیں۔ کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لیے بمنزلہ زینہ کے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے۔ اور مطالب کو مبادی سے کیا شعور۔ آج یہ بات عہد نبوت کے بُعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن کیا کیا

جائے۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
ہر چہ اُستاد ازل گفت ہماں میگویم

مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی طرح رکھا گیا ہے جو کہ اُستاد ازل نے کہا میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان کہ اس گفتگو میں علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے ساتھ موافق ہوں۔ اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلالی علم کو مجھ پر کشفی اور اجمالی کو تفصیلی کیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک کہ مقام نبوت کے کمالات تک اپنے نبی کی متابعت میں نہ پہنچایا۔ اور کمالات سے پورا حصہ عطا نہ فرمایا تھا۔ تب تک شیخین کے فضائل پر کشف کے طور پر اطلاع نہ بخشی تھی۔ اور تقلید کے سوائے کوئی راہ نہ دکھایا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بیشک ہمارے رب کی رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

ایک دن کسی شخص نے بیان کیا کہ لکھا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا نام بہشت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے دل میں گزرا کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لیے اس مقام کی کیا خصوصیتیں ہوں گی۔ توجہ تام کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخل ہونا ان دو بزرگواروں کی رائے اور تجویز سے ہوگا کہ گویا حضرت صدیقؓ بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ اور لوگوں کے داخل ہونے کی تجویز فرماتے ہیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہاتھ پکڑ کر اندر لے جاتے ہیں۔ اور ایسا مشہود ہوتا ہے کہ گویا تمام بہشت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نور سے بھرا ہوا ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرت شیخین کے لیے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان علیحدہ شان اور الگ درجہ ہے گویا یہ دونوں کسی کے ساتھ مشارکت نہیں رکھتے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں۔ اگر فرق ہے تو صرف علو و سفل یعنی بلندی اور پستی کا ہے۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی حضرت صدیقؓ کی طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت کے ساتھ ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اولیائے اُمت کا وہاں کیا دخل ہے۔

سورہ نمل پارہ ۱۴۔

ایں بس کہ رسد زدُور بانگ جرسم!

یہی کافی ہے کہ دُور سے گھنٹی کی آواز سنائی دیتی رہے۔

یہ لوگ کمالاتِ شیخین رضی اللہ عنہ سے کیا حاصل کریں۔ یہ دونوں بزرگوار اپنی بزرگی وکلانی کی وجہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں معدود اور ان کے فضائل کے ساتھ موصوف ہیں۔

حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

[1] لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُؓ اگر میرے پیچھے کوئی نبی ہوتا تو البتہ عمرؓ ہوتا۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی ماتم پُرسی کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر نے صحابہ کی مجلس میں کہا کہ:

مَاتَ تِسْعَةُ اَعْشَارِ الْعِلْمِ آج نو حصے علم فوت ہوگیا۔

جب بعض میں اس معنے کے سمجھنے میں توقف دیکھا تو کہا کہ میری مراد علم سے علم باللہ ہے نہ علم حیض ونفاس۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت کیا بیان کیا جائے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ جیسے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نسبت خبر دی ہے۔ اور وہ انحطاط یعنی کمی جو حضرت فاروقؓ کو حضرت صدیقؓ سے ہے اس انحطاط وکمی سے زیادہ ہے۔ جو حضرت صدیقؓ کو حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیئے کہ دوسروں کا حضرت صدیقؓ سے انحطاط کس قدر ہوگا۔ اور حضرات شیخینؓ موت کے بعد بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا نہ ہوئے اور ان کا حشر بھی یکجا ہوگا۔ جیسے کہ فرمایا ہے۔ پس ان کی فضیلت قربیت کے باعث ہوگی۔

یہ قلیل البضاعت یعنی بے سروسامان ان کے کمالات کو کیا بیان کرے اور ان کے فضائل کیا ظاہر کرے ذرہ کی کیا طاقت کہ آسمان کی نسبت گفتگو کرے۔ اور قطرہ کی کیا مجال کہ بحر عمان کی بات زبان پر لائے۔

اُن اولیا نے جو دعوت خلق کی طرف راجع ہیں اور ولایت ودعوت کی دونوں طرفوں سے حصہ رکھے ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے علمائے مجتہدین نے کشف صحیح کے فوراً اور اخبار صادقہ اور آثار متابعہ سے شیخین رضی اللہ عنہم کے کمالات کو دریافت کیا ہے۔ اور ان کے فضائل کو پہچان کر ان کے افضل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر اجماع کیا ہے اور اُس کشف کو جو اس اجماع کے برخلاف ظاہر ہو غلطی خیال کر کے اُس کا کچھ اعتبار نہیں کیا ہے۔ اور کس طرح ایسے کشف کا اعتبار کیا جائے جب کہ صدر اوّل میں ان کی افضلیت صحیح ہو چکی ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے:

---

[1] ترمذی شریف، ابویعلیٰ، طبرانی، حاکم اور ابونعیم

قَالَ كُنَّا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَانَعْدِلُ بِاَبِيْ بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُهٗ بَيْنَهُمْ

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسی کو ابوبکرؓ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے۔ یعنی اُن کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دیتے تھے۔

اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے:

قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ اَفْضَلُ اُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَهٗ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ ط

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت میں سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور جنہوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے وہ ارباب سکر اور اولیائے غیر مرجوع میں سے ہیں۔ جن کو کمالاتِ نبوت سے زیادہ حصہ حاصل نہیں ہے۔ اور آپ کی نظر میں آیا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسالوں میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو۔ اور یہی حق ہے اور جس نے اس کے برخلاف کہا وہ مقام نبوت کے کمالات سے جاہل ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ اولیا کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلہ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہے۔ پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی اور ان کی دعوت اتم ہوگی۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہوں گے۔ ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ اور ان کے معاملہ کی حقیقت کی کیا خبر۔ میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کامل جائے تو غنیمت ہے میرا خیال ہے کہ حضرت مہدی موعود جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی۔ اور اس سلسلہ علیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔ کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے۔ اور یہ ولایت حضرت صدیقؓ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ ابھی بیان ہو چکا۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دیکھ دونوں راستوں میں کس قدر فرق ہے

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اُٹھانے والے ہیں اس لیے اقطاب و ابدال و اوتاد (جو اولیائے عزلت میں سے ہیں۔ اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی امداد[1] واعانت کے سپرد ہے۔

قطب الاقطاب یعنی قطب مدار کا سر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے قدم کے نیچے ہے۔ قطب مدار انہی کی حمایت و رعایت سے اپنے ضروری امور کو سرانجام کرتا اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ اور امامینؓ بھی اس مقام میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شریک ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ پیغمبر علیہ السلام والسلام کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب بزرگ ہیں اور سب کو بزرگی سے یاد کرنا چاہیئے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اَخْتَارَنِیْ وَاَخْتَارَلِیْ اَصْحَاباً وَاَخْتَارَلِیْ مِنْهُمْ اَصْهَارًا وَّ اَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظَنِیْ فِیْهِمْ حَفِظَهُ اللّٰهُ وَمَنْ اٰذَانِیْ فِیْهِمْ اٰذَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ط

اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے اصحاب کو پسند کیا اور ان میں سے بعض کو میرے لیے رشتہ دار اور مددگار پسند کیا۔ پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی اس کو اللہ تعالیٰ نے ایذا دی۔

طبرانی نے حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ:

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ط

جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ اَشْرَارَ اُمَّتِیْ اَجْرَءُهُمْ عَلٰی اَصْحَابِیْ ط

میری اُمت میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جو میرے اصحاب پر دلیر ہیں۔

اور ان لڑائی جھگڑوں کو جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ نیک محمل پر محمول کرنا چاہیے۔ اور ہواؤ

[1] اولیاء کرام کی مدد کا انکار کرنے والے حضرت امام ربانی رضی اللہ عنہ کے اس عقیدہ پر غور فرمائیں۔

تعصب سے دور سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل او اجتہاد پر مبنی تھیں، نہ ہوا و ہوس پر۔ یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے خطا پر تھے۔ اور حق حضرت امیرؓ کی طرف تھا۔ لیکن چونکہ یہ خطا، خطائے اجتہادی کی طرف تھی۔ اس لیے ملامت سے دُور ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، جیسے کہ شارح[1] آمدی[2] سے نقل کرتا ہے کہ جمل وصفین کے واقعات اجتہاد سے ہوئے ہیں۔

اور شیخ ابوشکور[3] سلمی نے تمہید میں تصریح کی ہے اہل سنت و جماعت اس بات پر ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بمع اُن کے تمام اصحاب کے جو ان کے ہمراہ تھے سب خطا پر تھے۔ لیکن ان کی خطا اجتہادی تھی۔

اور شیخ[4] ابن حجرؒ نے صواعق میں کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور امیر کے درمیان جھگڑے از روئے اجتہاد کے ہوئے ہیں۔ اور اس قول کو اہل سنّت کے معتقدات سے فرمایا ہے۔

اور شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے اصحاب اس بات پر ہیں کہ وہ منازعات از روئے اجتہاد کے نہیں ہوئے۔

معلوم نہیں اصحاب سے اس کی مراد کونسا گروہ ہے۔ جب کہ اہل سنت اس کے برخلاف حکم دیتے ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ اور قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں۔ جیسے کہ امام غزالیؒ اور قاضی ابوبکرؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کے حق میں فسق وضلال کا گمان جائز نہیں ہے۔

قاضی نے شفا میں بیان کیا ہے:

قَالَ مَالِکٌ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ شَتَمَ	حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ
اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ	جس نے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے
عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَبَابَکْرٍؓ وَعُمَرَؓ	اصحاب میں سے کسی کو یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ و
وَعُثْمَانَ وَعَمْرَو بْنِ الْعَاصِ فَاِنْ قَالَ	عمرو بن العاصؓ کو گالی دی۔ اور کہا کہ وہ کفر اور
کَانُوْا عَلٰی ضَلَالٍ وَّکُفْرٍ اَوْاِنْ شَتَمَ	گمراہی پر تھے یا اس کے سوا اور کوئی گالی نکالی
بِغَیْرِ ھٰذَا مِنْ مَشَاتَمَۃِ النَّاسِ نُکِلَّ	جس طرح لوگ ایک دوسرے کو گالی نکالتے

[1] یعنی میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۰۱ھ

[2] یعنی سیف الدین ابوالحسن علی ابن علی محمد بن سالم تغلبی فقیہہ اصول متوفی ۶۳۱ھ وفیات الاعیان۔

[3] محمد بن اسید بن شعیب الکشی۔

[4] یعنی شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی نزیل مکہ معظمہ

نَكَالاً شَدِيْدًا فَلَا يَكُونُ مُحَارِبُوْ عَلِيٍّ كَفَرَةً كَمَا زَعَمَتِ الْغُلَاةُ مِنَ الرَّفْضَةِ وَلَا نَسَقَةً كَمَا زَعَمَ الْبَعْضُ وَنَسَبَهُ شَارِحُ الْمَوَاقِفِ اِلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ كَيْفَ وَقَدْ كَانَتِ الصِّدِّيْقَةُ وَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَكَثِيْرٌ مِّنْ اَصْحَابِ الْكِرَامِ مِنْهُم وَقَدْقُتِلَ الطَّلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِيْ قِتَالِ الْجُمَلِ قَبْلَ خُرُوْجِ مُعَاوِيَةَ مَعَ ثَلٰثَةَ عَشَرَ اَلْفًا مِّنَ الْقَتْلٰى فَتَضْلِيْلُهُمْ وَ تَفْسِيْقُهُمْ مِمَّا لَايَجْرَءُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّفِيْ بَاطِنِهٖ خُبْثٌ ط

ہیں۔ تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کفر پر نہ تھے۔ جیسے کہ بعض غالی رافضیوں کا خیال ہے۔ اور نہ ہی فسق پر تھے جیسے کہ بعض نے خیال کیا ہے اور بہت سے اصحاب کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے جب کہ حضرت صدیقہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور بہت سے اصحاب کرام انہی میں سے تھے۔ اور طلحہؓ اور اور زبیرؓ جمل کی لڑائی میں معاویہؓ کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولوں کے ساتھ قتل ہوئے پس ان کو ضلالت اور فسق کی طرف منسوب کرنے پر سوائے اس شخص کے کہ جس کے دل میں مرض اور اس کے باطن میں خبث ہو کوئی مسلمان دلیری نہیں کرتا۔

اور یہ جو بعض فقہا کی عبارتوں میں جور کا لفظ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں واقع ہوا ہے اور کہا ہے کہ معاویہؓ جور کرنے والا امام تھے تو اس جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ خلافت کا حق دار نہ تھے۔ نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق وضلالت ہے تا کہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اور نیز استقامت والے لوگ ایسے الفاظ بولنے سے جن سے مقصود کے برخلاف وہم پیدا ہو پرہیز کرتے ہیں۔ اور خطا سے زیادہ کہنا پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کس طرح جائز ہو سکتے ہیں جبکہ صحیح وتحقیق ہو چکا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے۔ جیسے کہ صواعق میں ہے اور حضرت مولانا جامی نے جو خطائے منکر کہا ہے اس نے بھی زیادتی کی ہے۔ خطا پر جو کچھ زیادہ کریں خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ لعنت کا مستحق ہے الخ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا حاجت ہے۔ اور اس میں کونسا محل اشتباہ ہے۔ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہتے تو بے شک جائز تھا لیکن حضرت معاویہؓ کے حق میں کہنا بُرا ہے۔ اور احادیث نبوی میں معتبر اور ثقات کی اسناد سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاویہؓ کے حق میں یہ دُعا کی ہے:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ ط

یا اللہ تو اس کو کتاب وحساب سکھا اور عذاب سے بچا۔

اور دوسری جگہ دُعا میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا ط یا اللہ تو اس کو ہادی اور مہدی بنا۔

اور آنحضرت ﷺ کی دُعا مقبول ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مولانا سے سہو ونسیان کے طور پر سرزد ہوئی ہوگی۔ اور نیز مولانا نے انہی ابیات میں نام کی تصریح نہ کر کے کہا ہے کہ وہ صحابی اور ہے۔ اور یہ عبارت بھی ناخوشی سے خبر دیتی ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْاَخْطَاْنَا ط یا اللہ ہم کو بھول چوک پر مواخذہ نہ کر

اور وہ جو بعض نے امام شعبیؒ سے معاویہؓ کی مذمت میں نقل کیا گیا ہے۔ اور اس کی بُرائی کو فسق سے برتر بیان کیا ہے۔ اس نقل کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جو اس کے شاگردوں میں سے ہیں' اس نقل کے زیادہ مستحق تھے۔ اور امام مالک نے جو تابعین میں سے ہیں۔ اور اس کے ہمعصر اور علمائے مدینہ میں سے زیادہ عالم ہیں۔ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم دیا ہے جیسے کہ اوپر گزر چکا۔ اگر وہ گالی کو مستحق ہوتا تو اس کے گالی دینے والے کو قتل کا حکم کیوں دیتے' تو معلوم ہوا کہ اس کو گالی نکالنا کبیرہ گناہ جان کر اس کے گالی نکالنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔ اور نیز اس کو گالی دینا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کی طرح خیال کیا ہے۔ جیسے کہ اوپر گزر چکا تو حضرت معاویہؓ برائی کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! معاویہؓ تنہا اس معاملہ میں نہیں ہے۔ کم وبیش آدھے اصحاب کرام اس کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں۔ پس اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ جو ان کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ اس بات کو سوائے اس زندیق کے جس کا مقصود دین کی بربادی ہے کوئی پسند نہیں کر سکتا۔

اے برادر! اس فتنہ کے برپا ہونے کا منشا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور اُن کے قاتلوں سے اُن کا قصاص طلب کرنا ہے۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جو اوّل مدینہ سے باہر نکلے تاخیر قصاص کے باعث نکلے۔ اور حضرت صدیقہؓ نے بھی امر میں ان کے ساتھ موافقت کی۔ اور جنگ جمل جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اور طلحہ وزبیر بھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں قتل ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے باعث ہوا ہے۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے آ کر ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ صفین کیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ جھگڑا امر خلافت پر نہیں ہوا۔ بلکہ قصاص کے پورا کرنے کے لیے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدا میں ہوا ہے۔ اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس بات کو اہل سنت کے معتقدات سے کہا ہے۔ اور شیخ ابوشکور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بزرگ علمائے حنفیہ میں سے ہیں کہا ہے کہ حضرت

معاویہؓ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہما کے درمیانی جھگڑے خلافت کے بارہ میں ہوئے ہیں۔

کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ:

اِذَا[1] مَلَکْتَ النَّاسَ فَارْفِقْ بِهِمْ ط — جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کر۔

شاید اس بات سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا طمع پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر۔ کیونکہ ان کی خلافت کا وقت حضرت امیرؓ کی خلافت کے بعد تھا۔ اور ان دونوں قولوں کے درمیان موافقت اس طرح پر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس منازعت کا منشا قصاص کی تاخیر ہو۔ اور پھر خلافت کا طمع بھی پیدا ہو گیا ہو۔ بہر تقدیر اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ اگر خطا پر ہے تو ایک درجہ اور حق والے کے لیے دو درجے بلکہ دس درجے۔

اے برادر! اس امر میں بہتر طریق یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہ کے لڑائی جھگڑوں سے خاموش رہیں۔ اور ان کے ذکر اذکار سے منہ موڑیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ[2] وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ ط — میرے اصحاب کے درمیان جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا ط — یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو زبان کو روک۔ (طبرانی)

نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا ط — یعنی میرے اصحابؓ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کو اپنے تیر کا نشانہ نہ بناؤ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور نیز عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منقول ہے کہ:

تِلْکَ دِمَآءٌ طَهَّرَ اللّٰہُ عَنْهَا اَیْدِیْنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا. ط — یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھتے ہیں۔

---

[1] مسلم شریف و ابن ابی شیبہ و طبرانی و امام احمد۔

[2] ابن اثیر جذری نے نہایت الغریب میں روایت کی۔

[3] مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی

اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے۔ اور ان کے ذکر خیر کے سوا اور کچھ نہ بیان کرنا چاہیئے۔

یزید بد بخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہل سنت کے مقررہ اصل کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معیّن شخص کے لیے اگر چہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی۔ مگر جب یقیناً معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہُوا ہے جیسے کہ ابولہب جہنمی اور اس کی عورت نہ یہ کہ وہ لعنت کے لائق نہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ط

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

جاننا چاہیے کہ چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں نے امامت کی بحث چھیڑ رکھی ہے اور اصحاب کرام علیہم الرضوان کی خلافت کی نسبت گفتگو مدنظر کی ہوئی ہے۔ اور جاہل اہل تاریخ اور سرکش بدعتیوں کی تقلید پر اکثر اصحاب کرام کو نیکی سے یاد نہیں کرتے۔ اور کئی نامناسب امور ان کی جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ معلوم تھا، تحریر میں لا کر دوستوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

قَالَ عَلَیْهِ وَاٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِذَا[2] ظَهَرَتِ الْفِتَنُ اَوْ قَالَ الْبِدَعُ وَسُبَّتْ اَصْحَابِیْ فَلْیُظْهِرُ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ عَدْلاً وَّلَا فَرْضًا.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب فتنے اور بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے اصحاب کو گالیاں دی جاویں تو عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس جس نے ایسا نہ کیا، اس پر اللہ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل قبول نہ کریگا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ سُلطانِ وقت اپنے آپ کو حنفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت و جماعت میں سے جانتا ہے۔ ورنہ مسلمانوں پر کام بہت تنگ ہوتا۔ اس بڑی نعمت کا شُکر ادا کرنا چاہیئے۔

پس چاہیے کہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات پر اپنے اعتقاد کا مدار رکھیں۔ اور زید و عمرو کی باتوں کو نہ سُنیں۔ جھوٹے قصوں پر کام کا مدار رکھنا اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ کی تقلید ضروری ہے۔ تا کہ نجات کی اُمید پیدا ہو۔ وَدُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ ورنہ بے فائدہ تکلیف ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

اور سلام ہو آپ پر اور اُن سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

---

[1] سورۃ احزاب پارہ ۲۲۔ [2] صواعق محرقہ مصنفہ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب نمبر (۲۵۲)

بعض سوالات کے جواب میں جناب شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

برادر ارجمند کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے چند استفسار درج کیے تھے۔ ان کے جواب میں آپ کو معلوم ہو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعین کا مبدء صفت العلم ہے جیسے کہ تعین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء یہی صفت ہے۔ فرق جہات واعتبارات کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اس صفت کی ایک جانب عالم کی طرف ہے۔ اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی جانب وحدت کے مناسب ہے اور دوسری کثرت کے موافق۔ اور اس صفت کے لیے بھی اجمال وتفصیل ہے کہ ہر ایک اس بزرگ کے مبدء تعین کے اعتبار سے ہے۔

دوسرے وہ معارف جو بارنبوت وولایت کے برداشت کرنے سے متعلق تھے۔ وہ اس خط میں جو خواجہ محمد اشرف کی طرف لکھا تھا مفصل درج ہو چکے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ وہاں سے معلوم کرلیں۔

دوسرے یہ کہ فقیر نے چاہا کہ اس استفسار کے جواب میں کہ قطب وغوث وخلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے کچھ لکھے۔ لیکن اذن نہ ہوا۔ ان کو دوسرے وقت پر موقوف رکھیں۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۳)

مشیخت پناہ شیخ ادریس سامانی کی طرف صادر فرمایا:

چند سوالات کے جواب میں اور اس راہ کی بے نہایتی اور رمز واجمال کے طور پر طریقت کے بعض مقامات ومنازل کی تفصیل کے بیان میں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے فقرا کے احوال حمد کے لائق ہیں۔ اور آپ کی خیر وعافیت اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت وثابت قدمی اللہ تعالیٰ سے مطلوب ومسئول ہے۔

ان احوال ومواجید کا بیان جو مولانا عبدالمومن کی زبان کے حوالہ کیا تھا۔ مولانا نے مفصل طور پر ظاہر کر کے کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں زمین کی طرف نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا۔ اور اگر آسمان کی طرف نظر کرتا ہوں تو اُس کو بھی نہیں پاتا۔ اور جس کسی کے آگے جاتا ہوں اس کا وجود بھی نہیں پاتا' اور ایسے ہی عرش وکرسی وبہشت ودوزخ کا بھی وجود نہیں پاتا' اور اپنا وجود بھی نہیں جانتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا وجود بے پایاں ہے اس کی نہایت

کو کسی نے معلوم نہیں کیا۔ بزرگ بھی اس جگہ تک رہ گئے ہیں اور یہاں تک آ کر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور اس معنے سے زیادہ کچھ اختیار نہیں کیا۔ اگر آپ بھی اس کو کمال جانتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر میں آپ کے پاس کس لیے آؤں اور کیوں تکلیف اُٹھاؤں۔ اور آپ کو بھی تکلیف دوں۔ اور اگر اس کمال کے سوا کوئی اور امر ہو تو اطلاع بخشیں۔ تا کہ ایک اور یار کے ساتھ جو درد و طلب بہت رکھتا ہے وہاں آؤں۔ اسی تردّد کے حاصل ہونے کی وجہ سے چند سال تک وہاں آنے میں توقف رہا۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال قلب کے تلوینات[1] سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے احوال والے شخص نے قلب کے مقامات سے ابھی چوتھے حصہ سے زیادہ طے نہیں کیا۔ مقامات قلب سے تین حصہ اور طے کرنے چاہئیں تا کہ قلب کا معاملہ پورے طور پر طے ہو۔ اور پھر قلب کے آگے رُوح اور رُوح کے اگے سر اور سرّ کے آگے خفی اور اس کے بعد اخفیٰ ہے۔ ان باقیماندہ چاروں میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ احوال و مواجید ہیں۔ اور سب کو جدا جدا طے کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک کمالات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ عالم امر کے ان پنج گانہ لطائف سے گزرنے اور ان کے اصول ہیں۔ درجہ بدرجہ قطع کرنے کے بعد اسماوصفات کی تجلیات اور شیونات و اعتبارات کے ظہورات ہیں۔ اور ان تجلیات سے گزر کر آگے تجلیات ذات ہیں۔ تب نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑتا ہے۔ اور پروردگار تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ وہ کمالات جو اس مقام میں ہیں۔ ان کے مقابلہ میں کمالات ایسے ہیں جیسے کہ دریائے محیط ناپیدا کنار کے مقابلہ میں قطرہ۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ع

کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ

اصل کام یہ ہے باقی سب ہیچ ہے

اسماوصفات کی وہ تجلیات جو عالم امر کی ان پنج گانہ منزلوں کو بمع ان کے اُصول اور اصول کے قطع کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں۔ وہ عالم امر کے بعض خواص کے ظہورات ہیں جو بے چونی اور لامکانیت سے کچھ حصہ رکھتے ہیں نہ کہ اسماوصفات کی تجلیات۔ ایک سالک نے اسی مقام میں کہا ہے کہ میں تیس (۳۰) سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔ پس وصول کہا ہے اور سیری کس کے لیے ہے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا

قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

سعاد معشوقہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز واقع ہیں۔

---

[1] تلوین۔ گونا گوں کرنا۔ اہل تصوف کی اصطلاح میں مقامات فقر میں سے ایک مقام کا نام ہے۔

چوں کہ آپ نے توجہ کے ساتھ اس راہ کی حقیقت کو بیان کرنا طلب فرمایا تھا۔ اس لیے مختصر طور پر اس کا کچھ بیان لکھا گیا ہے:

وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ. وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ.	اصل معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے آپ پر اور آپ کے حاضرین مجلس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵۴)

بعض سوالات کے جواب میں ملا احمد برکی طرف صادر ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.	اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرنا چاہیے اپنے صاحب زمان کے حکم سے کرے۔ تا کہ نیک نتیجہ حاصل ہو۔ اگر چہ شعری کام ہوں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام مشروعات میں فرمان کا امیدوار ہے۔

میرے مخدوم! بزرگوں کی بات صحیح ہے۔ اور آپ کو اذن حاصل کر کے ماذون کیا ہے' لیکن جاننا چاہیے کہ نتیجہ سے مراد معتد بہ نتیجہ ہے نہ کہ مطلق۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں مرتبہ عین جمع یعنی احدیث ذات تعالیٰ سے ہے۔ پس رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت قرآنی حقیقت سے بڑھ کر ہے۔ کیا ہوں گے؟

میرے مخدوم احدیث ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت و شان ملحوظ نہیں ہے۔ کیوں کہ حقیقت قرآن کا منشا صفت کلام ہے جو صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے۔ اور حقیقت کعبہ کا منشا وہ مرتبہ ہے جو شیونات و صفات کی تکوینات سے برتر ہے۔ اس لیے اس کی برتری کی گنجائش ہے۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے نہ کعبہ کو۔ اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں سجدہ کے وقت لَکَ سَجَدْتُ (میں نے تیرے لیے سجدہ کیا) کہتے تھے۔ ضمیروں کا مدلول نفس ذات ہے۔ پس رسالہ مبدء و معاد کی اس عبارت کے معنی کو کعبے کی صورت جس طرح اشیا کی صورتوں کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقت کعبہ بھی حقائق اشیا کی مسجود ہے۔ کیا ہوں گے؟

میرے مخدوزم! یہ عبارتوں کی فروگزاشتوں سے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آدم مسجود ملائکہ ہے۔ حالاں کہ سجدہ خالق کے لیے ہے نہ کہ اس کی کسی مخلوق و مصنوع کے لیے۔ خواہ کوئی مخلوق ہو۔

آپ کو اور آپ کے تمام دوستوں اور یاروں اور خاص کر مُلا پائندہ و شیخ حسن کو سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵۵)

سنت سنیہ کے زندہ کرنے اور نامرضیہ بدعت کے دور کرنے کی ترغیب میں مُلا طاہر لاہوری کی طرف لکھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو حافظ بہاؤالدین کے ہمراہ ارسال کیا تھا' پہنچا۔ بہت خوشی حاصل ہوئی۔ یہ کس قدر بھاری نعمت ہے کہ محب و مخلص ہمہ تن حضرت مصطفیٰ ﷺ کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ اور منکرہ اور نامرضیہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کے دور کرنے کے خواہاں ہوں۔ سنت و بدعت دونوں پورے طور پر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے نقص و نفی کو مستلزم ہے۔ پس ایک زندہ کرنا دوسرے کو مارنے کا مستلزم ہے۔ یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے' اور بالعکس۔

پس بدعت خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ۔ رفع سنت کو مستلزم ہے۔ شاید حسن نسبی یعنی اضافی کا کیا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ حُسن مطلق وہاں گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام سُنتیں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہیں۔ اور ان کے اضداد یعنی بدعتیں شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کے پھیل جانے کے بلعث اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا یہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اپنی سلطنت کے زمانہ میں جب دین کو رواج دیں گے۔ اور سنت کو زندہ فرمائیں گے۔ تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کو اپنی عادت بنائی ہوگی۔ اور اس کو حسن خیال کر کے دین کے ساتھ ملا لیا ہوگا۔ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص نے ہمارے دین کو دور کر دیا ہے۔ اور ہمارے مذہب و ملّت کو مار دیا اور خراب کر دیا ہے۔ حضرت مہدی رضی اللہ عنہ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے۔ اور حسنہ کو سیئہ خیال کریں گے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ. وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَآئِرِ مَنْ لَّدَيْكُمْ اور آپ پر اور ان سب پر جو آپ کے پاس ہیں سلام ہو۔

نسیان فقیر پر غالب ہے معلوم نہیں رہا کہ آپ کا مکتوب کس کے سپرد تھا۔ تا کہ سوالوں کے موافق جواب لکھتا۔ معذور فرمائیں گے۔ میاں شیخ احمد فرملی دوستوں میں سے ہے۔ چونکہ آپ کے قرب و جوار میں رہتا ہے اس لیے اُمید ہے کہ اس کے حق میں التفات و توجہ کو مدنظر رکھیں گے۔

مکتوب نمبر (۲۵۲)

چند سوالات کے جواب میں یعنی اُس سوال کے جواب میں کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس سوال کے جواب میں کہ حدیث لَوْ اُتْزِنَ اِيْمَانُ اَبِیْ بَكْرٍ الخ کی کیا تحقیق ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں میاں شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ .وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریف جو ایک درویش کے ہمراہ ارسال کیا تھا' پہنچا بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے پوچھا تھا کہ قطب و قطب الاقطاب و غوث و خلیفہ کے کیا معنے ہیں۔ اور ہر ایک ان میں سے کس کس خدمت پر مامور ہے اور اپنی خدمت کی نسبت اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور قطب الاقطاب کی بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے۔ کچھ اصل رکھتی ہے۔ یا کہ وہم و خیال کا اختراع ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعدار کامل تابعداری کے باعث جب مقام نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب امامت سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور بعض کو صرف اس کمال کے حاصل ہونے پر کفایت فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں۔ فرق صرف منصب اور عدم منصب اور ان امور میں ہے جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو تمام کر لیتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو صرف ان کمالات کے حاصل ہونے پر کفایت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ اوپر گزرا۔

یہ دونوں منصب کمالات اصلیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب' گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں۔ ان دونوں مقاموں کے جو اوپر میں ہیں ظل ہیں۔

اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث یہی قطب مدار ہے۔ اس کے نزدیک منصب

غوثیت منصب قطبیت سے کوئی علیحدہ منصب نہیں ہے اور جو کچھ فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ ہے۔ بلکہ اس کے روزگار کا ممد و معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے۔ اور قطب کو اس کے اعوان و انصار کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ قطب الاقطاب کے اعوان و انصار قطب حکمی ہیں۔ اسی واسطے صاحب فتوحاتِ مکیہ لکھتا ہے کہ:

مَامِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ اَوْ كَافِرَةٍ اِلَّا وَفِيْهَا قُطْبٌ. — مومنوں یا کافروں کا کوئی ایسا گاؤں نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیئے کہ صاحب منصب کو البتہ اپنے منصب کا علم ہوتا ہے۔ اور وہ جو اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا اس کے لیے لازم نہیں کہ صاحب علم ہو۔ اور اپنی خدمت سے مطلع ہو۔ اور وہ بشارت جو عالم غیب سے پہنچتی ہے اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے نہ اس مقام کے منصب کی بشارت جو علم سے وابستہ ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے جو حدیث:

لَوْ[1] اُتِّزِنَ اِيْمَانُ اَبِيْ بَكْرٍ مَعَ اِيْمَانِ اُمَّتِيْ لَرَجَحَ. — اگر ابوبکرؓ کا ایمان میری اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جاوے تو البتہ غالب آجائے۔

میں واقع ہے' کیا مراد ہے اور اس کی ترجیح کا کیا سبب ہے۔

جاننا چاہیے کہ ایمان کا رُجحان مُؤْمِنْ بِهٖ کے رجحان کے باعث ہے۔ چونکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کا متعلق تمام اُمت کے ایمان کے متعلقات سے برتر ہے۔ اس لیے راجح و غالب ہوگا۔

میرے مخدوم! عروجات میں معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ اگر ایک نقطہ زیادہ بلند جائیں۔ تو وہ کمالات جو اس ایک نقطہ کے عروجات کے باعث حاصل ہوتے ہیں۔ تمام گزشتہ کمالات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ نقطہ اپنے تمام ماتحتوں سے افزوں تر ہے۔ یہی حال اُس نقطہ کا ہے جو اس نقطہ کے ماتقدم کے اُوپر ہے۔ کیونکہ نقطۂ ماتقدم بمع اپنے ماتحت کے نقطہ فوق کے مقابلہ میں حقیر و تقیر ہے۔ تو اس قیاس پر جس کے ایمان کا متعلق کمال فوق ہو۔ وہ بے شک اپنے تمام ماتحت سے راجح و غالب ہوگا۔ اسی بنا پر سے کہتے ہیں کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ ایک لحظہ میں تمام ماتقدم کمالات کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور فقیر کی تحقیق کے اندازہ کے موافق ایک لحظہ میں تمام ماتقدم کمالات سے زیادہ تحصیل کر لیتا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ. — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط — اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

---

[1] امام سیوطی نے الدر المنثور اور ابن عدی نے کامل میں برداشت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کیا۔

اور نیز پوچھا تھا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے تابعداروں نے لکھا ہے کہ جس قدر لڑکے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب قتل کیے گئے۔ ان سب مقتولوں کی استعدادیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگئیں۔ اس بات کی حقیقت مفصل طور پر لکھیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ درست ہے کیونکہ تحقیق سے لکھا ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جماعت کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ اسی طرح جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ پیر اگرچہ مُریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کا سبب ہیں اس مطلب کو فقیر ماکولات ومشروبات میں بھی جن کو اپنے بدن کا اجزا بناتا تھا محسوس کرتا تھا' کہ جو طعام اور پینے کی چیز کھاتا پیتا تھا۔ استعداد کی جامعیت کا سبب ہوتا ہے۔ اور ایک الگ قابلیت پیدا کرتا تھا۔ اور جب کبھی ماکولات لذیذہ کے چھوڑنے کا قصد کرتا تھا۔ تو روک دیا جاتا تھا۔ اور اس جامعیت اور قابلیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اس لذیز طعام کو چھوڑنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اور بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کی استعداد اور دوسرے میں کُلّی اور جزئی طور پر انتقال کر جاتی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ ایک خالی ہے اور دوسری جمعیت سے پُر ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ نجم الدین کُبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مُرید کو ایک بزرگ کے پاس بھیجا تاکہ اس کے ذریعے معلوم کریں کہ آپ کس پیغمبر کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تیرا جھو دکس کام میں ہے۔ شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہیں۔ اس عبارت سے یہ مطلب کس طرح سمجھ لیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جھود یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت تھے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ فتحات میں لکھا ہے کہ چار آدمیوں کے سوا تمام اولیاء کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ولایت سے مراد تصرفات اور کرامات کا ظہور ہوگا نہ کہ اصل ولایت جو قرب الٰہی سے مراد ہے۔ اور نیز سلب سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہوگا۔ نہ کہ اس طرح کے اصل کا سلب۔

چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی بہت مجال ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا ہے۔

آپ نے اولیا کی بعض کرامات کا ظہور طلب فرمایا تھا۔ آپ منتظر رہیں:

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ط اللہ تعالیٰ جلدی تنگی کے بعد فراخی لائے گا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ نیشاپوری میں لکھا ہے۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی شَانِئَکَ یا کے ساتھ ہے یا ہمزہ (ء) کے ساتھ۔ اس کی تحقیق کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ شَانِئَکَ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور جس نے یا سے لکھا ہے وہ غیر مشہور قرأت ہوگی۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی یعنی ذکر کی طلب ظاہر کرتی ہیں۔ اگر محرمات میں تو کوئی منع نہیں ورنہ پردہ میں بیٹھ کر طریقہ اخذ کریں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اہل حدیث نے ہر مہینہ میں منحوس ایام مقرر کیے ہیں۔ اور اس بارہ میں حدیث نقل کرتے ہیں۔ فرمائیں کہ کس طرح کرنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ فقیر کے والد قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ جو اکابر محدثین سے تھے۔ اور حرمین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے۔ کسی تقریب پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح صحیح بخاری نے نقل کیا ہے۔ لیکن ضعیف ہے۔ صحیح حدیث اس بارہ میں اَلْاَیَّامُ اَیَّامُ اللّٰہِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰہِ۔ (دن اللہ کے دن ہیں اور بندے بھی اللہ کے بندے ہیں۔) ہے۔

نیز فرماتے تھے کہ دنوں کی نحوست رحمت عالمیان علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے دُور ہوگئی۔ اَیَّامِ نَحِسَاتٍ یعنی منحوس دن گزشتہ اُمتوں کی نسبت تھے۔ اور فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے۔ اور کسی دن کو دوسرے دن پر ترجیح نہیں دیتا' جب تک کہ اس کی ترجیح شارع سے معلوم نہیں کرتا۔ جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

نیز آپ نے لکھا تھا کہ وہ معارف جو بارِ نبوت کو برداشت کرنے سے تعلق رکھتے ہیں خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں ملے۔ آپ ان کو کہاں پاسکیں کیونکہ وہ مکتوب انہی دنوں میں لکھا گیا ہے اور اس کی نقل ابھی آپ کو نہیں پہنچی۔ مکتوب بہت لمبا ہے۔ شاید ایک جزو سے زیادہ ہوگا۔ فقیر نے اس کی نقل آپ کی طرف بھیجنے کے لیے کہہ دیا ہے۔ والسلام۔

والسلام نمبر (۲۵۷)

مجمل طور پر طریقوں کے بیان میں میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب شریف جو شیخ احمد فرملی کے ہمراہ ارسال کیا تھا پہنچا۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے وہ رسالہ جس میں طریقہ کا بیان ہے طلب فرمایا تھا۔ ابھی اس کے مسودے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر خدا نے توفیق دی تو بیاض میں لکھ کر بھیجا جائے گا۔ فی الحال مختصر طور پر چند فقرے طریقہ کے بیان میں لکھتا ہے۔ گوش ہوش سے سُنیں۔

میرے سیادت پناہ! وہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے اس کے سیر کی ابتدا قلب سے ہے۔ قلب سے گزر کر مراتب روح میں جو اس سے اوپر ہے سیر واقع ہوتا ہے۔ اور روح سے گزر کر یہ معاملہ سِرّ کے ساتھ جو اس کے اوپر ہے پڑتا ہے۔ یہی حال خفی اور اخفیٰ میں ہے۔

ان لطائف پنجگانہ کی منزلوں کے طے کرنے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق جُدا جُدا علوم و معارف

کے حاصل ہونے اور اُن احوال و مواجید کے ساتھ جو ان پنجگانہ میں سے ہر ایک کے ساتھ جُدا جُدا مخصوص ہیں متحقق ہونے کے بعد ان پنجگانہ لطائف کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں' سیر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ عالم صغیر میں ہے اس کا اصل عالم کبیر میں ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے اور عالم کبیر سے مجموعہ کائنات۔ اور پنجگانہ لطائف کے اصول میں سیر کا آغاز عرش مجید سے ہے جو انسان کے قلب کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر روح انسانی کا اصل ہے۔ اور اس کے اوپر سیر انسانی کا اصل ہے۔ اور اصلِ سرّ کے اوپر خفی کا اصل ہے۔ اور اصل خفی کے اوپر اخفیٰ کا اصل ہے۔

جب عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اس وقت دائرہ امکان تمام طے ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکھا جاتا ہے۔

بعد ازاں اگر ترقی واقع ہو تو اسما و صفات واجب تعالیٰ کے ظلال میں سیر واقع ہوگا۔ اور یہ ظلال وجوب و امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ اور عالم کبیر کے ان پنجگانہ مراتب کے لیے اصول کی مانند ہیں۔ اور ان ظلال میں بھی اسی ترتیب سے سیر ہوگا۔ جس طرح ان کے فروغ میں ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اللہ جل شانہٗ کے فضل سے ان ظلال کی بہت سی منزلوں کو بھی طے کر کے ان کے اخیری نقطہ تک پہنچ جائیں۔ تو پھر اسما و صفات واجب تعالیٰ میں سیر شروع ہوگا۔ اور اسما و صفات کی تجلیات ظاہر ہونگی۔ اور شیون و اعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا۔ اس وقت عالم امر کے پنجگانہ لطائف کا معاملہ سب کا سب طے ہو جائے گا۔ اور ان کا حق ادا ہو چکے گا اس کے بعد اگر خدائے تعالیٰ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جائے تو نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔ اور مقام رضا جو سلوک کے مقامات میں سے نہایت کا مقام ہے حاصل ہو جائے گا۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے' اور اسلام حقیقی سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ کمالات جو عالم امر سے متعلق ہیں' ایسے ہیں جیسے دریائے محیط کے مقابلہ میں قطرہ۔

یہ سب کمالات جن کا ذکر ہو چکا ہے اس ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ کمالات جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں' وہ اور ہیں۔ جو استتار اور تبطّن (پوشیدگی اور باطن) کے مناسب ہیں۔ جب ان دونوں مبارک اسموں کے کمالات سب کے سب حاصل ہو جائیں تو گویا سالک کے لیے اُڑنے کے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں۔ جن کی قوت سے عالم قدس میں پرواز کرتا اور بے انداز ترقیاں حاصل کرتا ہے' اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودوں میں تحریر ہو چکی ہے۔ میرے فرزند ارشد ان کے جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرے یہ عرض ہے کہ اگر ہو سکے تو ایک مرتبہ ضرور اس جگہ تشریف لائے۔ بشرطیکہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اُس انتظام کو درہم برہم نہ کریں۔ آپ ہی اکیلے آئیں اور یاروں میں سے جس کسی کو پیش قدم جانیں اس جماعت کا پیشوا بنا کر ان حدود کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ واللہ اعلم دوسرے وقت تک فرصت دیں یا نہ دیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۸)

حق تعالیٰ کی اقربیّت (اقرب وقریب ہونے) کے بیان میں شریف خاں کی طرف صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جواز روئے کرم ان حدود کے فقرا کے نامزد فرمایا تھا۔ اس کے پہنچنے سے بہت مسرت خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اقرب ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن کیا کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں اور ہمارے علوم وادراکات سے وراء الوراء ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ماوراء ہونا قرب میں ہے نہ جانب بُعد میں۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اس کی ذاتِ احدیت کو ان صفات کی نسبت جن کے آثار وافعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔ یہ معرفت نظرِ عقل سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصوّر نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس مبحث کی تشریح و توضیح کر سکے۔ ہر چند تلاش کی گئی، پر نہ ملی۔ اس معرفت کی دلیل وسند نص قطعی اور کشف صحیح ہے۔

مشائخ طریقت نے توحید واتحاد کی نسبت بہت گفتگو کی ہے۔ اور قرب ومعیّت کی نسبت کچھ نہ کچھ بیان فرمایا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی اقربیّت کی نسبت خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کوئی بیان شافی اس بارہ میں نہیں فرمایا:

عجب معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ کی اقربیّت (زیادہ قریب ہونا) ہماری ابعدیت (زیادہ دور ہونا) کا سبب ہوئی ہے:

هٰذَا اِلٰی اَنْ یَّبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَهٗ فَافْهَمْ فَاِنَّ کَلَامَنَا اِشَارَاتٌ وَّ بَشَارَاتٌ. یہی کافی ہے یہاں کہ کتاب اپنے مقرر وقت کو پہنچے پس سمجھ تو کیونکہ ہمارا کلام اشارت و بشارت کے قبیلہ سے ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا. اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۵۹)

پیغمبروں کے بھیجنے کے فائدوں اور واجب الوجود تعالیٰ کی معرفت میں عقل کے مستقل نہ ہونے اور حکم خاص کے بیان میں جو شاہق جبل اور پیغمبروں کے زمانہ فترت کے مشرکوں اور دار حرب کے مشرکوں کے اطفال کے حق میں فرمایا ہے۔ اور گزشتہ اُمتوں میں زمین ہند میں اہل ہند سے انبیا کے مبعوث ہونے کی تحقیق اور اس کے مناسب بیان میں مخدوم زادخواجہ محمد سعید کی طرف جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع اور نسبت علیہ کے صاحب ہیں صادر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے اگر ہم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرتا۔ بے شک ہمارے رب کے پیغمبر حق لے کر آئے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارسال کرنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور کس دل سے اُس منعم کا اعتقاد کیا جائے۔ اور وہ اعضا کہاں ہیں جو اعمال حسنہ کے ساتھ اس نعمت عظمیٰ کا بدلہ ادا کر سکیں۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا۔ ہم بے سمجھوں کو صانع کے وجود اور اس کی وحدت کی طرف کون ہدایت کرتا۔

یونان کے قدیم فلاسفہ باوجود بڑے دانا ہونے کے صانع کے وجود کی طرف ہدایت نہ پا سکے۔ اور کائنات کے وجود کو دھر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کیا۔ لیکن جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے انوار کا دن چڑھا تو متاخرین فلاسفہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دعوت کے انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کو رد کیا۔ اور صانع جلّشانہٗ کے وجود کے قائل ہوئے اور حق تعالیٰ کا اثبات ثابت کیا پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی تائید کے بغیر اس کام سے معزول ہیں اور ہمارے فہم وجود انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کے سوا اس معاملہ سے دُور ہیں پھر معلوم نہیں کہ ہمارے اصحاب ماتر دیہ نے بعض امور مثل وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت میں عقل کے استقلال سے کیا مراد لی ہے کہ انہوں نے شاہق جبل بت پرست کو ان دونوں یعنی وجود صانع کے اثبات اور اس کی وحدت کے لیے مکلف کیا ہے۔ اگرچہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی ہو۔ اور ان دونوں میں نظر وغور کے ترک کرنے پر اس کے کفر اور خلود فی النار کا حکم لگایا ہے۔ لیکن ہم بلاغ مبین اور حجت بالغہ کے بغیر جو پیغمبروں کے ارسال کرنے پر وابستہ ہے۔ کفر اور خلود فی النار کا حکم دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عقل اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ لیکن حجیت میں ایسی حجت بالغہ نہیں ہے جس پر ایسا سخت عذاب مترتب ہو سکے۔

سوال: اگر شاہق جبل میں رہنے والا جو بُت پرست ہے دوزخ میں ہمیشہ کے لیے نہ رہے تو پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ اور یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ جنّت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے۔ اُن کی جگہ دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسبت حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰاہُ النَّارُ۔ جو اللہ کے ساتھ شرک کرے اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کی جگہ دوزخ ہے۔

اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ ثابت نہیں۔ اور اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس یا جنت میں داخل ہوگا یا دوزخ میں۔

یہ سوال واقعی بہت مشکل ہے۔ اس فرزند ارشاد کو معلوم ہے کہ مدت تک اس فقیر پر اس سوال کا تکرار ہوتا رہا لیکن جواب شافی کچھ نہ پایا۔ اور جو کچھ فتوحات مکیہ والے نے اس سوال کے حال میں کہا ہے۔ اور قیامت کے دن ان لوگوں کی دعوت کے لیے پیغمبرؑ کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس دعوت کے ردو انکار کے بموجب ان کے لیے بہشت و دوزخ کا کیا حکم ہے۔ اس فقیر کے نزدیک پسند و بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ دار آخرت دار جزا ہے نہ دار تکلیف تا کہ کسی پیغمبر کے بھیجنے کی ضرورت پڑے۔ بہت مدت کے بعد خداوند تعالیٰ کی عنایت نے رہنمائی کی اور اس معما کو حل کر دیا۔ اور منکشف فرمایا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے نہ دوزخ میں بلکہ آخرت کے بعث و احیا کے بعد ان کو مقام حسب میں کھڑا رکھ کر گناہوں کے اندازہ کے موافق ان کو عتاب و عذاب دیں گے۔ اور حقوق پورے کر کے غیر مکلّف حیوانوں کی طرح ان کو بھی معدوم مطلق اور لاشے محض کر دیں گے۔ پس خلود کس کے لیے اور مخلّد کون ہوگا اس معرفت غریبہ کو جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو سب نے اس کی تصدیق کی اور اس کو مقبول فرمایا۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

فقیر پر یہ بات نہایت ناگوار گزرتی ہے کہ حق تعالیٰ باوجود اپنی کمال رافت و رحمت کے بغیر اس بات کے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ابلاغ مبین فرمائے، صرف عقل کے اعتبار پر جس میں غلطی اور خطا کی بہت مجال ہے، پس اپنے بندے کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈالے اور ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار کرے۔ جس طرح کہ باوجود شرک کے اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گوار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ جنت و دوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کے باعث اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے پس حق یہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے دن محاسبہ کے بعد وہ معدوم کیا جائے گا، اور فقیر نے نزدیک دار حرب کے مشرکین کے اطفال کے بارہ میں بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان پر وابستہ ہے۔ خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیّت کے طور پر اگرچہ تبعیّت دار اسلام میں ہوتی ہے جیسے کہ اہل ذمہ کے لڑکوں کے لیے۔ لیکن ان کے حق میں

[1] سورۃ مائدہ، پارہ ۶۔ ۱۶

ایمان مطلق طور پر مفقود ہے۔ پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔ اور دوزخ میں داخل ہونا' اور اس میں ہمیشہ رہنا تکلیف کے ثابت ہونے کے بعد مشرک پر منحصر ہے۔ اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کا سا حکم ہے کہ بعث ونشور کے بعد حساب کے لیے کھڑا کریں گے اور ان سے حقوق پورا کر کے ان کو معدوم ونیست ونابود کر دیں گے۔ اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ (دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ) میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نصیب نہیں ہوئی۔ یہی حکم ہے۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے' کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر ﷺ کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح سب جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا سب جگہ نور پہنچا ہے۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کو دیوار حائل ہے پہنچا ہوا ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ سے دُور دکھائی دیتی ہے' معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے۔ اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں۔ اگر ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی ایسا پیغمبر ہے جس کی کسی نے تابعداری نہیں کی اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اور کوئی ایسا پیغمبر ہے کہ صرف ایک ہی آدمی اس پر ایمان لایا ہے اور کسی پیغمبر کے تابع صرف دو شخص ہوئے ہیں۔ اور بعض کے ساتھ تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں میں سے زیادہ نظر نہیں آتے جو ہند میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تا کہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں اور جو کچھ ہند کے رئیس کفار نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات اور اس کے تنزیہ و تقدیس کے بارے میں لکھا ہے۔ سب انوار نبوت سے مقیس ہے۔ کیونکہ گزشتہ امتوں میں سے ہر ایک کے زمانہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور گزرا ہے۔ جس نے واجب تعالیٰ کے وجود اور اس کے ثبوت اور اس کے تنزیہ و تقدیس کی نسبت خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگواروں کو وجود شریف نہ ہوتا ان بدبختوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کے ظلمات سے آلودہ ہے' اس دولت کی طرف کس طرح ہدایت پاتی۔ ان بدبختوں کی ناقص عقلیں اپنی حد ذات میں اپنی الوہیت کا حکم دیتی ہیں۔ اور اپنے سوا کوئی اور خدا ثابت نہیں کرتیں۔ جس طرح کہ فرعونِ مصر نے کہا کہ:

مَا[1] عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ط — میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں مانتا۔

اور یہ بھی کہا کہ:

لَئِنِ[2] اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ط — اگر تو میرے سوا کوئی اور خدا بنائے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

---

[1] سورہ قصص' پارہ امن خلق [2] سورہ شعراء' پارہ وقال الذین

اور جب انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آگاہ کرنے سے انہوں نے معلوم کیا کہ عالم کے لیے ایک صانع واجب الوجود ہے۔ تو ان کم بختوں میں سے بعض نے اپنے دعویٰ کی بُرائی پر اطلاع پا کر تقلید و تستر کے طور پر صانع کو ثابت کیا اور اُس کو اپنے آپ میں حلول کیا ہوا اور سیرات کیا ہوا سمجھا۔ اور اس حیلہ سے لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف بُلایا۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ط — اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بڑا ہے۔

اس جگہ کوئی بے قوت یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمین ہند میں پیغمبر مبعوث ہوئے۔ تو اُن کے مبعوث ہونے کی خبر ضرور ہم تک پہنچتی بلکہ وہ خبر بکثرت دعوتوں کی جہت سے تواتر کے طور پر منقول ہوتی۔ جب ایسا نہیں ہے تو ویسا بھی نہیں ہے۔

اس کے جواب ہم کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی۔ بلکہ کسی کی دعوت ایک قوم سے اور بعض کی ایک گاؤں سے یا شہر سے مخصوص تھی۔ اور ہو سکتا تھا کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے کسی قوم یا گاؤں میں کسی شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو۔ اور اس شخص نے اس قوم یا اس گاؤں کے لوگوں کو صانع جل شانہ کی معرفت کی طرف دعوت کی ہو۔ اور حق تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت سے منع کیا ہو۔ اور اس قوم یا گاؤں والوں نے اس کا انکار کیا ہو۔ اور اس کو ذلیل و جاہل سمجھا ہو۔ اور جب انکار و تکذیب حد سے بڑھ گیا ہو۔ تو حق تعالیٰ کی مدد نے آ کر اُن کو ہلاک کر دیا ہو۔

اسی طرح کچھ مدت کے بعد ایک اور پیغمبر کسی قوم یا گاؤں کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ اور اس پیغمبر نے بھی اُن لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو پہلے پیغمبر نے کیا تھا۔ اور اس پیغمبر کے ساتھ وہی معاملہ جو ان کے پہلوں نے کیا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح ہوتا رہا ہو۔

زمین ہند میں گاؤں اور شہروں کی ہلاکت کے آثار بہت پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے۔ لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہم عصروں کے درمیان باقی رہا:

جَعَلَهَا كَلِمَةً م بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ط — اور اس کلمہ کو اس واسطے پیچھے باقی رکھا کہ شاید وہ رجوع کر آئیں۔

ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت کی خبر ہم تک تب پہنچتی جب کہ بہت سے لوگ ان کے تابع ہوتے اور بڑی بھاری قوم بہم پہنچاتے۔ جب ایک آدمی آیا اور چند روز دعوت کر کے چلا گیا۔ اور کسی نے اُس کو قبول نہ کیا۔ پھر دوسرا آیا اور اس نے بھی یہی کام کیا۔ اور ایک آدمی اس کے ساتھ ایمان لایا۔ اور تیسرے کے ساتھ دو یا تین آدمی ایمان لائے۔ تو پھر خبر کس طرح پھیلتی اور عام ہوتی۔ اور کفار سب کے سب انکار کے درپے تھے اور اپنے

باپ دادا کے دین کے مخالفوں کو ردّ کرتے تھے۔ تو پھر نقل کون کرتا اور کس کی طرف نقل کرتا۔

دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت و پیغمبر کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کے متحد ہونے کے باعث عربی اور فارسی لغت کے تھے۔ اور یہ الفاظ ہندی لغت میں نہ تھے۔ تا کہ ہند کے مبعوث انبیا کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے۔

اور نیز اس سوال کے جواب میں ہم معاوضہ کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے ہوں اور ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کہ ہو تو پھر ان کا حکم بھی شاہق جبل کا حکم ہوگا کہ باوجود سرکشی اور دعویٰ الوہیت کے دوزخ میں نہ جائیں۔ اور ہمیشہ کے عذاب میں نہ رہیں۔ اب بات کو بھی نہ تو عقل سلیم پسند کرتی ہے اور نہ ہی کشف صحیح اس کی شہادت دیتا ہے کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکش مردودوں کو دوزخ کے وسط میں دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ . وَالسَّلَامُ

مکتوب نمبر (۲۶۰)

حقائق آگاہ معارف دستگاہ مظہر فیض الٰہی رمنبع رحمت نامتناہی مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ کی طرف صادر فرمایا:

اس طریق کے بیان میں جس سے آپ کی ذات کو ممتاز کیا گیا ہے۔ اور جس میں ولایت سہ گانہ یعنی ولایت صغریٰ' جو اولیا کی ولایت ہے۔ اور ولایت کبریٰ' جو پیغمبروں کی ولایت ہے۔ اور ولایت عُلیا کا جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے' بیان مندرج ہے۔ اور جس میں ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کا بیان ہے۔ اور لطائف عشرہ انسانی کے بیان میں کہ ان میں سے پنج عالم امیر سے ہیں اور دوسرے پنج عالم خلق سے جو نفس اور عناصر اربعہ ہیں' مع اُن کمالات کے جو ان لطائف میں سے ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور عالم امر پر عالم خلق کے افضل ہونے کے بیان میں۔ مع اُن کمالات کے جو عنصر خاک سے مخصوص ہیں۔ اور ان عجیب و غریب علوم و معارف کے بیان میں جو ہر مقام کے مناسب ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِيْنَ ط

اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت سید المرسلین اور اُن کی آل و اصحاب پاک پر صلوٰۃ و سلام ہو۔

اے فرزند! خدا تجھے سعادتمند کرے۔ جاننا چاہیے کہ عالم امر کے پنجگانہ لطائف یعنی قلب و روح و

سرّ و خفی و اخفیٰ جو انسانی عالم صغیر کے اجزا ہیں۔ ان کے اصل عالم کبیر میں ہیں۔ جس طرح کہ عناصر اربعہ جو انسان کے اجزاء ہیں اپنی اصل عالم کبیر میں رکھتے ہیں۔ اور ان پنجگانہ لطائف کے اصلوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو ملا مکانیت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرہ امکان یعنی خلق و امر اور صغیر و کبیر ان اصول کی نہایت تک تمام ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کو منشا ہے اس مقام میں منتہی ہو جاتا ہے جس سالک رشید محمدی المشرب لطائف پنج گانہ کو ترتیب وار طے کر کے ان کے اصول میں جو عالم کبیر میں ہیں سیر فرماتا ہے اور بلند فطرتی بلکہ محض فضل ایزدی سے ان سب کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت دائرہ امکان کو سیر الی اللہ کے ساتھ تمام کر لیتا ہے۔ اور فنا کے اسم کا اطلاق اپنے اوپر حاصل کر کے ولایت صُغریٰ میں جو اولیا کی ولایت ہے' سیر شروع کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اگر اسمائے وجوبی تعالت و تقدّست کے ظلال میں جو حقیقت میں ان پنجگانہ عالم کبیر کے اصول ہیں۔ اور جن میں علوم کی کچھ آمیزش نہیں ہے سیر واقع ہو جائے۔ اور ان سب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریق سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو اسمائے وجوبی کے ظلال کا دائرہ سب کا سب تمام ہو جاتا ہے۔ اور اسما و صفات واجبی جل شانہٗ کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ولایت صغریٰ کے عروج کی نہایت یہیں تک ہے۔ اس مقام میں حقیقت فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایت کبریٰ کی ابتدا میں جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ دائرہ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کو متضمن ہے۔ اور ہر ایک اسم کا ظل ہر ایک شخص کا مبدء تعین ہے۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں سے اشرف ہیں مبدء تعین اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک جو اس کا مبدء تعین ہے۔ پہنچ جاتا ہے' تو اس وقت سیر الی اللہ کو تمام کر لیتا ہے۔ اس اسم سے مراد اسم الٰہی جل شانہٗ کا ظل اور اسم کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے نہ کہ اس اسم کا اصل۔ اور یہ دائرہ ظل حقیقت میں مرتبہ اسما و صفات کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جس کی بہت سی جزئیات ہیں۔ اور ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں۔ جو اجمال کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اس صفت کی ہر ایک جزئی انبیائے کرام و ملائکہ عظام کے سوا باقی اشخاص میں سے ہر ایک شخص کی حقیقت ہے۔ اور انبیا و ملائکہ کے مبادی تعینات ان ظلال کے اصول یعنی ان مفصّلہ جزئیات کی کلیات ہیں۔

مثلاً صفت العلم اور صفت القدرت اور صفت الارادت وغیرہ وغیرہ۔ اور بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو مبدء تعین ہے مختلف اعتباروں کے لحاظ سے باہم شرکت رکھتے ہیں۔

مثلاً حضرت خاتم الرسل ﷺ کا مبدء تعین شان العلم ہے۔ اور یہی صفت العلم ایک اعتبار سے حضرت

ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے۔ اور نیز یہی صفت ایک اعتبار سے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبدء تعین ہے۔ اور ان اعتبارات کا تعین خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں ذکر ہو چکا ہے۔

اور یہ جو بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حقیقت محمدیؐ تعین اوّل ہے جو حضرت اجمال ہے اور وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی مراد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر ہوئی ہے' یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد اسی دائرہ ظل کا مرکز ہے۔ اس دائرہ ظل کو تعین اوّل سمجھتے ہیں اور اس کے مرکز کو اجمال جان کر اس کا نام وحدت رکھا ہے اور اس مرکز کی تفصیل کو جو اس دائرہ کو محیط ہے واحدیت گمان کیا ہے۔ اور دائرہ ظل کے مقام فوق کو جو اسماء وصفات کا دائرہ ہے۔ ذات بیچون جو تعین سے مبرا ہے تصور کیا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کے جو اس کا اصل ہے اور اسماء وصفات اور شیون اعتبارات کے دائرہ سے موسوم ہے۔ مرکز کا ظل ہے۔ حقیقت میں حقیقت محمدی اس دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء وشیونات کا اجمال ہے۔ اور اس دائرہ میں ان اسماء و صفات کی تفصیل واحدیت کا مرتبہ ہے اور ظلال اسماء کے مرتبہ وحدت اور واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے اور سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اس مقام میں اسی قسم سے ہے۔ حالانکہ وسیر در حقیقت سیر الی اللہ میں داخل ہے۔ اس کے بعد اگر دائرہ اسماوصفات میں جو اس دائرہ ظل کا اصل ہے۔ سیر فی اللہ کے طریق پر عروج واقع ہو جائے۔ تو ولایت کبریٰ کے کمالات کا آغاز شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ولایت کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان کی تابعداری کے باعث ان کے اصحاب کرام کو بھی یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسماوصفات زائدہ کو متضمن ہے اور اوپر کا نصف حصہ شیون واعتبارات ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالم امر کے پنجگانہ لطائف ومراتب کے عروج اس دائرہ اسماوشیونات کے نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض فضل خداوندی جل شانہ سے صفات وشیونات کے مقام سے زیادہ تر واقع ہو۔ تو اُن کے اصول کے دائرہ میں سیر واقع ہوگا۔ اور اس دائرہ اصول کے آگے ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے اور اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق کی ایک قوس ظاہر ہوگی۔ اس کو بھی قطع کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا اور کچھ ظاہر نہ ہوا۔ اس لیے اسی قوس پر بس کی گئی۔ شاید یہاں کوئی سرّ ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی اور اسماو صفات کے یہ اصول سہ گانہ جو مذکور ہوئے جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں محض اعتبار ہی اعتبار ہیں۔ جو صفات و شیونات کے مبادی ہیں۔ ان اصول سہ گانہ کے کمالات کا حاصل ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کو اس مقام میں اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔

یہ وہی مقام ہے جہاں نفس مطمئنہ تخت صدر پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا وارتضا پر ترقی کرتا ہے

ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا انتہا یہی مقام ہے۔

جب سیر یہاں تک ہو چکا تو وہم وخیال میں آیا کہ اب کام سب ختم ہو چکا۔ اتنے میں آواز آئی کہ یہ سب کچھ ابھی اسم ظاہر کی تفصیل تھی۔ اور ابھی پرواز کے لیے ایک بازو میسر ہوا ہے۔ اور اسم باطن۔ جو عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کے لیے دوسرا بازو ہے۔ ابھی درپیش ہے۔ جب تو اس کو بھی مفصل طور پر سرانجام کرے گا۔ تو پرواز کے لیے دونوں بازو تجھے حاصل ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اسم باطن کا سیر بھی سرانجام پا چکا۔ تو دونوں بازو میسّر ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت بخشی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے رُسول حق لے کر آئے ہیں۔

اے فرزند! اسم باطن کے سیر کی نسبت کیا لکھا جائے۔ اس سیر کا حال استتار و تبطّن (در پردہ رہنے) کے مناسب ہے۔ البتہ اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسم ظاہر کا سیر صفات میں ہے۔ بغیر اس بات کے کہ ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہو۔ اور اسم باطن کا سیر بھی اگرچہ اسما میں ہے لیکن ان کے ضمن میں ذات ملحوظ ہے۔ اور یہ اسما ڈھالوں کی طرح ہیں جو حضرت کے روپوش ہیں۔

مثلاً صفت علم میں ہرگز ذات ملحوظ نہیں ہے لیکن اس کے اسم علیم میں پردہ صفت کے پیچھے ذات ملحوظ ہے۔ کیونکہ علیم ایک ذات ہے۔ جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے۔ اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر۔ باقی تمام صفات و اسما کا حال اسی قیاس پر ہے۔

یہ اسما جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں ملائکہ ملائے اعلیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے تعینات کے مبادی ہیں۔ اور ان اسماء میں سیر کا آغاز ولایت عُلیا میں جو ملائے اعلیٰ کی ولایت ہے قدم رکھنا ہے

اب علم و علیم اور اس و اسم باطن کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے تاکہ تو اس فرق کو تھوڑا نہ خیال کرے اور نہ کہے کہ علم سے علیم تک تھوڑا رستہ ہے نہیں۔ بلکہ وہ فرق جو مرکز خاک اور محدّب عرش کے درمیان ہے۔ اس فقر کی نسبت ایسا ہے جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ کہنے کو نزدیک ہے پر حاصل ہونے میں دُور ہے۔ اور مقامات کو ذکر جو مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اس قسم سے ہے۔

مثلاً کہا گیا ہے کہ پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کا سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے۔ لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پنجاہ ہزار سال کی راہ کا

---

[1] سورۃ معارج پارہ تبارک الذی۔

اندازہ کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ط

فرشتے اور رُوح چڑھتے ہیں اُس دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال کا ہے۔

اسی مطلب کی رمز کو بیان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ کے جذبۂ عنایت کے آگے کچھ دُور نہیں ہے کہ اس قدر مدت دراز کے کام کو ایک لحظہ میں میسّر کر دے۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

کریموں کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

اور اسی طرح ہے جو کہا گیا ہے کہ دائرہ اسما و صفات و شیون و اعتبارات کے طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسما و صفات و شیون و اعتبارات کا طے کرنا کہنے میں آسان ہے۔ لیکن طے کرنے میں مشکل ہے۔ اس طے کی نسبت مشائخ نے فرمایا ہے کہ:

مَنَازِلُ الْوُصُوْلِ لَا تَنْقَطِعُ اَيَدَ الْاٰبِدِيْنَ.

وصول کی منزلیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔

اور ان مراتب کے تمامی سیر سے منع کیا ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں

بمیر و تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

نہ اس کے حُسن کی انتہاء ہے اور نہ سعدی کے بیان کی انتہا ہے۔ مرض استسقا والا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح بھرا ہوا باقی ہے۔

تو یہ گمان نہ کرے کہ مراتب کا منقطع نہ ہونا تجلّیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا ہو۔ نہ کہ تجلّیات صفاتیہ کے اعتبار سے۔ اور حُسن سے مراد حُسن ذاتی ہو نہ کہ حُسن صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلّیات ذاتیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں۔ اور وہ حُسن ذاتی صفات جمالیہ کے روپوش کے بغیر نہیں ہے۔ کیونکہ اس مقام میں ان روپوشوں کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے۔

مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ.

جس نے اللہ کو پہچانا اُس کی زبان گنگ ہو گئی۔

اور تجلّی ایک قسم کی ظلّیت چاہتی ہے۔ اس لیے اس مقام میں شیون کے ملاحظہ سے چارہ نہیں۔ پس یہ منازل وصول اور مراتب حسن دائرہ اسما و شیونات میں داخل ہیں۔ جن کا منقطع ہونا ان کے نزدیک مشکل ہے لیکن وہ امر جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات و ظہورات کے ماوراء ہے۔ خواہ وہ تجلّیات ذاتی ہوں خواہ صفاتی۔ اور

حسن و جمال کے ماوراء ہے خواہ وہ حُسن ذاتی ہو خواہ صفاتی۔

غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کے موتیوں کو مختصر طور پر چھوٹی چھوٹی عبارتوں کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اور بے نہایت دریاؤں کو چند کوزوں میں بند کر دیا ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَاصِرِيْنَ پس کوتاہ ہمت نہ ہو۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسم ظاہر اور اسم باطن کے دونوں پَروں کے حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروج واقع ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیات اصالت کے طور پر عنصر ناری اور عنصر ہوائی اور عنصر آبی کے نصیب ہیں۔ بلکہ ملائکہ کرام کو بھی ان عناصر سہ گانہ سے نصیب حاصل ہے۔ جیسے کہ وارد ہوا ہے کہ بعض ملائکہ آگ اور برف سے مخلوق ہیں۔ اور ان کی تسبیح۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ جَمَعَ بَیْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا۔

ہے۔ اس سیر کی اثنا میں حالت واقع میں ظاہر ہوا کہ میں ایک راستہ میں جا رہا ہوں اور بہت چلنے کے باعث تھک گیا ہوں۔ اور لاٹھی اور عصا کی خواہش رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے چل سکوں، لیکن نہیں ملتی اور ہر خس و خاشاک کی طرف ہاتھ ڈالتا ہوں۔ تا کہ راستہ پر چلنے کی طاقت حاصل ہو۔ کیونکہ راہ طے کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اور جب کچھ مدت اسی طرح چلتا رہا۔ ایک شہر کی فنا (گرد نواح کا میدان) ظاہر ہوئی۔ اس فنا کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہوا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شہر تعین اوّل سے مراد ہے جو تمام مراتب اسما اور صفات وشیون واعتبارات کا جامع ہے۔ اور نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کے اصول کا جامع ہے۔ اور اعتبارات ذاتیہ کا منتہا ہے۔ جن کے درمیان تمیز کرنا علم حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو علم حضور کے مناسب ہوگا۔

اے فرزند! آنحضرت جل سلطانہ، میں علم حصولی اور علم حضوری کا اطلاق مثال اور نظیر کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ وہ صفات جن کا وجود ذات تعالیٰ کے وجود پر زائد ہے ان کا علم علم حصولی کے مناسب ہے، اور اعتبارات ذاتیہ جن کا ذات تعالیٰ پر زیادہ ہونا ہرگز متصور نہیں، ان کا علم علم حضوری کے مناسب ہے۔ ورنہ وہاں تو سوائے اس تعلق کے جو علم کو اپنے معلوم سے ہے بغیر اس امر کے کہ معلوم کہ نسبت کچھ اس میں حاصل ہوا۔ اور کچھ نہیں ہے۔ فافہم۔ اور یہ تعیّن اول جس سے وہ شہر جامع مراد ہے انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تمام ولایات کا جامع اور ولایت علیا کا منتہا ہے جو اصلی طور پر ملائے اعلیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ آیا یہ تعین اول حقیقت محمدی ہے یا نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی وہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ اور اس کا تعیّن اوّل اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اسما وصفات وشیون واعتبارات کی جامعیت کے اعتبار سے اس تعین اوّل کے ظلّ کا مرکز ہے۔ اور وہ سیر جو اس شہر کے اُوپر واقع ہو، وہ کمالات نبوت کا شروع ہے۔ ان کمالات کا حاصل ہونا انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ کمالات مقام نبوت سے ناشی اور پیدا ہوئے ہیں۔ اور

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی تابعداری کے سبب ان کمالات سے کچھ حصہ مل جاتا ہے۔ اور لطائف انسانی کے درمیان عنصر خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔ باقی تمام اجزائے انسانی خواہ وہ عالم امر سے ہوں خواہ عالم خلق سے سب اس مقام میں اسی عنصر پاک کو تابع ہیں۔ اور اسی کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ اور چونکہ یہ عنصر بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہو گئے۔ کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو حاصل ہوا ہے اور کسی کو وہ میسر نہیں ہوا۔ اور دَنُوّ کے بعد تَدَلّٰی کی حقیقت اسی مقام سے ظاہر ہوتی ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا سر اسی جگہ منکشف ہوتا ہے۔ اور اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں یعنی صغریٰ و کبریٰ و علیا کے کمالات سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے تمام کمالات کے طے کرنے سے زیادہ ہے۔ پھر قیاس کرنا چاہیے کہ ان سب کو کمالات کو تمام گزشتہ کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے۔ ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت سے وہ نسبت ہے جو غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سُبحان اللہ! اس سر سے جاہل کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقف ہونے کے باعث اس کی توجیہ میں کہتا ہے کہ نبی کی ولایت نبوّت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ چھوٹا منہ بڑی بات۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اُس کے حبیب ﷺ کے صدقے سے اس سیر کو بھی انجام تک پہنچایا۔ تو مشہود ہوا کہ اگر ایک قدم اور سفر میں زیادہ کرے تو عدم محض میں جا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تو یہ وہم نہ کرے کہ عنقا شکار ہو گیا۔ اور سیمرغ جلال میں پڑ گیا۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ بدست ست دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آ سکتا' لہٰذا جال سمیٹ لے کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصہ میں ہوا ہی آتی ہے۔

کیونکہ وہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوارء ثم وراء الوارا ہے۔

ہنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

ابھی استغنا اور بے پرواہی کا محل بہت بلندی پر ہے اور مجھے وہاں تک پہنچنے کی فکر نہیں۔

وہ ورائیت حجب کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ حجب سب کے سب مرتفع ہو گئے ہیں۔ بلکہ

عظمت و کبریا کے ثبوت کے اعتبار سے ہو جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے۔ کیونکہ وہ حق سبحانہ وجود میں اقرب ہے اور وجدان و ادراک سے ابعد ہے۔ ہاں بعض کامل مراد والوں کو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طفیل عظمت و کبریا کے ان پردوں میں جگہ دیتے ہیں۔

فَعُومِلَ مَعَهُمْ مَاعُوْمِلَ مَعَهُمْ۔ تو ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے ناشی ہوئی ہے۔ باوجود اس کے اس مقام میں بھی سب کا رئیس عنصر خاک ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ:

لَيْسَ رَآءَهٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ ۔ اس کے آگے سوائے عدم محض کے کچھ نہیں

وہ اس لیے کہ وجود خارجی اور وجود علمی کے تمام ہونے کے بعد عدم کا حاصل ہونا ہے جو اس کی نقیض ہے اور حق سبحانہٗ کی ذات اس وجود و عدم کے ماوراء ہے جس طرح عدم کو وہاں راہ نہیں۔ وجود کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ وجود جس کی نقیض عدم ہو اس بارگاہ جل شانہٗ کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر عبارت کی تنگی کے باعث اس مرتبہ میں وجود کا اطلاق کریں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا۔ جس کی نقیض بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

اور یہ جو اس فقیر نے اپنے بعض مکتوبات میں لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی حقیقت وجود محض ہے اس معاملہ کی حقیقت کو نہ پانے کے باعث لکھا ہے۔ اور وہ بعض معارف ہو توحید وجودی وغیرہ میں لکھے ہیں وہ بھی اس قسم سے ہیں۔ ان کا سر بھی یہی عدم اطلاع ہے۔ جب معاملہ کی اصل حقیقت سے فقیر کو آگاہ کیا جو کچھ ابتداء اور وسط میں لکھا اور کہا ہے اس سے نادم ہوا۔ اور استغفار کیا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَاكَرِهَ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اُس کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اس بیان سے روشن ہوا کہ کمالاتِ نبوت مراتب صعود میں ہیں۔ اور نیز نبوت کے عروجات میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ نہ جیسے کہ اکثر نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہے اور نبوت میں توجہ خلق کی طرف۔ اور ولایت مراتب عروج میں ہے اور نبوت مدراج نزول میں اسی وجہ سے بعض نے وہم کیا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں نبوت و ولایت میں سے ہر ایک کے لیے عروج و ہبوط ہے۔ عروج میں دونوں کا منہ حق کی طرف ہے اور ہبوط میں دونوں کا منہ خلق کی طرف۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف توجہ ہے۔ اور ولایت کے مرتبہ ہبوط میں کلی طور پر خلق کی طرف منہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا باطن رُو بحق ہے اور اس کا ظاہر رُو بخلق اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب ولایت نے عروج کے مقامات کو تمام نہ کر کے نزول کیا ہے اسی واسطے فوق کی نگرانی ہر دم اس کی دامن گیر

ہے۔اور خلق کی طرف کلی طور پر اس کی توجہ کی مانع ہے۔ برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے مقامت عروج کو تمام کر کے ہبوط فرمایا ہے۔اسی واسطے وہ کلی طور پر خلق کی خالق کی طرف دعوت کرنے میں متوجہ ہے:

فَافْهَمْ فَاِنَّ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةَ الشَّرِيْفَةَ وَاَمْثَالَهَا مِمَّا اَوْيَتَكَلَّمَ بِهَا اَحَدٌ۔ یہ معرفت شریفہ اور اس قسم کے اور معارف اس قسم کے ہیں کہ پہلے کسی نے بیان نہیں کیے۔

جاننا چاہیے کہ عنصر خاک جس طرح مراتب عروج میں سب سے بالاتر جاتا ہے۔اسی طرح منازل ہبوط میں وہ عنصر سب سے زیادہ نیچے آ جاتا ہے۔اور کیونکہ نیچے نہ آئے جب کہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے۔اور چونکہ سب سے زیادہ نیچے ہے اسی واسطے اس کے صاحب کی دعوت اتم ہے اور اس کا افادہ اکمل ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ جب طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو عالم امر سے تو بات کی ابتدا بھی عالم امر سے کی گئی۔ برخلاف مشائخ کرام کے باقی طریقوں کے جو شروع میں تزکیہ نفس کرتے ہیں اور قالب یعنی وجود کو پاک فرماتے ہیں۔اور بعد ازاں عالم امر میں آتے ہیں۔اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو اس میں عروج کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں مندرج ہے۔اور یہ طریق سب طریقوں سے اقرب ہے۔ کیونکہ ان کے اس سیر کے ضمن میں تزکیہ و تطہیر بہت اچھی طرح حاصل ہو جاتا ہے اور مسافت کوتاہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے عالم خلق کی سیر کو قصداً ضائع اور بے کار ہی نہیں جانا' بلکہ مطلب کے پانے میں مضر و مانع یقین کیا ہے۔ کیونکہ سالکان طریق مشکل سے مشکل ریاضتوں اور سخت سے سخت مجاہدوں اور تزکیہ کے قدم کے ساتھ عالم خلق کی صورت کے جنگلوں کو قطع کر کے جب عالم امر کا سیر شروع کرتے ہیں۔اور انجذاب قلبی اور التذاذ روحی میں پڑتے ہیں تو بسا اوقات ایسا ہوا کرتا ہے کہ اکثر اسی انجذاب پر قناعت کرتے اور اسی التذاذ پر کفایت کرتے ہیں۔اور اس عالم کے لامکان ہونے کا گمان دامن گیر ہو جاتا ہے۔ اور اس عالم کی بیچونی کی آمیزش ان کو بیچون حقیقی سے ہٹا رکھتی ہے۔

شاید اسی مقام پر کسی سالک نے کہا ہے کہ میں تیس (۳۰) سال تک روح کو خدا سمجھ کر اس کی پرستش کرتا رہا۔اور دوسرے نے کہا ہے کہ استویٰ کا سر اور عرش پر تنزیہ کا ظہور معارف غامضہ سے ہے۔

اور بیان سابق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تنزیہ بھی دائرہ مکان میں داخل ہے۔ ہاں تنزیہ نما ہے۔اور حقیقت میں تشبیہ ہے۔ برخلاف اس طریقہ علیہ کے بزرگواروں کے جو مقام جذبہ سے شروع کرتے ہیں۔اور اس التذاذ کی مدد سے ترقی کرتے ہیں۔ یہ انجذاب و التذاذ ان بزرگواروں کے حق میں ایسا ہے' جیسے دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے واصول کا مانع ہے۔وہ ان بزرگواروں کے لیے مدد و معاون ہے۔ عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے حقیقی لامکانی کی طرف توجہ کرتے ہیں۔اور اس عالم کی چونی کو عین چون جان کر بیچون حقیقی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔اسی واسطے دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر

مفتون نہیں ہوتے۔ اور بچوں کی طرح اس راہ کے جوز و مویز پر فریفتہ نہیں ہوتے اور ترہات صوفیہ پر خوش نہیں ہوتے۔ اور شطحیات مشائخ پر فخر نہیں کرتے اور احدیت صرف کی طرف متوجہ ہیں اور اسم وصفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہیے کہ یہ عروج جو پہلے ذکر ہو چکا ہے محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو تام الاستعداد ہے اور جو عالم امر کے جواہر خمسہ کے کمالات سے حصہ رکھتا ہے۔ خواہ عالم صغیر ہو خواہ کبیر۔ اور ایسے ہی پنجگانہ اصول سے جو اسماو جوبی کے ظلال ہیں خط وافر رکھتا ہے اور ایسے ہی ان ظلال کے اصول سے جو اسماو صفات کا مقام ہے۔ بہرہ ور ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا ہے کہ تمام الاستعداد ہو۔ وہ اس سے کہا ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر محمدی المشرب کو کمالات انھے ..... سے بھی جو مراتب امر کا نہایت ہے۔ حصہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن معاملہ انھے کو انجام تک نہیں پہنچاتا۔ اور اس کے اخیری نقطہ تک منتہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ابتدا یا وسط میں رہ جاتا ہے اور جب انھی میں کوتاہی کرے تو اس کے اندازہ کے موافق اس کے اصول میں کوتاہی کرے گا اور کام کو انجام تک نہ پہنچائے گا۔ عالم امر کے باقی چارگانہ مراتب میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس کے اخیری نقطہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ ابتدا اور وسط نقص کی خبر دیتا ہے اگرچہ نہایت سے بال کے برابر کم ہو۔

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست
ورونِ دیدہ اگر نیم موست بسیار است

دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں آنکھ میں اگر آدھا بال پڑ جائے تو بھی بہت ہے۔

اور یہ کوتاہی اصول اور اصولِ اصول میں سرایت کر جائے گی۔ اور مطلب تک پہنچنے سے روک دے گی اور یہ جو کہا ہے کہ یہ بیان محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ محمدی المشرب کے سوا کسی ایک کا کمال درجات ولایت میں سے اوّل درجہ تک ہی محدود رہتا ہے۔ اور درجہ اوّل سے مراد مرتبہ قلب ہے۔ اور دوسرے کا کمال درجات ولایت میں سے دوسرے درجہ یعنی مقام روح تک محدود ہوتا ہے۔ اور تیسرے شخص کے کمال کا عروج تیسرے درجے تک ہوتا ہے۔ جو مقام سر ہے۔ اور چوتھے شخص کے کمال کا عروج چوتھے درجے تک ہوتا ہے جو مقام خفی ہے۔ درجہ اوّل کی مناسبت صفاتِ افعال کی تجلی کے ساتھ ہے۔ اور درجہ دوم کی مناسبت صفاتِ ثبوتیہ ذاتیہ کی تجلی سے۔ اور درجہ سوم کی مناسبت شیون و اعتبارات ذاتیہ کے ساتھ۔ اور درجہ چہارم کو صفات سلبیہ کے ساتھ تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے' مناسبت ہے۔ اور درجاتِ ولایت میں سے ہر ایک درجہ انبیائے اولوالعزم میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا درجہ اوّل حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے' اس کا رب صفتِ

التکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشا ہے۔ اور درجہ دوم حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اور حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں مشارکت رکھتے ہیں۔ ان کا رب صفت العلم ہے جو صفات ذاتیہ میں سے اجمع ہے اور درجہ سوم حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب مقام شیونات سے شان الکلام ہے۔ اور درجہ چہارم حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا رب صفات سلبیہ سے ہے جو مقام تقدیس وتنزیہ ہے نہ ثبوتیہ سے۔ اور اکثر ملائکہ کرام اس مقام میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشارکت رکھتے ہیں۔ اور ان کو اس مقام میں شان عظیم حاصل ہے۔ اور درجہ پنجم خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔ اس کا ربّ رب الارباب ہے جو صفات وشیونات وتقدیسات وتنزیہات کا جامع اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور مرتبہ شیونات و صفات میں اس رب جامع کی تعبیر شان العلم کے ساتھ مناسب ہے۔ کیونکہ یہ شان عظیم الشان تمام کمالات کا جامع ہے۔ اسی مناسبت کے سبب سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملّت ہوئی۔ اور ان کا قبلہ ان کا قبلہ بنا علیہم الصلوٰۃ والسّلام۔

جاننا چاہیے کہ اقدام ولایت کا ایک دوسرے سے افضل ہونا درجوں کے مقدم ومؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تاکہ صاحب انھیٰ دوسروں سے افضل ہو۔ بلکہ اصل سے قریب وبعید ہونے اور درجات ظلال کی منزلوں کو زیادہ اور کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ صاحب قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحب انھیٰ سے جس کو یہ قرب حاصل نہیں۔ افضل ہو اور کیونکر نہ ہو جب کہ نبی کی وہ ولایت جو ولایت کے درجہ اوّل میں ہے' اس ولی کی ولایت سے قطعی طور رافضل ہے جو اخیری درجہ میں ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ سلوک کرنا یعنی قلب سے روح اور روح سے سر اور سر اور خفی سے خفی سے انھیٰ تک پہنچنا بھی محمدی المشرب کے ساتھ مخصوص ہے جو ترتیب وار ان پنجگانہ عالم امر کو تمام کر کے بترتیب ان کے اصول میں سیر کرتا ہے۔ بعد ازاں اصول اصول میں اسی ترتیب کو مدّنظر رکھ کر کام کو سرانجام کرتا ہے۔ اور احدیت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے یہ راستہ اس مذکورہ بالا ترتیب سے وصول کے لیے شاہراہ اور صراط مستقیم ہے۔ برخلاف دوسری ولایتوں کے کہ ان میں گویا ہر درجہ سے نقب کھود کر مطلوب تک لے گئے ہیں۔ یعنی مقام قلب سے نقب کھود کر صفات افعال تک جو اس کی اصل کا اصل ہے لے گئے ہیں۔ اور اسی طرح مقام رُوح سے نقب کھود کر صفات ذاتیہ تک لے گئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور شک نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال وصفات اس کی ذات سے مفک نہیں ہیں۔ اگر انفکاک ہے تو ظلال میں ہے۔ پس اس مقام میں افعال وصفات کے واصلوں کو بھی ذات بیچون تعالیٰ وتقدس کی تجلیات سے حصّہ حاصل ہوگا۔ جس طرح کہ صاحب انھیٰ کو اس کام کے تمام کرنے کے بعد یہ دولت میسر ہوگی۔ اگرچہ علو وسفل یعنی بلندی وپستی کے اعتبار سے تفاوت باقی رہے گا۔ اور صاحب قلب

صاحب انھیٰ کے ساتھ برابری نہ کر سکے گا۔ لیکن اس جگہ تو یہ غلطی نہ کرے کہ یہ تفاوت اولیا کے درمیان متصوّر رہے۔ کیونکہ مرتبہ کمال تک دونوں کے پہنچنے کے بعد ولایت قلب والا ولایت انھیٰ والے سے کم درجے کا ہے۔ لیکن اولیا اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت یہ تفاوت مفقود ہے۔ کیونکہ نبی کی ولایت جو مقام قلب سے قاضی ہے۔ ولی کی ولایت سے جو مقام انھیٰ سے ناشی ہوئی ہے افضل ہے۔ اگرچہ اس ولی نے انھیٰ کے کمالات کو انجام تک پہنچایا ہو۔ اور اس صاحب ولایت کا سر اس ولایت کے بنی کے زیر قدم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝	بے شک ہمارے مُرسل بنوں کے لیے ہمارا وعدہ ہو چکا کہ یہی فتح مند ہیں۔ اور یہی ہمارا لشکر غالب ہے۔

ہاں یہ تفاوت انبیا کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ متصور ہے۔ اور بلندی والا پستی والے سے افضل ہے۔ لیکن یہ تفاوت انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی عالم امر کے دائرہ کمالات کے اخیر تک ہے۔ بعد ازاں یہ تفاضل اس بلندی و پستی پر منحصر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مقام میں اس پستی والا اس بلند والے سے افضل ہو۔ جیسے کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اس تفاوت کو مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس مقام میں جسیم اور شان عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ جسامت اور شان حاصل نہیں ہے۔

لیکن ہم نے معلوم کیا ہے کہ اس مقام میں یہ تفاوت اس بلندی و پستی کے سوا ایک اور امر کے سبب سے ہے۔ جس کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ[1] اسے حسن توفیق اور کمال منت اور کرم کے ساتھ اس کے بعد مفصل طور پر ابھی بیان کریں گے۔

اسی طرح یہ تفاوت حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام اور حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا باقی تمام پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ان کے کمالات میں جو کعبہ ربانی کی حقیقت کے ساتھ جو تمام حقائق بشریت اور ملکیت سے برتر ہے۔ تعلق رکھتے ہیں' مشاہدہ کیا کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جگہ وہ شان عظیم اور مرتبہ بلند حاصل ہے جو کسی اور کو میسر نہیں ہوا۔

اس مقام عجیب میں جو عظمت و کبریا کے پردوں کے ظہور کا مقام ہے اس مقام کے مرکز یعنی مقام اجمال کے کمالات حضرت خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نصیب ہیں۔ اور باقی سب مفصل طور پر حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسلم ہیں۔ اور باقی جس قدر انبیا اور کامل اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں' سب اس جگہ

[1] سورہ الصافات' پارہ ۲۳۔

ان کے طفیلی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس اجمال کی تفصیل طلب فرمائی ہے چنانچہ اپنے مستولہ صلوات و برکات کو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوات و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ لیکن اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال کے بعد وہ تفصیل آپ کو بھی میسر ہوگئی۔ اور آپ کا سوال قبول ہوا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى جَمِيْعِ نِعَمَآئِهٖ ۔ اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

اس مقام عالی کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے برتر ہیں۔ اور کیونکر برتر نہ ہوں جب کہ یہی حقیقت انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مسجود الیہ ہے۔

اور اس فقیر نے رسالہ مبدء و معاد میں جو یہ لکھا ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت کعبہ کے مقام تک جو اس نے برتر ہے پہنچ کر متحد ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت محمدی اس جگہ حقیقت احمدی نام پاتی ہے۔ کعبہ کی وہ حقیقت اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل ہے کہ یہ فقیر اس حقیقت کے عدم ظہور کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھتا تھا۔ اس قسم کے اشتباہ واقع ہوتے ہیں کہ اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل سمجھتا ہے اور اس کا نام حقیقت رکھتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ایک مقام چند مرتبہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ اصل میں اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو مرتبہ اخیر میں ظاہر ہوئی ہے۔

اگر کہیں کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس کے ظہورات کا اخیری مرتبہ ہے تا کہ اس کو حقیقت سمجھا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ظہورات سابق کا ظلیت کا علم حاصل ہونا۔ اس ظہور کی آخریت پر شاہد عدل ہے۔ کیونکہ یہ علم ظہورات سابقہ کے وقت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ظہور کو حقیقت جانتا ہے۔ اور کسی کو ظلال خیال نہیں کرتا اگرچہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ فافہم

اے فرزند! معارف سابقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ کمالات جو عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کمالات کے لیے جو عالم خلق کے متعلق ہیں مقدمات اور زینوں کی طرح ہیں۔ پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور مقامات ولایت سے مخصوص ہیں۔ اور دوسرے کمالات نے ظلیت کی آمیزش سے جو اس نشاء دینویہ کے ظہورات کے مناسب ہے۔ خالی ہو کر مقامات نبوت سے کامل حصہ حاصل کیا ہے۔ پس طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں۔ دونوں شریعت کے لیے جو مقام نبوت سے ناشی ہے بمنزلہ خادموں کے ہیں۔ اور نبوت کے عروج کے لیے ولایت بمنزلہ زینہ کے ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ سیر جو بزرگانِ نقشبندیہ قدس سرہم نے اختیار کی ہے اور اس کو عالم امر سے شروع کیا ہے۔ نہایت ہی بہتر اور مناسب ہے۔ کیونکہ ادنیٰ سے (جو عالم امر ہے) اعلیٰ کی طرف (جو عالم خلق

ہے) ترقی کرنی چاہیے۔ نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ لیکن کیا کیا جائے یہ معمّا سب پر نہیں کھلا دوسروں نے صورت پر نظر ڈال کر عالم خلق کو پست دیکھا ہے۔ اور پستی سے شروع کر کے بلندی صوری کی طرف ترقی کی ہے اور یہ نہیں سمجھے کہ اصل معاملہ دگرگوں ہے اور پستی حقیقت میں بلندی ہے اور بلندی پستی ہے۔ ہاں نقطۂ آخر جو عالم خلق ہے نقطۂ اوّل سے کہ اصل الاصل ہے نزدیک ہوا ہوا ہے۔ یہ قرب کسی اور نقطہ کو میسّر نہیں ہوا۔ ع

کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

گناہ گار مستحق کرامت ہیں۔

یہ دید چراغ نبوت سے مقتبس ہے۔ اور ارباب ولایت کو اس معرفت سے بہت کم حصہ حاصل ہوتا ہے انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عالم امر سے سیر شروع کیا ہے۔ اور حقیقت سے شریعت کی طرف آئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اُن کامل اولیا کے لیے جن کا سیر انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سیر کے موافق ہوا ہے۔ ابتدا میں شریعت کی صورت ہے اور وسط میں طریقت و حقیقت جو ولایت سے تعقل رکھتی ہیں اور عالم امر کے مناسب ہیں۔ اور آخر میں شریعت کی حقیقت ہے۔ جو نبوت کا ثمرہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ طریقت و حقیقت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس اولیائے کامل کی بدایت اور انبیائے مرسل کی بدایت حقیقت ہے اور دونوں کی نہایت شریعت تو جس نے یہ کہا کہ اولیا کی بدایت انبیا کی نہایت ہے اور اولیا کی بدایت اور انبیا کی نہایت سے شریعت مراد رکھی ہے۔ اس کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ چونکہ وہ بے چارا اصل حقیقت سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس طرح کا سطحی کلام کہہ دیا۔ ان معارف کو اگرچہ کسی نے نہیں کہا بلکہ اکثر نے ان کے برخلاف کہا ہے۔ اور ادراک سے بعید معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ منصفِ جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی کی طرف نظر کرے اور شریعت کی عظمت اُس پر غالب ہو اُمید ہے کہ ان اسرار غامضہ کو قبول کر لے گا۔ اور اس قبول کو اپنے ایمان کو زیادت کا وسیلہ بنائے گا۔

اے فرزند! سُن لے کہ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر رکھا ہے:

بُنِیَ[1] الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ . اسلام کی بنا پانچ ہیں۔

اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت تھی۔ اس لیے اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسویٰ کی نسبت کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کو مطروح فی الطریق (راستہ کے کوڑے کرکٹ) کی طرح سمجھا اور اس کو بے مطلب جانا۔ ہاں بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کے رن اور دیدار کی دولت اور حرمان کی بدبختی سب عالم خلق سے وابستہ ہیں۔ عالم امر کے ساتھ ان کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ دوسرے وہ عمل جو فرض و واجب و سنت ہیں۔ ان کا بجالانا قالب سے

---

[1] بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

تعلق رکھتا ہے جو عالم خلق سے ہے۔ اور اعمال نافلہ عالم امر کا نصیب ہیں۔ پس وہ قرب جو ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے اعمال کے اندازہ کے موافق ہوگا۔ پس ناچار وہ قرب جو فرائض کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے عالم خلق کا نصیب ہے۔ اور وہ قرب جو ادائے نوافل کا ثمرہ ہے عالم امر کے نصیب ہے۔ اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی۔ بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے۔ اگرچہ سنت وفرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیان تفاوت اس سے قیاس کرنا چاہیے اور عالم خلق کی زیادت عالم امر پر اس تفاوت سے سمجھ لینی چاہیے۔ اگر لوگ چونکہ اس معنی سے بے نصیب ہیں۔ فرائض کو خراب کر کے نوافل کی ترویج میں کوشش کرتے ہیں۔

صوفیہ خام ذکر وفکر کو ضروری سمجھ کر فرضوں اور سنتوں کے بجالانے میں سُستی کرتے ہیں۔ اور چلّہ اور ریاضتیں اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کیساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شرعیہ کو مدّ نظر رکھ کر ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت ہی بہتر اور ضروری ہے۔

اور علمائے بے سرانجام بھی نوافل کی ترویج میں سعی کرتے ہیں اور فرائض کو خراب وابتر کرتے ہیں مثلاً نماز عاشورہ کو جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحت تک نہیں پہنچی' جماعت اور جمعیت تمام سے ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ فقہ کی روایتیں نفلی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں۔ اور فرضوں کے ادا کرنے میں سُستی کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ فرض کو مستحب وقت میں ادا کریں۔ بلکہ اصل وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں اور جماعت کی بھی چنداں قید نہیں رکھتے۔ جماعت میں ایک یا دو آدمیوں پر قناعت کرتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تنہا ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشواؤں کا یہ حال ہو۔ تو پھر عوام کا کیا حال بیان کیا جائے۔ اس عمل کو کم بختی سے اسلام میں ضعف پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی فعل کی ظلمت سے بدعت وہوا ظاہر ہوگئی ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے تھوڑا سا دل کا غم بیان کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ تو دل آزردہ ہوگا۔ ورنہ باتیں بہت ہیں۔

نیز نوافل کا ادا کرنا ظلی قُرب بخشتا ہے۔ اور فرائض کا ادا کرنا قرب اصلی۔ جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہے۔ ہاں وہ نوافل جو فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جائیں وہ بھی قرب اصل کے ممدّ ومعاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس ناچار فرائض کا ادا کرنا عالم خلق کے مناسب ہے۔ جو اصل کی طرف متوجہ ہے۔ اور نوافل کا ادا کرنا عالم امر کے مناسب ہے جس کا منہ ظل کی طرف ہے۔ فرائض اگرچہ سب کے سب اصلی قرب بخشتے

ہیں۔لیکن ان میں سے افضل واکمل نماز ہے۔حدیث:

[1] اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ نماز مومنوں کا معراج ہے۔

اور

[2] اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ ۔ بندے کو زیادہ قُرب نماز میں ہوتا ہے۔

تو نے سُنا ہوگا۔وہ وقت خاص جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا۔جس کی تعبیر لِی [2] مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے کی ہے۔فقیر کے نزدیک نماز ہی ہوا ہے۔نماز ہی گناہوں کا کفارہ ہے۔اور نماز ہی فحشا اور منکر سے روکتی ہے۔ وہ نماز ہی ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت ڈھونڈتے تھے۔جیسے کہ آپ فرمایا کرتے تھے [2] اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ ۔(اے بلال مجھے آرام دے)اور نماز ہی دین کا ستون ہے۔اور نماز ہی کفر اور اسلام کے درمیان فرق ہے۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور عالم امر پر عالم کی زیادت کی نسبت کچھ کہتے ہیں کہ عالم امر نے نے اسی جگہ پورا خط لے لیا ہے اور مشاہدہ اور معاینہ حاصل کیا ہے۔کل بہشت میں معاملہ عالم خلق ہے ساتھ پڑے گا۔اور بلا کیف دیدار اسی کو میسر ہوگا۔

اور نیز مشاہدہ کا متعلق وجوب کے ظلال مین سے ایک ظل ہے۔اور آخرت میں واجب الوجود کا دیدار۔پس جس قدر مشاہدہ اور رویت اور ظلیّت اور اصلیّت کے درمیان فرق ہے۔اسی قدر فرق عالم امر و عالم خالق میں پہچان لے۔

اور نیز جان لے کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ۔جو انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے باعث عام تابعداروں کو بھی مُیسر ہوگی۔اس بات سے ولایت ونبوت کے درمیان بھی فرق معلوم کرے۔

تنبیہ: جس عارف کو عالم امر کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی۔اس کا قدم کمالات ولایت میں زیادہ تر ہوگا اور جس کو عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی اُس کا قدم کمالات نبوت سے بڑھ کر ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں قدم آگے رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم نبوت میں زیادہ تر ہے۔کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام میں عالم امر کی نسبت بلند ہے۔جس کے باعث وہ روحانیوں سے مل گئے۔اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام میں عالم خلق کی جانب غالب ہے۔جس کے باعث انہوں نے مشاہدہ پر کفایت نہ کرے رویت بصر طلب فرمائی۔

---

[1] یہ حدیث صوفیہ میں مشہور ہے۔ [2] مسلم ابوداؤد نسائی بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

[1] رسالہ قشیریہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ [2] دار قطنی وابوداؤد

کمالات نبوت میں انبیاء کے متفاوت ہونے کا سبب جس کے بیان کرنے کا پہلے وعدہ کیا تھا۔ یہی ہے نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کمالاتِ ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ اللہ تعالیٰ بہتری کا الہام کرنے والا ہے۔

اے فرزند! چونکہ علوم نبوت یعنی شرائع واحکام قالب کے ساتھ زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی عالم خلق کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے۔ اس لیے بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت مقامات قرب تک جو ولایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ عروج کرنے کے بعد خلق کی دعوت کے لیے نزول کرنے سے مراد ہے۔ اور نہیں سمجھے کہ نہایت عروج اور غایت قرب اسی مقام میں ہے۔ اور وہ قرب جو پہلے حاصل ہوا تھا وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ جو بعد کی صورت میں متصور ہوتا ہے۔ اور وہ عروج جو اوّل میسر ہوا تھا۔ وہ اس عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس ہے جو بظاہر نزول دکھائی دیتا ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ بعید نقطہ ہے۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی نقطہ مرکز کے سوا محیط کے زیادہ قریب نہیں ہے۔ کیونکہ محیط اس نقطہ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی اور نقطہ کو میسر نہیں۔ عوام ظاہر بین اس اقربیت کو نہیں پا سکتے۔ اس لیے اس نقطہ کے ابعد ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اور اس نقطہ کے اقرب ہونے کے حکم کو جہل مرکب تصور کرتے ہیں۔ اور اس حکم کے دینے والے کو جاہل اور احمق سمجھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ. (اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے جو تم اس کی وصف بیان کرتے ہو)

جاننا چاہیے کہ مطمئنہ شرح صدر حاصل ہونے کے بعد جو ولایت کبریٰ کے لوازم سے ہے اپنے مقام سے عروج فرما کر تخت صدر پر چڑھ جاتا ہے۔ اور وہاں تمکین وسلطنت حاصل کر لیتا ہے۔ اور ممالک قرب پر غلبہ پالیتا ہے۔ یہ تخت صدر حقیقت میں ولایت کبریٰ کے عروج کے تمام مقامات سے برتر ہے۔ اس تخت پر چڑھنے والے کی نظر باطن کی طرف نفوذ کرتی ہے۔ اور غیب الغیب میں سرایت کر جاتی ہے۔ ہاں جو شخص بہت اُونچے مکان پر چڑھ جائے اس کی نظر بھی بہت دور تک نفوذ کر جاتی ہے۔ اور اس مطمئنہ کی تمکین کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے نکل کر اس سے مل جاتی ہے اور عقل معاد نام پاتی ہے۔ اور دونوں اتفاق بلکہ اتحاد سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اے فرزند! اس مطمئنہ کے لیے اب مخالفت کی گنجائش اور سرکشی کی مجال نہیں رہی۔ اور پورے طور پر مقصود کے حاصل کرنے کے درپے ہے۔ رضائے پروردگار کے سوا اس کا کوئی ارادہ نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے سوائے اس کا کچھ مطلب نہیں۔ سبحان اللہ! وہ امّارہ جو اول بدترین خلائق تھا۔ اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالم امر کے لطائف کا رئیس ہو گیا اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا۔

مخبر صادق علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا سچ فرمایا ہے:

[1] خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا۔ جو لوگ جاہلیت میں تم سے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔

اس کے بعد اگر خلاف اور سرکشی کی صورت ہے تو اس کا منشا اربع عناصر کی مختلف طبائع ہیں۔ جو قالب کے اجزا ہیں۔ یعنی اگر قوت غضبیہ ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر شہویہ ہے تو وہیں سے ظاہر ہے۔ اور اگر خست و کمینہ پن ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ تمام حیوانات جن میں نفس امارہ نہیں ہے۔ ان کو یہ اوصاف رذیلہ پورے اور کامل طور پر حاصل ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ مراد اس جہاد اکبر سے جو حضرت پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

[2] رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ۔ ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی۔

جہاد با قالب ہو نہ کہ جہاد بالنفس۔ جیسے کہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ نفس اطمینان تک پہنچ چکا ہے۔ اور راضی و مرضی ہو گیا ہے۔ پس خلاف و سرکشی کی صورت اس سے متصور نہ ہوگی۔ اور اجزائے قالب سے خلاف و سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ اور امور مرخصہ کے ارتکاب اور ترک عزیمت کا ارادہ ہے نہ کہ اشیا محرمہ کے ارتکاب اور ترک فرائض و واجبات کا ارادہ کہ یہ اس کے حق میں نصیب اعدا ہو چکا ہے۔

اے فرزند! عناصر اربعہ کے کمالات اگرچہ مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں۔ جیسے کہ گزر چکا۔ لیکن مطمئنہ چونکہ مقام ولایت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالم امر سے ملحق ہوا ہے۔ اس لیے صاحب سکر ہے اور مقام استغراق میں ہے۔ اور اسی سبب سے اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی۔ اور عناصر کی مناسبت چونکہ مقام نبوت کے ساتھ زیادہ ہے۔ اس لیے صحوان میں غالب ہے۔ اور اسی سبب سے بعض منافعوں اور فائدوں کے لیے جو ان سے متعلق ہیں مخالفت کی صورت ان میں باقی ہے۔ فافہم

جاننا چاہیے کہ منصب نبوت حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کے باعث آپ کے تابعداروں کو بھی کامل حصہ حاصل ہوا ہے۔ یہ کمالات طبقہ صحابہ میں زیادہ ہیں۔ اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے کچھ کچھ اثر کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ کمالات پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور ولایت ظلی کے کمالات جلوہ گر ہوئے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے

---

[1] بخاری و مسلم شریف بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] اس حدیث کی تخریج و تحقیق مکتوب نمبر ۴۱ دفتر اوّل میں ہو چکی ہے۔

کے بعد یہ دولت از سر نو تازہ ہو۔ اور غلبہ اور شیوع پیدا کرے۔ اور کمالات اصلیہ ظاہر ہوں۔ اور ظلّیہ پوشیدہ ہو جائیں۔ اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ظاہر و باطن میں اسی نسبت علیّہ کو رواج دیں گے۔

اے فرزند! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کامل تابعدار تابعداری کے سبب جب کمالاتِ نبوت کو تمام کر لیتا ہے تو پھر وہ اگر اہل مناصب سے ہے تو منصب امامت سے اس کو سرفراز کرتے ہیں۔ اور جب ولایت کبریٰ کے کمالات کو تمام کر لیا ہے اور اہل منصب سے ہوتا ہے۔ تو اس کو منصب خلافت سے مشرف کرتے ہیں۔ اور کمالات ظلّی کے مقامات سے منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے۔ اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقاموں کا ظلّ ہیں۔

شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غوث یہی قطب مدار ہے ان کے نزدیک غوثیت کا علیحدہ مرتبہ نہیں ہے۔ لیکن جو فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار نہیں ہے۔ بلکہ قطب اس سے بعض امور میں مدد لیتا ہے۔ اور ابدال کے مراتب مقرر کرنے میں بھی اس کا دخل ہے:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط — یہ اللہ کا فضل ہے جو کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تَذْیِیْل:

وہ علوم و معارف جو نبوت اور اس نبوت کی ولایت کے مقام کے مناسب ہیں۔ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کے شرائع ہیں۔ اور چونکہ اقدام نبوت میں تفاوت ہے اس لیے انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شرائع میں بھی اس تفاوت کے موافق اختلاف پیدا ہو ہوا ہے۔ اور وہ معارف جو مقام اولیا کے مناسب ہیں۔ مشائخ کے شطحیات اور وہ علوم ہیں جو توحید و اتحاد کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان اور قرب و معیّت کا پتہ بتاتے ہیں۔ اور مرآتیت و ظلّیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور مشہود و مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ غرض انبیاء کے معارف کتاب و سنت ہیں۔ اور اولیاء کے معارف فصوص اور فتوحات مکیّہ۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

میری بہار کا قیاس میرے باغ سے کر لو۔

اولیا کی ولایت حق کے قرب کی طرف سُراغ لے جاتی ہے۔ اور انبیا کی ولایت حق تعالیٰ کی اقربیّت کا نشان بتلاتی ہے۔ اولیا کی ولایت شہود کی طرف دلالت کرتی ہے۔ اور انبیاء کی ولایت اس شہود کو ثابت کرتی ہے جس کی کیفیت مجہول ہے۔ اولیا کی ولایت اقربیت کو نہیں جانتی کہ کیا ہے اور جہالت کو نہیں پہنچانتی کہ کیسی ہے اور انبیا کی ولایت باوجود اقربیّت کے قُرب کو عین بُعد جانتی ہے۔ اور شہود کو نفس غیب سمجھتی ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

اگر میں اس کی شرح لکھوں تو وہ بے حد و بے حساب ہے

اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور ولایت پر اس کی برتری اور ولایت سہ گانہ یعنی ولایتِ صغریٰ و ولایت کبریٰ و ولایت علیا کے درمیانی فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب علوم اور ہر ایک کے متعلق محل کا بیان طول طویل اس لیے کیا ہے۔ اور بار بار لمبے چوڑے فقرے اس واسطے بیان کیے گئے ہیں تا کہ کمال غرابت کے سبب لوگ ان کو فہم سے بعید نہ سمجھیں۔ اور کسی کو ان کے انکار کی مجال نہ رہے۔ یہ علوم کسبی اور ضروری ہیں' نہ کہ استدلالی اور نظری۔ اور ان میں بعض مقدمات کا ذکر عوام کے فہموں کی تنبیہ اور تقریب کے لیے ہے۔ بلکہ خواص کے ادراک کے لیے تبیین و تشریح ہے۔ یہ سب شروع سے اخیر تک اس طریقہ کا بیان ہے۔ جس طریقہ کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز کیا ہے اس کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے۔ جس کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا مندرج ہے۔ اسی بنیاد پر بہت سی عمارتیں اور کئی قسم کے محل بنائے گئے ہیں اگر یہ بنیاد نہ ہوتی معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔ یعنی بخارا و سمرقند سے اس بیج کو لا کر زمین ہند میں جس کا خمیر یثرب و بطحا کی خاک سے ہے' بویا۔ اور فضل کے پانی سے کئی سالوں تک اس کو سیراب کیا اور احسان کی تربیت سے اس کی تربیت کی جب وہ کھیتی کمال تک پہنچ گئی' ان علوم و معارف کا ثمرہ اس سے حاصل ہوا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ	اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس طریقہ علیہ کا سلوک شیخ مقتدا کی محبت کے رابطہ پر وابستہ ہے جس نے سیر مرادی سے اس راہ کو طے کیا ہو۔ اور قوتِ انجذاب سے ان کمالات کے ساتھ رنگا ہوا ہو۔ اس کی نظر ولی امراض کو شفا بخشتی ہے اور اس کی توجہ باطنی مرضوں کو دور کرتی ہے۔ ان کمالات کا صاحب اپنے وقت کا امام اور اپنے زمانہ کا خلیفہ ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں۔ اور اوتاد و نجبا اس کے کمالات کے سمندر سے ایک قطرہ پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اُس کے ارادہ و خواہش کے بغیر آفتاب کے نور کی طرح سب پر چمکتا ہے۔ پس کس طرح نہ چمکے جب کہ وہ خود چاہے۔ اگر چہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے۔ لیکن وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی لازم نہیں کہ وہ لوگ جو اس کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلہ سے راہ راست پر آ جائیں' اس بات کو جان لیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے رُشد و ہدایت کے اصل کو بھی کما حقہ' نہیں جانتے۔ حالاں کہ شیخ مقتدا کے

کمالات سے متحقق ہوتے ہیں۔ جن کے سبب جہان کو ہدایت کرتے ہیں۔ کیونکہ علم سب کو نہیں دیتے۔ اور سیر مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں وہ شیخ جس کے وجود شریف پر طرق وصول میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے۔ بے شک صاحب علم اور سیر کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو اسی کے علم پر کفایت کر کے اس کے ذریعے سے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں۔ ع

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے

ہمارے اس طریق میں افادہ اور استفادہ انعکاسی اور انصباغی ہے۔ مرید محبت کے رابطہ سے جو وہ اپنے شیخ مقتدا کے ساتھ رکھتا ہے دم بدم اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے۔ اور انعکاس کے طریق پر اس کے نور سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ اور استفادہ میں علم کیا درکار ہے۔

خربزہ جو سورج کی گرمی سے دم بدم پکتا جاتا ہے اور کچھ زمانہ کے بعد پک جاتا ہے۔ اس کے لیے کیا ضرورت ہے کہ اس کو اپنے ایک جانے کا علم ہو یا سورج کو اس کے پکانے کا علم ہو۔ ہاں اختیاری سلوک و تسلیک کے لیے جو دوسرے سلسلوں میں مربوط سے علم کا اور ہمارے طریق میں جو اصحاب کرام علیہم السلام کا طریق ہے۔ سلوک و تسلیک کا علم کچھ درکار نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو اس طریقہ کے بانی کی طرح ہے کمال علم اور وفور معرفت سے متحقق ہے۔ پس ناچار اس طریقہ علیہ میں زندے اور مردے اور بوڑھے اور جوان اور بچے اور میانہ عمر والے سب وصول کے حق میں برابر ہوں گے۔ جو صاحب دولت کی محبت کے رابطے یا توجہ سے اپنے بلند مقصودوں تک پہنچتے ہیں:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ منتہی اگرچہ صاحب علم ہیں ہوتا، لیکن خوارق کے ظہور سے اس کو چارہ نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس ظہور میں اُس کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات اُس کو اس ظہور کا علم بھی نہیں ہوتا لوگ اس سے خوارق ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ منتہی صاحب علم نہیں ہوتا۔ اس عدم علم سے مراد احوال کا تفصیلی علم نہ ہونا ہے نہ کہ مطلق طور پر علم کا نہ ہونا۔ اس حیثیت سے کہ اپنے احوال کچھ نہیں سمجھتا ہے۔ جیسے کہ پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا۔ اور اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں بالواسطہ یا بے واسطہ ہے اس وقت تک جاری و ساری رہتا ہے۔ جب تک کہ اس کا طریق مخصوص تغیرات اور تبدیلات کی آلودگی سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اور مخترعات اور مبتدعات کے ملنے سے خراب نہ ہو جائے:

اِنَّ[1] اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ ان تبدیلات کو اس طریقہ کی تکمیلات خیال کرتے ہیں۔ اور ان الحاقات کو اس نسبت کے تتمات تصور کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس کی تتمیم و تکمیل ہر بے سرانجام کا کام نہیں ہے۔ اور الحاق و اختراع ہر بے سروسامان کے لائق نہیں ہے۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یہاں بال سے بھی باریک ہزار نکتہ ہے ہر سر منڈا قلندری نہیں جانتا۔

سنت سنیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور ملّت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی رونق کو امور مُحدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان مُحدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں۔ اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملّت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجالانے میں ترغیبیں دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل اور نعمت تمام ہو چکا ہے اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ[2] اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط — آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔ اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیت کریمہ کے مفہوم سے انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ اندآزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

میں نے دل کا غم تھوڑا سا بیان کیا ہے ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں

علمائے مجتہدین نے احکام دین کو ظاہر کیا ہے۔ اور از سر نو کسی ایسے امر کو ظاہر نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس کلام اجتہادیہ امور محدثہ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ اصول دین میں سے ہیں۔ کیونکہ اصول دین میں سے ہیں۔ کیونکہ اصل چہارم یہ قیاس ہے۔

---

[1] سورہ رعد پارہ ۱۳ [2] سورہ مائدہ پارہ ۶

اے فرزند! وہ معرفت جو رسالہ مبدء و معاد میں اسی افادہ اور استفادہ کے بارہ میں جو قطب ارشاد سے تعلق رکھتا ہے لکھی گئی ہے۔ چونکہ اس مقام کے ساتھ مناسبت رکھتی تھی۔ اور بہت مفید تھی۔ اس لیے وہ معرفت اس مکتوب میں بھی لکھی گئی ہے۔ اسی جگہ سے اعتبار حاصل کریں۔ قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا بھی جامع ہوتا ہے۔ بہت عزیز الوجود اور نایاب ہے اور بہت سے قرنوں اور بے شمار زمانوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے۔ اور عالم تاریک اس کے نور ظہور سے نورانی ہوتا ہے۔ اور اس کی ہدایت وارشاد کا نور محیط عرش سے لے کر مرکز فرش تک تمام جہان کو شامل ہوتا ہے۔ اور جس کسی کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہونا ہوتا ہے اسی کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کے وسیلہ کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پا سکتا۔ مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی طرح تمام جہان کو گھیرا ہوا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے۔ اور ہرگز حرکت نہیں کرتا۔ اور وہ شخص جو اس بزرگ کی طرف متوجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے۔ یا یہ کہ وہ بزرگ طالب کے حال کی طرف متوجہ ہے۔ تو توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روزن کھل جاتا ہے۔ اور اس راہ سے توجہ و اخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ شخص جو ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے۔ انکار سے نہیں بلکہ اس کو پہچانتا نہیں ہے۔ اس کو بھی یہ افادہ حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت کی نسبت افادہ بہتر اور بڑھ کر ہے۔ لیکن وہ شخص جو اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے آزردہ ہے۔ اگرچہ وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہے۔ یہی انکار و آزار اس کے فیض کا مانع ہو جاتا ہے۔ بغیر اس امر کے کہ وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی طرف متوجہ ہو یا اس کے ضرر کر قصد کرے۔ کیونکہ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ صرف مرشد کی صورت ہے اور صورت بے معنی کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ اور وہ لوگ جو اس عزیز کے ساتھ محبت و اخلاص رکھتے ہیں۔ اگرچہ توجہ مذکورہ اور ذکر الٰہی سے خالی ہوں۔ لیکن فقط محبت ہی کے باعث رشد و ہدایت کا نور ان کو پہنچ جاتا ہے۔ وَلْيَكُنْ هٰذِهِ الْمَعْرِفَةِ اٰخِرَ الْمَكْتُوْبِ اور یہی معرفت مکتوب کا اخیر ہے۔

بس کنم خود زیر کاں را ایں بس است
بانگ دو کر دم اگر در ده کس است

میں بس کرتا ہوں زیرکب لوگوں کے لیے یہ کافی ہے۔ میں نے دو آوازیں دیدی ہیں اگر گاؤں میں کوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ دَآئِمًا وَّ سَرْمَدًا۔

اول و آخر اللہ رب العالمین کی حمد ہے اور حضرت رسول اللہ اور آپ کی آل پاک پر ہمیشہ صلوٰۃ وسلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶۱)

نماز کے فضائل اور معارف بلند اور حقائق ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوصہ کمالات کے بیان

مین سیادت مآب میر نعمان کی طرف صادر فرمایا:

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد میرے عزیز بھائی کو کہ خدا اُس کو ہدایت دے معلوم ہو کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نماز دوسرا رُکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور جزو ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے۔ اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہوگئی ہے۔ اور وہ دولتِ رویت جو سرور عالمیان ﷺ کو معراج کی رات بہشت میں میسّر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ نماز مومنوں کا معراج ہے۔

نیز فرمایا:

اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ ۔ سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے وہ نماز میں ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت مُیسر نہیں کیونکہ یہ جہان اس کی طاقت نہیں۔ رکھتا اگر نماز کا حکم نہ ہوتا۔ چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا۔ اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی بیماروں کے لیے راحت بخش ہے:

اَرِحْنِیْ یَابِلَالُ ۔ راحت دے مجھے اے بلال

اسی ماجرا کی رمز ہے اور:

[1] قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ۔ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق ومواجید اور علوم ومعارف اور مقامات وانوار اور تلوینات وتمکینات اور تجلیات متکفیہ اور غیر متکفیہ اور ظہورات متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسّر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا ظلال وامثال بلکہ وہم وخیال ہیں۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے نماز کے ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ اوّل کر لیتا ہے۔

[1] نسائی اور حاکم بروایت انس رضی اللہ عنہ

اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عالم دنیا کاملاتِ ظلی پر منحصر ہے۔ اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ جو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کے سبب کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے۔ اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی سے مشرف ہوئے۔ اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئے۔ اور اس سعادت سے فیضیاب ہوئے:

اَللّٰهُمَّ اَجِزْهُ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ وَاَجِزْهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ و اَجِزِ الْاَنْبِيَآءِ كُلَّهُمْ جَزَآءً خَيْرًا فَاِنَّهُمْ دُعَاةُ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَهُدَاتُهُمْ اِلٰى لِقَآءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔

یا اللہ تو ہماری طرف سے ان کو ایسی اجزاء دے جس کے وہ لائق ہیں اور اُن کو ہماری طرف سے اس سے افضل جزا دے جو تو نے اُمت کی طرف سے کسی نبی کو دی اور ہماری طرف سے تمام انبیاء کو جزا خیر عطا کر کیونکہ وہ سب کے سب خلق کو اللہ کی طرف بلانے والے اور اس کے لقا کی طرف اُن کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس گروہ میں سے بعض نے جن کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہ کیا۔ اور اس کے مخصوصہ کمالات پر اطلاع نہ بخشی۔ انہوں نے اپنی امراض کا علاج اور امور سے کیا۔ اور اپنی مرادوں کا حاصل ہونا اور اشیا پر وابستہ جانا۔ بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ اور دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد غیر اور غیریت پر رکھی۔ اور روزہ کو نماز سے افضل جانا۔

صاحب فتوحات مکیہ کہتا ہے کہ روزہ میں جو کھانے پینے کی ترک ہے وہ صفات صمدیت سے متحقق ہونا ہے۔ اور نماز میں غیر و غیریت کی طرف آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے۔

اس قسم کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے مسئلہ توحید وجودی پر مبنی ہیں۔ اور ایسی باتوں کا بولنا نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے سبب ہے۔ بلکہ اس طائفہ میں سے جم غفیر یعنی بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین سماع و نغمہ و وجود تواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا۔ اسی واسطے رقص و رقاصی کو دیکھنا عادت بنالی۔ حالانکہ انہوں نے سُنا ہوگا کہ:

[1] مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَآءً

اللہ تعالیٰ نے حرام میں میں شفا نہیں رکھی۔

ہاں: اَلْغَرِيْقُ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ وَ حُبُّ الشَّيْءِ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

---

[1] حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس حدیث کو طبرانی نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع ونغمہ کا دم نہ مارتے۔ اور وجد تواجد کو یاد نہ کرتے۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

جب حقیقت کو نہ جان سکے تو افسانے کا راستہ اختیار کیا۔

اَلْعَاقِلُ تَكْفِيَةِ الْاِشَارَةُ عاقل کو ایک ہی اشارہ کافی ہے۔

یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں۔ اور آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سبب سے فرمایا ہے کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔ ان میں سے اوّل بہتر ہیں یا ان میں سے آخر

اور یہ نہ فرمایا کہ:

اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اَوْ مَسْطُهُمْ۔ ان کے اوّل بہتر ہیں یا ان کے اوسطہ

کیونکہ آخر کو اوّل کے ساتھ زیادہ مناسبت دیکھی جو تردّد کا محل ہے۔

اور دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس امت میں سے بہترین اول ہیں آخر۔ اور درمیان میں کدورت وتیرگی ہے۔

ہاں اس اُمت کے متاخرین میں اگرچہ وہ نسبت بلند ہے لیکن قلیل بلکہ اقل ہے۔ اور متوسطوں میں وہ نسبت اگرچہ بلند نہیں ہے، لیکن کثیر بلکہ اکثر ہے:

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ كَمِيَّةً وَّ كَيْفِيَّةً۔ ہر ایک کے لیے کمیت وکیفیت کے لحاظ سے ایک جہت ہے

لیکن اس نسبت کے اقل ہونے نے متاخرین کو درجہ بلند میں پہنچایا۔ اور سابقین کے ساتھ مناسبت دیکر کے خوشخبری دی۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

[1] اَلْاِسْلَامُ بَدَءَ غَرِيْبًا وَّ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ اسلام غریب شروع ہوا، اور پھر ویسا ہی غریب ہو

فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ۔ جائیگا۔ پس غربا کو خوش خبری ہے۔

اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت ﷺ کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے۔ کیونکہ الف یعنی ہزار سال کے گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے۔ اور چونکہ اس امت میں نسخ وتبدیل نہیں ہے۔ اس لیے سابقین کی نسبت اُسی تروتازگی کے ساتھ متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی

[1] مسلم وابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ اور طبرانی بروایت سلمان فارسی اور امام احمد وترمذی اور رافعی اور خطیب اور ابن عساکر وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ

ہے۔اس معنے پر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ والصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان دونوں عادل گواہ ہیں ؎

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکند آنچہ مسیحا می کرد!

روح القدس اگر پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے۔

اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے۔لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ کریں۔اور احوال کی صحت و سقم علوم شرعیہ کے مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں۔اور شریعت و نبوت کی تعظیم و توقیر دیکھیں کہ ان میں سے کس میں زیادہ تر ہے تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہے۔اور یہ بات ان کو فہم سے دور معلوم نہ ہو۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔اور نبوت ولایت سے افضل ہے۔اگرچہ اس نبی کی ولایت ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ کمالات ولایت کو کمالات نبوت کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریا کی سی نسبت ہوتی اس قسم کی بہت سی باتیں اس مکتوب میں جو طریقہ بیان میں اپنے فرزند کی طرف لکھا ہے خاص طور پر لکھی گئی ہیں وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

اس گفتگو سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہو۔اور اس طریقہ کے طالبوں کو ترغیب ہو نہ یہ کہ دوسروں پر اپنی فضیلت و بزرگی ثابت ہو۔خدائے تعالیٰ کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے۔تو پھر اس شخص کا کیا حال ہو جو بزرگانِ دین سے اپنے آپ کو افضل جانے۔ ؎

ولے چوں شدم ابر داشت از خاک — سز دگر بگذ رانم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری — کند از لطف برمن قطرہ باری
اگر بروید از تن صدز بانم — چو سوسن شکر لطفش کے توانم

ہاں جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اوپر اٹھالیا تو لائق ہے کہ اپنا سر آسمان سے اُوپر لے جاویں۔
میں وہ خاک ہوں تو بہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔اگر میرے جسم پر سو زبانیں نکل تو بھی سوسن کی طرح میں اس کی مہربانی کا شکر کیسے کر سکتا ہوں۔

اس کے مطالعہ کے بعد اگر تم میں نماز کے سیکھنے اور اس کے مخصوص کمالات میں سے بعض کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو۔اور وہ شوق تم کو بے آرام کر دے۔تو استخاروں کے بعد ان حدود کی طرف آجائیں اور عمر کا کچھ حصہ نماز کے سیکھنے میں صرف کریں۔

وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ الْهَادِیْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

اللہ تعالیٰ سیدھے رستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ اور سلام ہو اُس شخص پر جس ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۶۲)

مولانا محب علی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ہمارا ارتباط حُبّی اور ہماری نسبت انعکاسی ہے۔ اور قُرب وبُعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی۔ اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو التفات وتوجہ سے لکھا ہوا تھا اس کے پہنچنے سے خوشی حاصل ہوئی۔ اور چونکہ فرط محبت اور کمال اختصاص سے بھرا ہوا تھا اس لیے فرحت پر فرحت حاصل ہوئی۔ آپ نے سابقہ عہد کے پُورا کرنے کے لیے لکھا ہوا تھا۔

میرے مخدوم! اوضاع شرعیہ میں سے جس وضع پر آپ رہیں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ رشتہ محبت نہ ٹوٹ جائے۔ بلکہ دن بدن قوت پیدا کرے۔ اور اس اشتیاق کی چنگاری سرد نہ ہو جائے۔ بلکہ ہر گھڑی زیادہ بھڑکتی جائے۔ کیونکہ ہمارا ارتباط حُبّی ہے۔ اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباغی ہے۔ اور جلدی اور دیر اور طریق کے بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قرب وبعد میں کچھ فرق نہیں رکھتی اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے خاتمہ سے جو اپنے فرزند ارشد کے نام طریق کے بیان میں لکھا ہے' طلب فرمائیں۔ اس مکتوب کی نقل برادرم سیادت پناہ میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں۔ وہاں سے منگوالیں۔ زیادہ طول کلام کیا کی جائے۔ والسلام

مکتوب نمبر (۲۶۳)

جناب معارف آگاہ میاں تاج الدین کی طرف صادر فرمایا:

ان معارف کے بیان میں جو کعبۂ ربانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور نماز کے فضائل اور اس کے مناسب بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے اور اُس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے قدوم مسرت لزوم تشریف آوری کی خوش خبری سن کر مشتاق دوستوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اس پر اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

انصاف بدہ اے فلک مینا فام تازیں دوکدام خوب تر کرد خرام
خورشید جہاں تاب تو از جانب شرق یا ماہ جہاں گرد من از جانب شام

اے مینا فام آسمان تو ہی انصاف کر کہ ان دونوں میں سے کس کا آغاز زیادہ بہتر ہے۔ تیرے سورج کا مشرق سے طلوع ہونا یا میرے معشوق کا شام کے وقت تشریف لانا۔

جب آپ نے قدم رنجہ فرمایا ہے تو جلدی تشریف لائیں۔ کیونکہ مشتاق مدّت سے منتظر ہیں۔ اور بیت اللہ کے حالات سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک جس طرح کعبہ کی صورت کیا' فرشتے کیا۔ بشر تمام خلائق کی صورتوں کے لیے مسجود الیہ ہے اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کی حقائق کے لیے مسجود الیہ ہے۔ اسی لیے لازماً وہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہے۔ اور اس کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلق کمالات سے بڑھ کر ہیں۔ گویا یہ حقیقت حقائق کوئی اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے۔ حقائق الٰہی سے مراد عظمت و کبریا کے پردے ہیں جن کے پاک دامن کو کوئی رنگ و کیفیت نہیں لگی۔ اور کسی ظلیت نے ان کی طرف راہ نہیں پایا۔ دنیوی عروجات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائق کوئی کے انتہا تک ہے۔ اور حقائق الٰہی سے کامیاب ہونا آخرت پر مخصوص ہے۔ ہاں نماز میں جو مومن کا معراج ہے۔ اور اس معراج میں گویا دنیا سے نکل کر آخرت میں چلا جاتا ہے۔ اس خط میں سے جو آخرت کو میسر ہوگا کچھ حصہ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ نماز میں اس دولت کے حاصل ہونے کا عمدہ ذریعہ کعبہ کی طرف جو حقائق الٰہی جل شانہٗ کے ظہورات کا مقام ہے۔ نمازی کا توجہ کرنا ہے۔ پس کعبہ دنیا میں ایک اعجوبہ ہے جو صورت میں دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں آخرت سے ہے۔ اور نماز نے بھی اس کے وسیلہ سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور صورت و حقیقت میں دنیا و آخرت کی جامع ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حالت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت میسر ہو جاتی ہے۔ ان تمام حالات سے جو نماز کے سوا حاصل ہوں بلند تر ہے۔ کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں۔ دائرہ ظل سے باہر نہیں ہیں۔ اور یہ حالت اصل سے حصہ رکھتی ہے۔ پس جس قدر اصل اور ظل کے درمیان فرق ہے۔ اسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق ہے۔ اور مشاہدہ میں آتا ہے کہ وہ حالت جو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے موت کے وقت ظاہر ہوگی۔ وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی۔ کیونکہ موت احوال آخرت کے مقدمات سے ہے۔ اور جو حالت آخرت کے زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ اتم و اکمل ہے۔ کیونکہ اس جگہ صُورت کا ظہور ہے اور

وہاں حقیقت کا ظہور۔ پس دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اور ایسے ہی وہ حالت جو اللہ جل شانہٗ کے کرم و فضل سے برزخ صُغریٰ یعنی قبر میں مُیسّر ہوگی۔ اس حالت سے جو موت کے وقت میّسر ہوگی بڑھ کر ہوگی۔ اور برزخ کُبریٰ یعنی روز قیامت کو کہ جہاں کا مشہود اتم و اکمل ہے برزخ صُغریٰ کے ساتھ یہی نسبت ہے۔ اور اسی طرح برزخ کُبریٰ کی مشہود کی نسبت جنات النعیم کا مشہود اتم و اکمل ہے۔ اور تمام مقامات سے بلند تر وہ مقام ہے جس کی نسبت مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃً لَیْسَ حُوْرٌ وَّلَا قُصُوْرٌ یَتَجَلّٰی فِیْھَا رَبُّنَا ضَاحِکاً۔	اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں نہ حور ہے اور نہ کوئی محل۔ اس میں اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا۔

پس تمام ظہورات میں سے ادنیٰ ظہور دنیا و مافیہا ہے۔ اور ان ظہورات میں سے اعلیٰ جنت۔ بلکہ دنیا بالکل ظہور کا مقام نہیں ہے وہ ظلی ظہورات اور مثالی نمائش جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقیر کے نزدیک سب امور دُنیا میں شمار ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ظہورات خواہ تجلیات صفات ہوں خواہ تجلیات ذات ہوں۔ سب دائرہ مکان میں داخل ہیں:

تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا ۝	اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں بہت بلند ہے۔

فقیر جب دُنیا کو پورے طور پر ملاحظہ کرتا ہے تو محض خالی پاتا ہے۔ اور مطلوب کو کچھ بُو اس کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ اس جگہ مطلوب کو ڈھونڈتا اپنے آپ کو پریشان کرنا یا مطلوب کے غیر کو مطلوب جاننا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں۔ اور خواب و خیال میں آرام کیے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں صرف نماز ہی ہے جو اصل سے کچھ حصہ رکھتی ہے اور مطلوہ کی بولاتی ہے وَدُوْنَہٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔ اس کے سوا بے فائدہ رنج ہے۔

مکتوب نمبر (۲۶۴)

میر سیّد باقر سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا:۔

اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت و جہالت میں لے جانا چاہیے۔ اور احوال و کشوف پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ اور اس کے ضمن میں اس واقع کا ذکر اور تعبیر بیان کیا ہے۔ جو گردونواح کے مشائخ میں سے کسی شیخ نے ظاہر کیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کا صحیفہ شریفہ جو بڑی محبت اور کمال اشتیاق سے صادر فرمایا تھا' پہنچا۔ اور بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ آپ اپنے کام کی طرف متوجہ رہیں۔ اور اسماوصفات کے ملاحظہ کے بغیر ذکر اسم ذات تعالیٰ میں مشغول رہیں۔ یہاں تک کہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے کیونکہ اسماوصفات کا ملاحظہ اکثر اوقات احوال کے ظاہر ہونے کا باعث اور مواجید کے صادر ہونے کس سبب ہو جاتا ہے اور آپ نے سُنا ہوگا کہ احوال و مواجید میں خطا کا بہت احتمال ہے۔ اور اس مقام میں حق باطل کے ساتھ بہت ملا رہتا ہے۔

اور واضح ہو کہ انہی دنوں میں گردنواح کے مشائخ میں سے ایک شیخ نے اس فقیر کی طرف پیغام بھیجا اور اپنا احوال ظاہر کیا کہ فنا ومحویت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جس طرف نظر کرتا ہوں۔ کچھ نہیں دیکھتا ہوں اور زمین و آسمان کی طرف جب نگاہ کرتا ہوں۔ اور عرش وکرسی کی طرف جب دیکھتا ہوں تو ان کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور اپنے آپ کو بھی جب ملاحظہ کرتا ہوں کچھ نہیں پاتا ہوں اور اگر کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی کچھ نہیں پاتا ہوں۔ اور خدائے تعالیٰ بے نہایت ہے اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔ اور مشائخ نے اس کو کمال سمجھا ہے۔ اگر تو بھی اسی کو کمال جانتا ہے تو پھر میں طلب حق کے لیے تیرے پاس کس لیے آؤں۔ اور اگر کسی اور امر کو کمال جانتا ہے تو لکھ۔

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کے تلوینات میں سے ہیں۔ اور قلب اس راہ کا پہلا زینہ ہے۔ اور ان احوال کے صاحب نے ابھی مقام قلب سے صرف چوتھا حصہ ہی طے کیا ہے تین حصے اور قلب سے اُس کو طے کرنے چاہیں۔ بعد ازاں دوسرے زینہ پر جو روح سے مراد ہے جہاں تک خدائے تعالیٰ چاہیے عروج کرنا چاہیئے۔

اس ماجرا سے کچھ مدّت کے بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک دوست نے جو طریقہ اخذ کر کے اپنے وطن کو گیا ہوا تھا۔ جب واپس آ کر حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال اس شیخ کے حال کے موافق ہے جس کا حال دریافت کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ دوست اس مقام میں اس شیخ سے قدم آگے رکھتا ہے۔ اور جب اچھی طرح اس کے حال کا ملاحظہ کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا ومحویت عنصر ہوا میں ہے۔ جو ذرّات سے ہر ذرہ کو محیط ہے۔ اور ہوا کے سوا کوئی اور امر مشہور نہیں ہے اور اسی کو اس نے خدائے بے نہایت سمجھ لیا ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحٰنَهٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے۔

دوسری دفعہ اس کو بُلا کر پھر اُس کے احوال کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری عنصر ہوا کے سوا کسی اور امر کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس کو بھی اس بات پر مطلع کیا۔ اور جب اُس نے اپنے وجدان کی طرف رجوع

کیا تو اس نے بھی معلوم کر لیا کہ ہوا کے سوا مجھے کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس وقت اس نے ان احوال سے توبہ کی اور قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہیئے کہ عالم خلق یعنی عالم عناصر اربعہ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ کے ہے اور دونوں عالم کا رنگ رکھتا ہے۔ گویا قلب کا نصف حصہ عالم خلق سے ہے اور اس کا دوسرا نصف حصہ عالم ارواح سے ہے۔ اور جب اس کے عالم خلق والے نصف حصّہ کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصر ہوا پر جا پڑے گا۔ پس قلب کا چوتھا حصّہ مقام ہوا سے مراد ہے۔ جس کو قلب شامل ہے۔ پس یہ جو آخر ظاہر ہوا جواب اوّل کے موافق ہے۔ اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لائے ہیں۔

اس سے زیادہ لکھنا وقت کے مناسب نہ تھا۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

اور سلام ہو آپ پر اور ان سب پر جنہوں نے ہدایت اختیار کی اور حضرت مصطفیٰ ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑا۔

مکتوب نمبر (۲۶۵)

شیخ عبدالہادی بدایونی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عزلت اور گوشہ نشینی کے اختیار کرنے میں چاہیے کہ مسلمانوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔ اور حقوق اور اُس کے مناسب بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ میرے سعادت مند بھائی کا مکتوب مرغوب پہنچا۔ بہت خوشی کا موجب ہُوا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ مفارقت اور جُدائی کے زمانہ دراز نے محبت و اخلاص اور دوستی و اختصاص میں کچھ تاثیر نہیں کی۔ باوجود اس کے اگر آپ تشریف لے آتے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔

وَالْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور بہتری اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہاں بے شک گوشہ نشینی صدیقین کی آرزو ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں۔ لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

حَقُّ[1] الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَتُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔

مسلمانوں کے حق مسلمان پر پانچ ہیں' سلام کا جواب دینا' بیماری پُرسی کرنا' جنازہ کے ساتھ چلنا' دعوت کا قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

لیکن دعوت کے قبول کرنے میں چند شرائط ہیں۔

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو۔ یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں۔ یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں۔ یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو۔ یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور بہتان اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں۔ اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور شرعہ[2] الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریا و اپنی شہرت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اور محیط[3] میں ہے کہ جس بساط پر لہو ولعب یا سرود کا سامان ہو۔ یا لوگ غیبت کرتے اور شراب پیتے ہوں تو وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے۔ جیسے کہ مطالب المومنین میں ہے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ اور نیز جان لیں کہ ع

عزلت از اخیار باید نہ زیار

عزلت اغیار سے چاہیے اپنوں سے نہیں

کیونکہ ہم رازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقہ علیہ کی سنت و مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند یہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریق صحبت ہے۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے

---

[1] بخاری و مسلم شریف۔

[2] یہ کتاب امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہ رحمہ اللہ حنفی متوفی ۵۷۳ھ کی تصنیف ہے۔

[3] یہ کتاب امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے

اور شہرت میں آفت۔ اور صحبت سے مراد ہوا فغانِ طریقت کی صحبت ہے نہ کہ مخابفانِ طریقت کی کیونکہ ایک کا دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط ہے جو بغیر موافقت کے مُیسّر نہیں ہوتا۔ اور مریض کی عیادت سنت ہے۔ اگر اس مریض کا کوئی شخص خبر گیر ہے اور اس کی بیمار پُرسی کرتا ہے۔ ورنہ اس بیمار کی بیمار پرسی واجب ہے۔ جیسے کہ حاشیہ مشکوٰۃ[1] میں کہا ہے۔ اور نماز جنازہ میں حاضر کرنے کے لیے کم از کم چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے تا کہ میت کا حق ادا ہو جائے۔ اور جمعہ و جماعت و نماز پنج گانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے ان سے چارہ نہیں اور باقی اوقات کو تبتل و انقطاع میں بسر کریں۔ لیکن چاہیے کہ اوّل نیت کو درست کریں۔ اور گوشہ نشینی کو دنیا کی کسی غرض سے آلودہ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ باطنی جمعیّت کے حاصل ہونے اور لاطائل اور بے فائدہ اشغال سے منہ موڑنے کے سوا غرلت سے اور کچھ مقصود نہ ہو۔ اور نیت کے درست کرنے میں بڑی احتیاط کریں ایسا نہ ہو کہ اس کے ضمن میں کوئی نفسانی غرض پوشیدہ ہو۔ اور نیّت کے درست کرنے میں التجا و تضرع اور عجز و انکسار بہت کریں۔ تا کہ نیت کی حقیقت میّسر ہو جائے اور سات استخارے ادا کر کے درست نیّت کے ساتھ غرلت اختیار کریں۔ امید ہے کہ بڑے بڑے فائدے اس پر مترتّب ہوں گے۔ باقی احوال کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۶۶)

اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ کی خدمت میں صادر فرمایا:

اہل سنت و جماعت (خدا ان کی کوشش قبول فرمائے) کی رائے کے موافق بعض ان عقاید کلامیہ کے بیان میں جو آپ کو از روئے الہام و فراست حاصل ہوئے تھے نہ از روئے تقلید و تخمین۔ ابتدائے احوال میں حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو خواب میں دیکھا تھا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے اور اس واقع کو اپنے خواجہ بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی دن سے مسائل کلامیہ میں ہر مسئلہ میں آپ کی رائے علیحدہ اور حکم جُدا ہے۔ لیکن مسائل میں مشائخ ماتریدہ سے موافقت رکھتے ہیں اور فلسفہ کے ردّ کرنے اور اہل فلسفہ کی مذمت اور بُرائی کیبیان کرنے اور ان مُلحدوں اور زندیقوں کی تردید میں جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اور بعض ان فقہی احکام کے بیان میں جو نماز سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور طریقہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنّت کی متابعت کو لازم پکڑنے کے بیان میں۔ اور سماع و سرود

[1] مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے بیمار پرسی سنت ہے جبکہ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی ہو اور اگر نہ ہو تو پھر واجب ہے۔ ۱۲

سننے اور قاصّوں یعنی ناچنے اور گانیوالوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

رَبِّ یَسِّرۡ وَلَا تُعَسِّرۡ وَ تَمِّمۡ بِالۡخَیۡرِ ط اے رب کام آسان کر، مشکل نہ کر اور خیریّت سے مکمل فرما۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد اپنے بزرگ مخدوم زادوں کی جناب میں عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ فقیر نے اس طریق میں الف و بے کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور اندراج النہایت فی البدایت کی دولت ان کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے۔ اور سور در وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کی طفیل ایا ہے۔ ان کی شریف توجہ نے اس نا قابل کو دو اڑھائی ماہ کے عرصہ میں نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان بزرگواروں کا حضور خاص عطا فرمایا۔ اور وہ تجلیات اور ظہورات اور انوار اور رنگ اور بے رنگیاں اور بے کیفیتیاں جو ان کی طفیل اس عرصہ میں ظاہر ہوئیں شرح وتفصیل سے باہر ہیں۔ اور ان کی بزرگ توجہ کی برکت سے معارف توحید اور اتحاد اور قرب ومعیّت اور احاطہ اور سریان میں شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہوگا جو اس فقیر پر نہ کھلا ہو۔ اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ دی ہو۔ وحدت کا کثرت میں اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقامات اور مبادی میں سے ہے۔

غرض جہاں نسبت نقشبندیہ اور ان بزرگواروں کا حضور خاص ہے وہاں ان معارف کا زبان پر لانا اور اس شہود ومشاہدہ کا نشان بتانا نادانی ہے۔

ان بزرگواروں کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر زرّاق (مکّار) اور ہر رقّاص (ناچنے والے) کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس قسم کے بلند درجے والی دولت جناب کے حضور سے اس فقیر کو ملی ہو، تو پھر اس کے عوض اگر تمام عمر کے لیے اپنے سر کو جناب کی بلند درگاہ کے خادموں کے پامال کرتا رہے تو بھی جناب کا حق ادا نہ ہو سکے۔ یہ فقیر اپنی تقصیروں کو کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے اللہ تمہاری ہماری طرف سے معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو جزائے خیر دے جنہوں نے ہم کم ہمتوں کا بار شفقت اپنے ذمّے لے کر کمر ہمت کو بلند بارگاہ کی خدمت کے لیے باندھا ہے۔ اور ہم دُور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ہوا ہے ؎

گر برتن من شود زبان ہر موے
یک شکر تو از ہزار نتو انم کرد!

اگر میرے جسم کا ہر بال زبان بن جائے تب بھی ہزار شکر سے ایک بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں یعنی خواجہ بزرگوار کی قدم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ اخیر دفعہ حضور

نے اس فقیر کو فرمایا کہ بدن کی کمال کمزوری مجھ پر غالب آ گئی ہے اور زندگی کی امید کم ہے۔ بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا۔ اور اسی وقت اپنے حضور میں آپ کو بلایا۔ اور اپ اس وقت دائیوں کی گود میں تھے یعنی دودھ پیتے بچے تھے۔ اور فقیر کو فرمایا کہ ان کی طرف توجہ کرو۔ فقیر نے حکم کے بموجب حضور کی خدمت میں آپ کی طرف توجہ کی حتی کہ اس توجہ کا اثر بھی اُسی وقت ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی ماؤں کے لیے بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے موافق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضور کی برکت سے اس توجہ سے کئی قسم کے فائدے اور نتیجے حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز تصور نہ کریں کہ حضور کے کسی واجب الامتثال امر اور حضور کی وصیت لازمہ میں کسی قسم کی سُستی یا غفلت واقع ہوئی ہو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ کے اور اذن کا منتظر ہے۔

اب چند فقرے نصیحت کے طور پر لکھے جاتے ہیں' امید ہے کہ گوش ہوش سے سنیں گے:

اَسْعَدَکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ ۔ خدائے تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے۔ عقلمندوں پر سب سے اوّل فرض ہے کہ اپنے عقائد کو علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (جو فرقہ ناجیہ ہیں) کے عقائد کے موافق درست کریں۔ بعض ان عقائد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن میں قدرے پوشیدگی ہے۔

عقیدہ اوّل:

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ خود موجود ہے۔ اور تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی' کوئی بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ مشارکت اسمی اور مناسب لفظی بحث سے خارج ہے۔

عقیدہ دوم:

اللہ تعالیٰ کے صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بیچوں اور بیچگون ہیں۔ اور ممکنات کے صفات و افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفت العلم حق تعالیٰ کی ایک صفت قدیم اور بسیط حقیقی ہے جس میں تکثر اور تعدّد کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ اگرچہ وتکثر اور تعدّد تعلقات کے تعدّد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں صرف ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ جس سے ازل و ابد کے معلومات منکشف ہوتے ہیں' اور تمام اشیاء کو ان کے متضادہ اور متناسبہ احوال کے ساتھ کلّی اور جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوصہ اوقات میں آنِ واحد بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی آن میں زید کو موجود بھی جانا ہے اور معدوم بھی اور جنین بھی جانا ہے اور بچہ بھی۔ اور جوان بھی جانا ہے اور بوڑھا بھی۔ اور زندہ بھی جانا ہے اور مردہ بھی۔ اور کھڑا ہوا جانا ہے اور بیٹھا ہوا بھی۔ اور تکیہ لگانے والا جانا ہے اور لیٹا ہوا بھی۔ اور ہنستا ہوا جانا ہے اور روتا ہوا بھی۔ اور لذت پانے والا جانا ہے اور رنج و دکھ پانے والا بھی۔ اور عزیز جانا ہے اور ذلیل بھی۔ اور برزخ میں جانا ہے اور حشر میں بھی۔ اور جنت میں جانا ہے اور لذت و نعمت میں بھی۔ پس تعلق تعدد بھی اس موطن میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعلقات کا تعدد وقتوں کا تعدد اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے۔ اور وہاں

ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے۔ جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر زمانہ اور تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس حق تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہوگا جو تمام مخلوقات کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے۔ اور صفت العلم کی طرح بیچوں وبیچگونہ ہے۔

ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دُور اور بعید ہونے) کو ایک مثال بیان کر کے دور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف قسموں اور متغائرہ احوال اور متضادہ اعتباروں کے ساتھ جان لے۔ یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی اور ثلاثی بھی اور رباعی بھی اور معرب بھی اور متمکن بھی اور غیر متمکن بھی اور منصرف بھی اور غیر مصرف بھی اور معرفہ بھی اور ماضی بھی اور مستقبل بھی اور امر بھی اور نہی بھی جان لے۔ بلکہ اگر وہ شخص یوں کہدے کہ میں کلمہ کے تمام اقسام اور اعتبارات کو کلمہ کے آئینے میں ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھتا ہوں تو بھی جائز ہے۔ جب ممکن کے علم بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب الوجود وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس جگہ اگرچہ بظاہر جمع ضدین ہے۔ مگر حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت مفقود ہے کیونکہ ہر چند زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال ھ کے بعد ہے اور اس کے عدم سابق کا وقت اس سال معین سے پہلے اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ پس حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانہ کے تغیر کے باعث کوئی ضدیت نہیں ہے۔ اور باقی احوال کو بھی اسی قیاس پر سمجھنا چاہیئے۔ فافہم:

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ جزئیات کے ساتھ متعلق ہو۔ لیکن تغیر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی۔ اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فلاسفہ نے زعم کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے۔ جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو۔ اور جب سب کو آن واحد میں جان لے۔ تو پھر تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس کے واسطے تعلقات متعددہ ثابت کریں تا کہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف جیسے کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب میں تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح کلام بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا ہے۔ اگر امر ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر اعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ ہے۔ اور اگر استعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اور اگر تمنی یا ترجی ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل شدہ کتابیں اور مُرسلہ صحیفے اس کلام بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر توریت ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے۔ اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے۔ اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔ ع

واللہ کلام حق کہ علی الحق یکیست وبس

واللہ درحقیقت ایک ہی کلام ہے۔ بس۔

ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے۔ اور اسی ایک فعل کے ذریعے اوّلین آخرین مصنوعات وجود میں آرہے ہیں۔ آیت کریمہ:

وَمَآ اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہمارا امر صرف ایک ہی ہے

میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اگر احیا اور اماتت ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے۔ اور اگر انعام یا ایلام ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے۔ اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا اعدام تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعدّد تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اوّلین وآخرین مخلوقات اپنے اپنے وجود کے مخصوصہ اوقات میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بیچون وبیچگونہ ہے کیونکہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں:

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاهُ ۔ پادشاہ کے عطیوں کو اُسی کے اُونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

اشعری [2] نے چونکہ حق تعالیٰ کے فعل کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی۔ اس لیے تکوین کو حادث کہہ دیا۔ اور حق تعالیٰ کے افعال کو بھی حادث جان لیا۔ اور نہ جانا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے ازلی فعل کے آثار ہیں نہ کہ حق تعالیٰ کے افعال۔

اور بعض صوفیہ نے جو تجلّی افعال ثابت کی ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینہ میں اس واحد جل شانہٗ کے فعل کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔ وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یعنی وہ تجلی درحقیقت حق تعالیٰ کے فعل کے آثار کی تجلّی ہے نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلّی کیونکہ حق تعالیٰ کے فعل کے جو بیچون اور بیچگون اور قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قایم ہے اور جس کو کہ تکوین کہتے ہیں۔ محدثات کے آئینوں میں کوئی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظہروں میں اس کا کوئی ظہور نہیں۔

---

[1] سورہ قمر پارہ ۲۷۔

[2] یعنی امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ جو علم کلام کے امام ہوئے ہیں۔

درگنگائے صورت معنی چگو نہ گنجد
در کلبۂ گدایاں سلطاں چہ کاردارد

صورت کے تنگ مقام میں معنی کیسے سما سکتا ہے۔ گداگروں کی کٹیا میں بادشاہوں کا کیا کام۔

افعال وصفات کی تجلّی فقیر کے نزدیک ذات کی تجلّی کے سوا متصوّر نہیں ہے۔ کیونکہ افعال وصفات حق تعالیٰ اور تقدس کی ذات پاک سے الگ نہیں ہیں۔ تا کہ ان کی تجلّی ذات کی تجلّی کے سوا متصور ہو سکے۔ اور وہ چیز جو حق تعالیٰ کی ذات سے الگ ہے وہ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظلال ہیں۔ جن کی تجلّی کو افعال وصفات کے ظلال کی تجلّی کہنا چاہیے نہ کہ افعال وصفات کی تجلّی۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس کمال تک نہیں پہنچ سکتا:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

عقیدہ تیسرا:

اب ہم اصلی بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی چیز اُس میں حلول کرتی ہے۔ اور حق تعالیٰ تمام اشیا کو محیط ہے اور ان کے ساتھ قرب ومعیّت رکھتا ہے۔ اس احاطہ اور قرب اور معیّت سے وہ مراد نہیں ہے جو ہمارے فہم قاصر میں آ سکے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی جناب پاک کے لائق نہیں۔ اور جو کچھ کشف وشہود سے معلوم کرتے ہیں۔ اس سے بھی منزّہ اور پاک ہے کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات وصفات و افعال کی حقیقت سے سوائے نادانی اور حیرت کے کچھ حاصل نہیں ہے۔ غیب کے ساتھ ایمان لانا چاہیے۔ اور جو کچھ مکشوف ومشہود ہو اُس کا لا کی نفی کے نیچے لانا چاہیے۔

عنقا شکار کس نشود دام بازچیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عنقا کسی کے شکار میں نہیں آ سکتا لہٰذا جال سمیٹ لے۔ کیونکہ یہاں جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

حضرت ایشاں یعنی خواجہ صاحب بزرگوار کی مثنوی کا یہ بیت اس مقام کے مناسب ہے۔

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

ابھی بے نیازی کا محل بہت اُونچا ہے اور مجھے وہاں پہنچنے کی فکر سے نفرت ہے۔

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیا کو محیط اور ان کے قریب اور ساتھ ہے۔ لیکن اس کے قرب اور

احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے۔ اس کو احاطہ و قرب علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے۔ لیکن ہم ان کی تاویل کے قائل نہیں۔

عقیدہ چوتھا:

اور حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے اور جو کچھ کہ صوفیہ کی بعض عبارات سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ ان کی مُراد کے برخلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم گزرتا ہے۔ یعنی اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ سے یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ کہ یہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ کفر اور زندقہ ہے:

تَعَالَى اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ط — اللہ تعالیٰ ظالموں کے وہم و گمان سے بہتر برتر و بلند ہے۔

حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں حق ہوں۔ بلکہ یہ ہیں کہ میں نہیں ہوں اور موجود ہے اور تغیر و تبدل کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال کی طرف راہ نہیں ہے۔

فَسُبْحَانَ الَّذِىْ لَا يَتَغَيَّرُ بِذَاتِهٖ وَلَا بِصِفَاتِهٖ وَلَا فِىْ اَفْعَالِهٖ بِحُدُوْثِ الْاَكْوَانِ ۔ — پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات و صفات و افعال میں موجودات کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتی۔

اور صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلاتِ خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کفر و گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو حق تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں اعتبار کیا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں تغیر و تبدّل رہ پائے۔

عقیدہ پانچواں:

اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بھی غنی مطلق ہے۔ اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ اور بعض صوفیہ کی عبارت سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اسمائی اور صفاتی ظہور میں ہمارا محتاج ہے یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے۔ بلکہ جانتا ہے کہ ان کی پیدائش سے مقصود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے۔ نہ وہ کمال جو حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف عاید ہو سکے۔ آیۃ کریمہ:

وَمَا[1] خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ اَیْ لِيَعْرَفُوْنِ — میں نے جن و انسان کو عبادت و معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔

میں اسی مطلب کی تائید ہے۔

پس جن وانسان کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔ نہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہٗ کی جناب کی طرف عاید ہو سکے۔ اور حدیث قدسی میں جو یہ واقع ہے۔

[2] فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ ۔ — میں نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ پہچانا جاؤں

اس جگہ یہی اُن کی معرفت مُراد ہے نہ یہ کہ میں معرفت بنوں اور ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ — اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی برتر ہے۔

عقیدہ چھٹا:

اور حق تعالیٰ نقصان کی تمام صفتوں اور حدوث کے نشانوں سے منزّہ اور مبّرا ہے نہ جسم وجسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی۔ اور صفات کمال اس کے لیے ثابت ہیں۔ جن میں سے آٹھ صفات کمال وجود ذات تعالیٰ پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ اور وہ صفات یہ ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادت، بصر، سمع کلام اور تکوین۔ اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں، اور یہ نہیں کہ وجود ذات پر علم میں وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ خارج میں نفس ذات تعالیٰ وتقدس ہے۔ جس طرح کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور اس طرح کہا ہے۔

از روئے عقل ہمہ غیر اند صفات
باذات تو ازروئے تحقق ہمہ عین

ازروئے عقل وعلم کے سب صفات غیر ہیں اور ازروئے تحقق سب ذات کی عین ہیں۔

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے۔ کیونکہ صفات کی نفی کرنے والوں یعنی معتزلہ اور فلاسفہ نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ علم کا مفہوم عین ذات کا مفہوم ہے یا عین قدرت وارادت کا مفہوم ہے۔ بلکہ عینیت اور اتحاد باعتبار وجود خارجی کے کہا ہے۔ پس جب تک وجود خارجی کا تغائر اعتبار نہ کریں صفات کی نفی کرنے والوں سے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ تغائر اعتبار کچھ نفع نہیں دیتا، كَمَا عَرَفْتَ

---

[1] سورۂ ذاریات، پارہ ۲۷

[2] حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے معنی بالکل صحیح ہیں۔

عقیدہ ساتواں:

اور حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے۔ اور اس کے سوا کسی کے لیے قدم اور ازلیت ثابت نہیں ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ کے ماسوا قدیم اور ازلی ہونے کا قائل ہوا ہے وہ کافر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سینا اور فارابی کی تکفیر اسی واسطے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کے قدم کے قائل ہوئے ہیں اور صورت اور ہیولیٰ کے قدیم ہونے کا گمان کیا ہے۔ اور آسمانوں کی بمع اُن اشیا کے جو ان میں ہیں قدیم سمجھا ہے۔

اور ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کاملین کے ارواح کے قدم کا قائل ہوا ہے۔ اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر محمول کرنا چاہیے۔ تاکہ اہلِ ملّت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ آٹھواں:

اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ اور ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ فلاسفہ بے خرد نے کمال کو ایجاب میں جان کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کرے کے ایجاب کو ثابت کیا ہے اور ان بے وقوفوں نے اس واجب الوجود کو معطّل و بے کار سمجھا ہے۔ اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجات سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے صادر ہوا ہوا نہیں جانا ہے اور حوادث کے وجود کو عقل فعال کی طرف نسبت دی ہے۔ جس کا وجود ان کے وہم کے سوا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ اضطراب و اضطرار کے وقت عقل فعال کی طرف التجا کرتے۔ اور حضرت حق سُبحانہٗ کی طرف رجوع نہ کرتے۔ کیونکہ حوادث کے وجود میں اس کا کچھ دخل نہیں جانتے' اور کہتے ہیں کہ صرف عقل فعال ہی حوادث کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ فعال کی طرف بھی ان کا رجوع نہیں۔ کیونکہ ان کی بلیات کے دفع کرنے میں اس کا بھی کچھ اختیار نہیں ہے یہ بد بخت اپنی نادانی اور بے وقوفی کے باعث فقرہ ضالہ یعنی گمراہ فرقوں کے پیش رو ہیں۔ حالانکہ کافر بھی ان بد بختوں کے برخلاف حق تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور بلیّات کا دفع کرنا اسی سے طلب کرتے ہیں ان بد بختوں میں یہ نسبت اور تمام فرقوں کے دو چیزیں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ احکام منزّلہ کا کفر اور انکار کرتے۔ اور اخبار مرسلہ کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے بیہودہ اور واہی مطالب اور مقاصد کے ثابت کرنے میں جس قدر اُن کو خبط لاحق ہوا ہے' اور کسی بے وقوف کو اس قدر لاحق نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بے قرار اور سرگرداں ہیں۔ ان کا مدار کار ان کی اپنی حرکات اور اوضاع پر رکھا ہے۔ اور آسمان کے خالق اور ستاروں کے موجد اور محرک اور مدبّر کی طرف سے آنکھیں بند کی ہیں۔ اور دُور از معاملہ سمجھے

ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی بخیر واور بے وقوف ہیں۔ اور ان میں سے زیادہ کمینہ اور بیوقوف اور احمق وہ شخص ہے جو ان کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ ان کے مُتَّسِق اور منتظم یعنی مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے جو محض لایعنی اور بے ہودہ اور لاطائل ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویہ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا کس کام آئے گا اور شکل عروسی اور مامونی جو ان کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے۔ کس غرض کے لیے ہے۔

علم طب و نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے تمام علوم میں سے بہتر علم ہے۔ گزشتہ انبیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چُرا کر اپنے باطل اور بیہودہ علوم کی رائج کیا ہے' جیسے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اَلْمُنقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس امر کی تشریح اور تصریح کی ہے۔

اہل ملّت اور انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے تابعدار اگر دلائل اور براہین میں غلطی کریں تو کچھ ڈر نہیں۔ کیونکہ ان کے کام کا مدار انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے اور اپنے مطالب عالیہ کے ثبوت کے لیے دلائل اور براہین کو صرف تبرع کے طور پر لاتے ہیں۔ یہی تقلید اُن کے لیے کافی ہے برخلاف ان بدبختوں کے جو تقلید سے نکل کر صرف دلائل کے ساتھ اپنے مطالب کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے ہیں۔ ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو جو ان بدبختوں کا رئیس ہے' پہنچی۔ تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ:

نَحْنُ قَوْمٌ مُّعْتَدُوْنَ لَا حَاجَةَ بِنَا اِلٰی مَنْ یَّهْدِیْنَا ۔ ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دیوے۔

اس بیوقوف کو چاہیے تھا کہ ایسے شخص کو جو مردوں کو زندہ کرتا' اور مادر زاد اندھوں' اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہے۔ جو ان کی حکمت کے طور سے خارج ہے۔ پہلے دیکھتا اور اس کے حالات کو دریافت کرتا۔ اور پھر جواب دیتا۔ بن دیکھے اس کا جواب دینا اس کی کمال عداوت اور کمینہ پن ہے۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کلّ آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کُلّ حکمِ اکثر است

فلسفہ کا اکثر حصہ جب بے قوفی اور اور سفاہت کی باتوں پر مشتمل ہے تو وہ سارا ہی اسی طرح ہے کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہے۔

نَجّٰنَا اللّٰهُ عَنْ مُّعْتَقَدَاتِهِمُ السُّوْءِ ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے بُرے عقائد سے بچائے۔

فرزندی محمد معصوم نے انہی دنوں میں جواہر' شرح موافقت کو تمام کیا ہے اثنا سے سبق میں ان بیوقوفوں کی بڑی بڑی قباحتیں ظاہر ہوئیں اور بہت سے فائدے ان پر مترتب ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو ہدایت دی اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے ہیں۔

اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں۔ اور قدرت کے معنی میں فلسفہ کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔ یعنی ترک کی صحت قادر سے تجویز نہیں کرتا۔ اور فعل کی جانب کو لازم جانتا ہے۔ عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولوں میں سے نظر آتا ہے۔ اور اس کے اکثر علوم جو آرائے اہل حق کے مخالف ہیں خطا اور ناصواب ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید خطاء کشفی کے باعث اس کو معذور رکھا ہے۔ اور خطائے اجتہادی کی طرح ملامت کو اس سے ہٹا رکھا ہے۔

شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد خاص بھی یہی ہے کہ اس کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور اس کے مخالف علوم کو خطا اور مضر دیکھتا ہے۔

اس طائفہ میں سے بعض لوگ شیخ کو طعن و ملامت بھی کرتے ہیں اور اس کے علوم کو بھی خطا پر جانتے ہیں اور بعض لوگ شیخ کی تقلید اختیار کر کے اس کے تمام علوم کو بہتر اور صواب جانتے ہیں اور ان علوم کی حقیقت کو دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ ان دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کا رستہ اختیار کیا ہے۔ اور راہ اعتدال سے دور رہے ہیں۔ شیخ کو جو مقبول اولیا میں سے ہے خطائے کشفی کے باعث کس طرح ردّ کیا جائے۔ اور اس کے علوم کو جو صواب سے دُور اور اہل حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید سے کس طرح قبول کئے جائیں:

فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِیْ وَفَّقَنِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ۔

پس حق یہی درمیانی راہ ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بخشی ہے۔

ہاں مسئلہ وحدت وجود میں اسی گروہ میں سے ایک جم غفیر یعنی بہت سے لوگ شیخ کے ساتھ شریک ہیں۔ اگرچہ شیخ اس مسئلہ میں بھی طرز خاص رکھتا ہے۔ لیکن اصل بات میں سب کے سب باہم شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ بظاہر اہل حق کے مخالف ہے۔ لیکن توجہ کے قابل اور جمع کے لائق ہے۔

اس فقیر نے اللہ تعالیٰ کی عنایت سے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باللہ صاحب) قدس سرہٗ کی رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے معتقدات کے ساتھ جمع کیا ہے اور فریقین کی نزاع کو لفظ کی طرف راجع کیا ہے۔ اور دونوں طرف کے شکوک اور شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اُس میں کوئی شک و شبہ کا محل نہیں رہا:

كَمَا لَا يَخْفٰى عَلَى النَّاظِرِ فِيْهِ۔

جیسے کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔

عقیدہ نواں:

جاننا چاہیے کہ ممکنات کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا افلاک اور کیا عناصر سب کے سب اس قادر مختار کی ایجاد کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم کی پوشیدگی سے وجود میں لایا ہے۔ اور جس طرح یہ سب چیزیں اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں۔ اسی طرح بقا میں بھی اس کی محتاج ہیں۔ اور اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔ اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے۔ اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ دانا لوگ جن کی بصیرت کی آنکھ انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے سُرمہ سے سُرمگیں اور روشن ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اسباب ووسائل جو اپنے وجود اور بقا میں حق تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اور اپنا ثبوت وقیام اسی سے اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں جماد محض ہیں۔ وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی انہی کی طرح جماد محض ہے تاثیر کر سکتے ہیں۔ اور اس میں اختراع واحداث کس طرح پیدا کر سکتے ہیں' ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے سوا او قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا اور ہر ایک کے لائق اور مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے۔ اور جس طرح کہ عقل مند جماد محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کی طرف سُراغ لے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں' کہ یہ فعل اس جماد کے حال کے مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سوا کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے۔ پس جماد کا فعل عقل مندوں کے نزدیک فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اس کی جمادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے اس کا وہ فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلیل ہے۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔ ہاں اس بیوقوف کے فعل میں جماد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہے' جس نے اپنی کمال نادانی اور بیوقوفی کے باعث جماد محض کو اس فعل کے سبب صاحب قدرت سمجھا ہے اور فاعل حقیقی کی طرف سے کافر اور منکر ہوا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ط بہت کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت کو اس سے ہدایت دیتا ہے۔

یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ لیکن ہر ایک شخص کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا۔ اکثر لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں جانتے ہیں اور اشیا کو ابتدا ہی سے اسباب کے ذریعہ کے بغیر حضرت حق سبحانہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع ہونا ہے جس کے ضمن مین بہت سی مصلحتیں مدنظر ہیں:

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ط اے رب ہمارے تو نے اس کو باطل پیدا نہیں کیا۔

انبیائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر اور کام

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدنظری کا لحاظ کر کے اپنے بیٹوں کو فرمایا:

[1] یَا بَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط

اے میرے بیٹو ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا' بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق جل سلطانہٗ کے سپرد کر کے فرمایا:

مَآ اُغْنِیْ [2] عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ' عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَ عَلَیْهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ○

میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بے پرواہ نہیں کرتا حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنیوالے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو اس معرفت کو پسند فرمایا۔ اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا ہے:

وَ [3] اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○

اور بے شک بہت ہی صاحب علم تھا' اس لیے کہ ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بھی قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر ﷺ کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اے نبیؐ تجھے اللہ اور تابعدار مومن کافی ہیں۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر' ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں پیدا نہ کرے اور کوئی اثر ان پر مترتب نہ ہو۔ جیسے کہ ہم روزمرّہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کے وجود مترتب ہوتے ہیں۔ اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار کرنا مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیے اور اسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔

---

[1] سورۂ یوسف' پارہ ۱۳ [2] سورۂ یوسف' پارہ ۱۳ [3] سورۂ یوسف' پارہ ۱۳

حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مدّ نظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سُپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ میں نے اسی پر توکل کیا اور توکل کرنیوالے اسی پر توکل کرتے ہیں۔

عقیدہ دسواں:

اور حق تعالیٰ خیر وشر کا ارادہ کرنے والا اور ان دونوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ہے۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا دقیق فرق ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہل سنّت و جماعت کو ہدایت فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کی ہدایت نہ پانے کے باعث گمراہ ہو گئے۔

معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیخ محی الدین اور اُن کے متبعین کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان اور اعمالِ صالحہ اسم الہادی کے پسندیدہ ہیں۔ اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم المضل کے پسندیدہ ہیں۔

یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی طرف میلان رکھتی ہے، جو رضا کا منشا ہے۔ جس طرح کہیں کہ اشراق واضاءت آفتاب کی پسندیدہ ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں کو قدرت وارادہ دیا ہے کہ اپنے اختیار سے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ اور افعال کا پیدا کرنا حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ پہلے بندہ اپنے فعل کا قصد کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے قصد واختیار سے صادر ہوتا ہے۔ اس لیے مدح وذم اور ثواب وعذاب بھی اسی کے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ بندے کا اختیار ضعیف ہے۔ تو بجا ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں کافی نہیں ہے، تو صحیح نہیں ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَا يُكَلِّفُ بِمَا لَيْسَ فِيْ وُسْعِهٖ بَلْ يُرِيْدُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ الْعُسْرَ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل کے لیے تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ تو آسانی ہی چاہتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا۔

غرض یہ کہ فعل موقت یعنی چند روزہ فعل پر ہمیشہ کی جزا کا مقرر کرنا حق تعالیٰ عزیز وحکیم کی تقدیر کے حوالہ ہے۔ جس نے کفر موقت کے لیے ہمیشہ کا عذاب برابر برابر جزا فرمائی۔ اور دائمی لذت ونعمت کو ایمان موقت پر وابستہ کیا۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ط

حق تعالیٰ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ کی نسبت (جو ظاہری اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور جس کی پاک بارگاہ کے لیے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے) کفر اختیار کرنے کے لیے جزا بھی ایسی ہونی چاہیے جو تمام عذابوں سے بڑھ کر ہو۔ اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے اور ایسے ہی اس منعم بزرگ پر غیب کے ساتھ ایمان لانے اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لیے جزا بھی ویسی ہونی چاہیے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اور وہ ناز و نعمت و لذت میں ہمیشہ رہنا ہے۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت حق تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اور ایمان کے ساتھ اس کو وابستہ کرنا اس لیے ہے کہ جو کچھ اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

فقیر کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے لیکن ایمان حق تعالیٰ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے۔ اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر منحصر ہے۔ اور کفر نفس امارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے:

مَا[1] اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط

جو تجھے نیکی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے تو وہ تیرے نفس سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان کے ساتھ وابستہ کرنے میں درحقیقت ایمان کی تعظیم ہے۔ بلکہ مومن بہ کی تعظیم ہے۔ جس پر اتنا بڑا اعظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے۔ اور ایسے ہی دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ کفر کی حقارت اور اس ذات بزرگ کی کہ جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا ہے فضیلت ہے۔ جس پر ایسا ہمیشہ کا عذاب مترتب ہوا ہے۔ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے جو اس دقیقہ سے خالی ہے۔ اور نیز ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل ہونے کے لیے جو اس کا عدیل ہے کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا درحقیقت کفر پر موقوف ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَلْمُلْهِمُ هٰذَا۔

عقیدہ گیارھواں:

اور آخرت میں مومن لوگ اللہ تعالیٰ کو بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اہل سنت و جماعت کے سوا تمام اہل ملت و غیر اہل ملت فرقے منکر ہیں اور بے جہت اور بے کیف دیدار کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن عربی بھی دیدار آخرت کو تجلی صورت کی حالت میں بیان کرتا ہے۔ اور تجلی صوری کے سوا تجویز نہیں کرتا۔

ایک دن حضرت ایشاں قدس سرہٗ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ دیدار کو تنزیہ کے مرتبہ میں

---

[1] سورہ نساء پارہ ۵۔

ذات کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور دوسرے انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہٗ علی نبینا وعلیہم کے لیے اس اطلاق کو جائز نہیں رکھے۔ حالاں کہ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دونوں گروہوں کے لیے درمیان میں حائل ہونا ثابت اور موجود ہے۔

جواب: اس اطلاق کا کامل پیروکاروں کے حق میں جائز ہونا تابع ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکہ نبی کا واسطہ اس اطلاق کے منافی نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں اگر یہ اطلاق جائز ہو تو باعتبار اصالت کے ہوگا۔ کیونکہ یہ بزرگ بلاواسطہ منازل طے کر کے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس تک پہنچے ہیں۔ اور شک نہیں کہ اصالت کی صورت میں واسطہ کا موجود ہونا اس اطلاق کے منافی ہوگا۔ لہٰذا فرق واضح ہوگا

جاننا چاہیے کہ پہلے انبیاء کرام اور اس امت کے کامل پیروکاروں علی نبینا وعلیہم وعلیٰ امہم الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے درمیان اصالت اور تبعیت کا فرق انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی افضلیت کا موجب ہے۔ کیونکہ اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور تابع طفیلی۔ اگرچہ پیروکاروں پر وصل عریان اور تجلی ذات کا اطلاق صحیح ہے۔ اور متبوع حضرات میں یہ اطلاق درست نہیں لیکن طفیلی کی کیا حیثیت کہ مقصودی کے ساتھ مساوات اور برابری رکھائے۔ طفیلی کو مساوات کیسے میسر آسکتی ہے۔ کیونکہ قرب حق کی دولت اصل کے لیے اتم اور اکمل طریقہ پر ہے۔ اور تابع میں اسم اور رسم کے طور پر۔ لیکن اس قدر ہے کہ یہ مناسبت تشبیہ کو صحیح کر دیتی ہے۔ اور تابع کو متبوع کی مانند کر دیتی ہے۔ اسی لیے خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح قرار دیا۔ پس اس بیان سے لازم آیا کہ اس اُمت کے اولیاء کے لیے تجلی ذات کا حصول انبیاء پر جو تجلی ذات نہیں رکھتے' فضیلت کا وہم پیدا نہیں ہوتا۔ اس کو سمجھو کہ قدموں کے پھسلنے کا مقام ہے۔ اور انصاف سے کام لو۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے ان علوم کے ساتھ بصدقہ اپنے حبیب پاک حضرت محمد علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اسی بندے کو مخصوص فرمایا ہے۔

سوال: یہ بات طے شدہ ہے کہ آفرینش کائنات سے مقصود حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات مقدسہ ہے۔ دوسرے سب نفس وجود اور حصول کمالات میں آپ کے طفیل ہیں اور آپ کی پیروی کی وجہ سے درجات علیا تک پہنچتے ہیں۔ اسی بناء پر قیامت کے دن حضرت آدم اور تمام دوسرے علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور تو نے کہا ہے کہ دولت وصول دوسرے انبیاء کو علی نبینا علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بطریق اصالت ہے نہ بطریق تبعیت۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: جس طرح حضرت محمد الرسول ﷺ کے لیے حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف اپنی حقیقت سے ایک راہ ہے اسی طرح دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے لیے بھی حضرت ذات تعالیٰ شانہٗ کی طرف

اپنی حقیقتوں سے راہیں ہیں۔اس وصول میں تابع ہونے کا معنی ملحوظ نہیں ہے۔بخلاف امیوں کے کہ انبیاء کی پیروی کے ذریعہ اپنی حقائق کی راہ سے جوان میں ہر ایک کی استعداد کے مناسب ہے' مطلب تک پہنچتے ہیں۔اُمتیوں کے حق میں اصالت مفقود ہے۔غایۃ مافی الباب جبکہ دوسروں کا وصل اگرچہ باصالت ہو وصل عریانی نہیں ہے۔کیونکہ حقیقت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ایک باریک بال کی مانند درمیان میں حائل اور مطلوب ہیں۔ اس لیے بہرصورت پہلا جو پہنچتا ہے۔وہ اس حقیقت سے متصل ہوتا ہے۔اس کے بعد آپ کے توسط سے دوسروں کو پہنچتا ہے۔اور تبعیت کے معنی ہی توسط کا حصول ہے۔لہٰذا وہ اصالت اس تبعیت کے ساتھ کچھ مخالفت نہیں رکھتی۔اچھی طرح جاننا چاہیے کہ وہ تبعیت جو امتیوں کے متعلق کی گئی ہے اس تبعیت کا غیر ہے جو اصالت کے منافی ہے۔جس طرح پہلے کئی بار مذکورہ ہوا ہے۔لہٰذا دونوں کے درمیان فرق ہو گیا۔

اگر یہ سوال کریں کہ مراتب عروج میں صفۃ الحیاۃ سے بھی کاملین کو حصہ ملتا ہے یا نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ ضرور حصہ ملتا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔نہایت پر پہنچ کر یہ صفت حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے لیے لاشے اور نابود ہو جاتی ہے۔اور کاملین کو مقام محو اور لاشے سے کیا حصہ ملتا ہے۔حالاں کہ تو نے کہا ہے کہ حقائق کے تعینات کے لیے عینی نابود ہونا نہیں ہے۔اگر ہے تو صرف نظری ہے کیونکہ اضمحلال (نابود ہونا) عینی کا قول الحاد اور بے دینی تک لے جاتا ہے۔

جواب: اضمحلال عینی کی کیا ضرورت ہے۔اضمحلال نظری ہی کافی ہے۔اگر اس اضمحلال (نیست ہو جانے) میں مختلف مراتب ہیں۔اسے سمجھ لو۔اور اللہ سبحانہٗ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔اور ان پر سلامتی کا نزول ہوتا ہے' جو ہدایت کے پیروکار اور متابعت مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات امتہا واکملہا کی پابندی کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۹۵)

حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

نظر برقدم' ہوش دردم' سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے بیان میں جو اس بلند طریقہ نقش بندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا کے قواعد مقررہ سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا کے اصول مقررہ میں سے ایک نظر برقدم ہے۔نظر برقدم سے یہ مراد نہیں کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے۔اور قدم سے آگے اُوپر نہ اُٹھے۔کیونکہ یہ چیز خلاف واقع ہے۔بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر ہمیشہ سے اوپر رہے۔اور قدم اس کے پیچھے آئے کیونکہ بند زینوں کے اُوپر چڑھتے وقت پہلے نظر ان بلند زینوں پر پڑھتی ہے پھر قدم نظر کے مقام تک پہنچتا ہے۔پھر اس سے اُوپر کے زینہ پر پڑتا

ہے۔اور قدم نظر کی پیروی میں بلندی کی طرف چڑھتا ہے۔اس کے بعد پھر نظر اس مقام سے اُوپر کو ترقی کرتی ہے۔علیٰ ھٰذا القیاس۔

اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ نظر کو چاہیے کہ اس مقام سے ترقی نہ کرے۔ جہاں کے لیے گنجائش نہیں تو یہ بھی غیر واقع ہے۔ کیونکہ قدم پورا اٹھانے کے بعد اگر نظر تنہا نہ رہے تو بہت سے مراتب کمال فوت ہو جائیں گے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ:

قدم کی نہایت سالک کی استعداد کے نہایت مراتب تک ہوتی ہے۔ بلکہ اُس نبی کی نہایت استعداد تک جس کے قدم پر وہ سالک ہے۔لیکن پہلا قدم باصالت ہوتا ہے اور دوسرا قدم اس نبی کی پیروی میں۔لیکن ان دو استعداد کے مراتب سے اوپر اس کا قدم نہیں جا سکتا۔لیکن نظر جا سکتی ہے۔اور یہ نظر جب تیزی پیدا کرتی ہے' تو اس کا منتہیٰ اس نبی کی نظر کے مراتب کی نہایت ہوتی ہے۔علیہ وعلیٰ آلہ الصلواۃ والتسلیمات جس کے قدم پر وہ سالک ہے۔ کیونکہ کامل پیروکاروں کے لیے اس نبی کے تمام کمالات سے حصہ ملتا ہے۔لیکن مراتب استعداد کی نہایت تک جو سالک کی اصلت و تبعیت ہے' قدم اور نظر آپس میں موافقت رکھتے ہیں۔اس کے بعد قدم کوتاہ ہو جاتا ہے۔ اور اکیلی نظر ہی اوپر کو چڑھتی جاتی ہے۔اور اس نبی نظر کے مراتب نہایت تک ترقی کرتی ہے۔تو معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نظر بھی اُن کے اقدام سے اوپر صعود فرماتی ہے۔اور ان بزرگوں کے کامل پیروکاروں کو ان کی نظروں کے مقامات سے حصہ حاصل ہے۔جس طرح ان کے قدموں کے مقامات سے انہیں حصہ ملتا ہے۔اور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے قدم مبارک کے اوپر مقام رویت ہے۔جس کا دوسروں کے لیے آخرت میں وعدہ ہے۔جو کچھ دوسروں کے لیے اُدھار ہے آپ کے لیے نقد ہے۔آپ کے کامل پیروکاروں کے لیے بھی اس مقام سے حصہ حاصل ہے۔اگرچہ رویت نہیں ہے۔

فریاد[1] حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہست

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں اگر مراد یہ ہے کہ قدم کو چاہیے کہ نظر سے پیچھے نہ رہے اس طرح کہ کسی بھی طور پر کسی بھی وقت میں نظر کے مقام تک نہ پہنچے تو یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ یہ معنی ترقی کے مانع ہے۔اسی طرح اگر قدم اور نظر سے ظاہری قدم و نظر مراد ہوں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ راستے میں چلتے وقت نظر پراگندگی پیدا کرتی ہے۔اور رنگ برنگ محسوسات کے دیکھنے سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔اور اگر نظر کو قدم پر ہی روک کر رکھا جائے تو یہ بات دل جمعی کے پیدا ہونے کے بہت قریب ہے۔اور یہ مراد اس دوسرے کلمہ کے معنی کے

[1] حافظ کی یہ سب فریاد بے ہودہ نہیں ہے۔ بلکہ قصہ بھی غریب اور بات بھی عجیب ہے۔

مناسب ہے۔ جو اس کے ساتھ مذکور ہے۔ اور وہ کلمہ ہے۔ ہوش[1] در دم۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے۔ اور کلمہ اس پراگندگی کو دُور کرنے کے لیے ہے۔ جو انسان سے باہر کی چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور کلمہ ثانی اندرونی پراگندگی کو دور کرتا ہے۔ اور تیسرا کلمہ جو ان دو کلموں کے ساتھ ہے۔ سفر در وطن ہے۔ اور یہ انفس میں سیر سے عبارت ہے۔ جو نہایت کے بدایت میں اندراج کے حصول کا منشاء ہے جو اس بلند طریقہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگرچہ انفس میں سیر تمام طریقوں میں ہے۔ لیکن سیر آفاقی کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔ اور اس طریقہ میں آغاز ہی اس سیر سے ہوتا ہے۔ اور سیر آفاقی اس سیر کے ضمن میں درج ہے۔ اور اس اعتبار سے اگر اس بلند طریقہ میں بدایت کے نہایت میں درج ہونے کے متعلق کہیں تو بھی گنجائش ہے۔

اور چوتھا کلمہ جو ان تین کلمات کے ساتھ ہے۔ کلمۂ خلوت[2] در انجمن ہے۔ جب سفر در وطن میسر ہوتا ہے۔ تو لوگوں میں ہوتے ہوئے بھی خلوت خانہ وطن میں سفر جاری رہتا ہے۔ اور آفاق کی پراگندگی انفس کے حجرے کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ یہ بھی اس صورت میں ہوگا کہ انفس کے حجرے کے دروازے اور سوراخ بند کر دیے ہوں۔ پس چاہیے کہ انجمن میں متکلم اور مخاطب کی پراگندگی نہ ہو۔ اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور یہ تمام حیلے اور تکلفات ابتدائے سیر اور اس کے درمیان میں اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ سیر کی انتہا میں ان چیزوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایسا شخص عین پراگندگی میں صاحب جمعیت ہوتا ہے۔ اور عین غفلت میں اسے حضور دل کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ یہاں سے کوئی یہ گمان نہ کرے۔ کہ پراگندگی اور عدم پراگندگی منتہی کے حق میں دونوں ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ اس کی باطنی جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن سے جمع کرے اور ظاہر سے بھی پراگندگی کو دور کرے تو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ط اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو۔ اور سب سے کٹ کر اسی کے مکمل طور پر ہو جاؤ۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہری پراگندگی سے انسان بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ مخلوق کے حقوق بھی ادا

---

[1] ہوش در دم یہ ہے۔ کہ سالک جو سانس بھی لے چاہیے کہ حضور و آگاہی کے ساتھ ہو اور اس میں غفلت نہ ہو اور ایک سانس سے دوسرے سانس کی طرف منتقل ہونا بھی غفلت سے نہ ہو۔ بلکہ حضور کے ساتھ ہو یہیں سے بزرگ فرماتے ہیں۔ جو شخص سانس کی حفاظت نہ کرے۔ اس کا سانس ضائع اور بے مقصد ہے۔

[2] یعنی ظاہراً مخلوق کے ساتھ ہو اور باطناً حق سبحانہ کے ساتھ۔ بیت از درون شو آشنا و از برون بیگانہ وش ایں چنیں زیبا وش کم میں بود اندر جہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یعنی ایسے مرد ہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

کرنے پڑتے ہیں۔ پس ظاہری پراگندگی بھی بعض اوقات اچھی ہوتی ہے۔ لیکن باطنی پراگندگی کسی وقت بھی بہتر نہیں۔ کیونکہ باطن خالص حق سبحانہٗ کے لیے ہے۔ پس بندوں کے تین حصّے حق جل شانہٗ کے لیے مسلّم ہیں۔ باطن مکمل طور پر اور ظاہر سے نصف اللہ کے لیے ہے' اور ظاہر کا دوسرا نصف مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ہے۔ اور ان حقوق کے ادا کرنے میں' چونکہ حق سُبحانہٗ کے احکام کی فرمانبرداری ہے۔ لہٰذا یہ دوسرا نصف بھی خدائے تعالیٰ و تقدس کے حق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اسی کی طرف سب کام لوٹتے ہیں۔ پس اسی کو عبادت کرو۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۹۶)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ وبقاہٗ کی طرف صادر فرمایا:

واجب تعالیٰ جل وعلیٰ کی صفات کے بسیط ہونے اور اشیاء کے ساتھ ان کے تعدد و تعلق کی نفی کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ' وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ ط

اے عزیز جان (اللہ تجھے سعادت مند کرے) کہ واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کی صفات اس کی بلند ذات کی طرح بے مثل اور بے کیف ہیں۔ اور حقیقی بساطت پر ہیں۔ مثلاً ایک ہی انکشاف بسیط ہے۔ کہ تمام ازل وابد کی معلومات اس ایک انکشاف سے منکشف ہیں۔ اور ایک ہی بسیط قدرت کاملہ ہے۔ کہ اوّلین اور آخرین کے مقدورات اس کے وسیلے سے وجود میں آتے ہیں۔ اور ایک ہی بسیط کلام ہے۔ جس کے ساتھ ازل سے ابد تک کلام فرما رہا ہے۔ اسی طرح باقی صفاتِ حقیقہ بھی ہیں۔ اور وہ تعدد جو معلومات اور مقدورات کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے' وہ بھی اس مرتبہ میں مفقود ہے۔ تمام اشیاء حق سبحانہٗ کے علم میں ہیں۔ اور اس کی قدرت کے ماتحت ہیں۔ لیکن صفت علم اور صفت قدرت کو ان اشیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ معرفت عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ فلاسفہ ہرگز اس معنی کو جائز نہیں رکھتے اور محال جانتے ہیں۔ کہ اشیاء حق تعالیٰ جل شانہٗ کے علم میں ہیں اور اس کا علم ان سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح اشیا خدائے تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں۔ لیکن قدرت کا ان سے تعلق نہیں دیکھتے کہ اس مرتبہ میں ازل وابد آن حاضر کی طرح موجود نہیں۔ بلکہ وہ بھی اس سے زیادہ گنجائش نہیں رکھتے کہ انہیں شے کہ زیادہ قریب اور زیادہ موافق کے سوا اور الفاظ سے تعبیر کیا جاسکے اور ازل وابد کی موجودات اس آن حاضر میں موجود ہیں۔ اور اس آن حاضر میں زید کو معدوم بھی جانتا ہے۔ اور موجود بھی۔ اور پیٹ میں بھی جانتا ہے۔ اور بچپن کی حالت میں بھی اور جوان بھی جانتا ہے اور بوڑھا بھی اور زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی اور برزخ میں بھی جانتا ہے۔ اور حشر وحساب میں بھی۔ اور معلوم ہے کہ آن کو آن موجودات سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ اگر

---

۱ پارہ ۲۹' سورۃ مزمل شریف۔

تعلق پیدا کرے گا' تو آن کی وجہ سے پیدا ہوگا اور اس آن کا نام زمانہ پڑھے گا۔ اور ماضی واستقبال ہو جائے گا۔ پس یہ موجودات اس آن میں ثابت بھی ہیں۔ اور غیر ثابت بھی ہیں۔ تو اگر ایک ایسا بسیط حقیقی انکشاف ثابت کیا جائے۔ جسے معلومات میں سے کسی ایک سے بھی تعلق نہ ہو' اور تمام معلومات اس ایک انکشاف سے معلوم ہو جائیں۔ تو کون سے تعجب کی بات ہے کیونکہ اس مقام میں ضدّین کا جمع ہونا محال نہیں بلکہ ممکن ہے۔ کیونکہ ضدّین کے جمع ہونے کے لیے جمع ہونے کے لیے زمانے اور جہت کا اتحاد شرط ہے۔ اور یہاں زمانے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اللہ سُبحانہ پر زمانے کا گزر[1] نہیں ہوسکتا۔ اور جہت کا اتحاد بھی مفقود ہے۔ کیونکہ فرق اجمال اور تفصیل کا ہے جس طرح کلمہ کا مرتبہ میں کوئی شخص کے کہ کلمہ اسم بھی ہے' اور فعل وحرف بھی۔ حالاں کہ یہ تینوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ تمام کو اس مرتبہ میں آن واحد کے اندر میں متحد دیکھتا ہوں۔ اور میں منصرف کو عین غیر منصرف پاتا ہوں۔ اور مبنی کو عین معرب جانتا ہوں۔ اور وہ شخص یہ بھی کہے کہ اس جامعیت کے باوجود اس کلمے کو ان اقسام میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں۔ اور وہ ان سے بے نیاز ہے اور عقلمندوں میں سے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ اور اسے بعید نہیں جانتا۔ جس مسئلہ میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔

(اور اللہ ہی بلند صفت کا مالک ہے) کیوں بعید جانیں اور اس میں توقف کریں۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس طرح کی بات کسی نے نہیں کی۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اگر کسی نے نہیں کہی۔ تو کیا ہوا۔ جب کہ یہ بات دوسرے کے قول کے مخالف نہیں اور مرتبہ وجود کے بھی غیر مناسب نہیں۔

خربوزہ[1] بخور خُرابفالیز چہ کار

اس معرفت کی توضیح کے لیے مخلوقات میں سے وہ مثال دی جاسکتی ہے۔ جو بیان کرنے والوں نے بیان کی ہے۔ کہ علت کا علم معلول کے علم کو مستلزم ہے۔ اور اس صورت میں بالذات قوت مدرکہ علت کی طرف متوجہ ہے اور علت کے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ معلول کا علم علّت کے علم کے تابع ہو کر ہے۔ بغیر اس کے کہ معلول کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق پیدا کیا جائے لیکن فلاسفہ اس صورت میں بھی علم کے تعلق کے بغیر مرتبہ ثانی میں معلول کو معلومیت جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ تعلق بالذات نہ ہو۔ لیکن اس مثال سے کوئی اور زیادہ قریب مثال معلوم نہیں۔ جو بیان کی جائے۔ مثال سے مقصود مطلوب کی وضاحت ہوتی ہے۔ نہ کہ مطلوب کا اثبات اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کی حقیقتوں کو جانتا ہے اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو۔ اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات والتحیات المبارکات اتمہا واکملہا کی متابعت کی پابندی کرے۔

---

[1] کیونکہ ختم ہو جانا اور باقی نہ رہنا زمانے کے مقومات سے ہے۔ اور خدائے تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

[1] تم خربوزے کھاؤ' فالیز سے تمہیں کیا کام۔

مکتوب نمبر (۲۹۷)

مولانا بدرالدین سرہندی کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہٗ کے احاطہ وسریان کی تحقیق اور امثلہ کے ساتھ ان کی وضاحت اور مراتب وجوبی وامکانی کے حفظ رعایت کے بیان میں۔

اے عزیز جان کہ حق سبحانہٗ کا اشیاء کا احاطہ اور اکا ان میں ہونا اس طرح ہے جیسے مجمل مفصل کا احاطہ کرے اور اس میں سیرایت کرے۔ جیسے کلمہ جو اپنی تمام اقسام یعنی اسم' فعل اور حرف اور اسی طرح اقسام کی اقسام' جیسے ماضی' مضارع' اور امر ونہی' مصدر' اسم فاعل اسم مفعول' مستثنیٰ متصل' اور منقطع حال' تمیز' ثلاثی' رباعی' خماسی اور حروف جارہ اور ناصبہ اور افعال کے مخصوص حروف اور اسماء کے ساتھ مختص حروف اور دونوں پر داخل ہونے والے اور ان کے علاوہ ان اقسام سے حاصل ہونے والی غیر متناہی تقسیمات میں موجود ہے۔ یہ سب اقسام غیر کلمہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب اعتبارات ہیں جو کلمہ میں درج ہیں ان اقسام کی تفصیل اور ان کی کلمہ سے تمیز اور بعض اقسام کی بعض نے تمیز میں صرف ایک اعتبار عقلی کا ہی اضافہ ہوا ہے۔ اور خارج میں تو کلمہ ہی موجود ہے۔ اسی لیے حمل درست ہے۔ لیکن مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کلمہ کا ایک الگ نام ہے' جو اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور کچھ احکام ہیں جو اسی مرتبہ کے ساتھ مختص ہیں۔ مثلاً اقتران زمانہ کے ساتھ معنی مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ فعل کہلاتا ہے۔ اور اقتران کے بغیر اسم۔ اور معنی مستقل پر نہ دلالت کرنے والا کلمہ حرف کہلاتا ہے۔ اسی طرح زمانہ ماضی سے اقتران رکھنے والا کلمہ فعل ماضی ہے۔ اور جس میں زمانہ حال یا استقبال پایا جائے مضارع کہلاتا ہے۔ اور جس کلمہ میں مشہور نو علتوں میں سے دو علتیں پائی جاتی ہیں وہ غیر منصرف ہے' ورنہ منصرت۔ اور وہ حروف جو جر کا عمل دیتے ہیں جارہ کہلاتے ہیں۔ اور جو نصب کا عمل کرتے ہیں ناصبہ کے نام سے موسوم ہیں۔ تو ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ کے اسم پر فعل ماضی کا اطلاق مضارع پر کر دیا جائے' اور منصرف کا غیر منصرف پر۔ اور جارہ کا ناصبہ پر' حالانکہ یہ سب مراتب کلمہ کے ہی ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک کا اجراء دوسرے پر سراسر غلطی اور ضلالت ہے۔ اور سیدھی راہ سے دور ہونے کی بات ہے۔ تو ہم کہتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانتا ہے کہ وجود سُبحانہٗ کے مراتب تنزل میں سے ہر مرتبہ کا ایک خاص اسم ہے۔ اور کچھ مخصوص احکام ہیں۔ جو صرف اسی مرتبہ کے ساتھ خاص ہیں۔

پس وجود ذاتی اور استغناء ذاتی مرتبہ جمع اور الوہیت کے ساتھ خاص ہیں۔ اور امکان ذاتی اور افتقاء ذاتی مرتبہ کون اور فرق کے ساتھ خاص ہیں۔ اور مرتبہ اولی مرتبہ ربوبیت اور خالقیت ہے اور دوسرا مرتبہ' مرتبہ عبودیت اور مخلوقیت ہے تو اگر مرتبے کے اسماء کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کیا جائے' اور ایک مرتبہ کے ساتھ مخصوص احکام کا اجراء دوسرے مرتبہ پر کر دیا جائے تو یہ خالص بے دینی اور محض کفر ہوگا۔ اور تعجب تو بعض ملاحدہ اور زندیق

لوگوں پر ہے کہ وہ کس طرح مراتب کو آپ میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اور ایک مرتبہ کے احکام دوسرے مرتبہ پر کر دیتے ہیں تو ممکن کو واجب کی صفات سے موصوف کر دیتے ہیں اور واجب کو ممکن کی صفات سے موصوف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ممکن کی صفات میں آپس میں تمایز ہے۔ باوجودیکہ ممکن ایک ہی مرتبہ ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے احکام میں بھی اختلاف ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف صفات کا تمایز زائل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ احکام میں اختلاف ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مختلف صفات کا تمایز زائل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ احکام میں اختلاف ختم ہوسکتا ہے۔ حالاں کہ یہ سب مرتبہ کونیہ میں متحد ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بالبداہت جانتے ہیں کہ حرارت اور روشنی دنیا آگ کی صفات مختصہ میں سے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی صفت بھی پانی میں نہیں پائی جاتی اور نہ پانی کو ان سے موصوف کر سکتے ہیں۔ اسی طرح صفت برودت یعنی جو پانی کے ساتھ خاص ہے۔ آگ میں نہیں پائی جاسکتی اور اسی طرح یہ لوگ بالبداہت اپنی بیویوں اور ماؤں میں بھی امتیاز کے قائل ہیں۔ اور ان دونوں کے احکام کے الگ الگ ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۸)

میر سیّد محب اللہ مانک پوری کی طرف صادر فرمایا۔

لطیف عبادت اور مخفی اشارہ کے طور پر نہایت کار تک پہنچنے کے بیان میں۔ اور اس باریک کلام کے راز پر آپ کے دوستوں میں سے مخدوم زادہ کلال علیہ الرحمت والرضوان کے سوا کوئی اور مطلع نہیں ہوا۔

اے عزیز جان لے! اللہ تجھے نیک کرے کہ۔ یہ فقیر مدّت دراز سے ظلال (سایوں) میں سیر کرتا تھا۔ اور ظل تک پہنچنے کو عین حصول پاتا تھا۔ حالاں کہ اصل تک وصول میسّر ہو چکا ہے۔ ظل کے سوا اور حصول نہیں رکھتا۔ جس طرح شیشہ جو کسی شخص کے ہاتھ میں موجود ہو۔ اس شیشے کے لیے اس شخص کے ظل کے سوا کوئی حصہ نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ہمارا کلام اشارے کے طور پر ہوتا ہے۔ جان لیں کہ بیان طریق کے مناسب عبارت جو رمز و اشارہ کے طور پر تحریر ہوئی تھی۔ اس مقام کے مناسب جانتے ہوئے اس مکتوب میں درج کر دی ہے۔ سمجھ لیں۔

ذکر قلبی پر جو پیر راہ دان سے حاصل کیا ہو ہمیشگی کرنا حضرت رحمان کے فضل سے نصیب ہوتا ہے اور وصل عریان بھی اس کی مہربانی سے۔ باقی سب گمان و خیال ہے۔ اور سلامتی کا نزول ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اور مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰۃ اتمہا و من التحیات اکملہا کی متابعت کا پابند ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۹)

شیخ فرید رانہونی کی طرف صادر فرمایا:

مصیبت کی حالت میں استقامت دکھانے اور صبر و رضا کی تلقین کرنے اور طاعون کی موت کی فضیلت میں' اور اس امر کے بیان میں کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور کفار سے قتال کے دن صفِ جہاد سے بھاگنے کے مانند ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض خدمت ہے کہ مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے اس مختلف مصائب کر ذکر کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ صبر و تحمل سے کام لینا اور قضا پر راضی رہنا چاہیے۔

من[1] از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَآ[2] اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ط

تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

نیز اللہ جل حمدہٗ فرماتا ہے:

ظَھَرَ[3] الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ ط

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا۔ لوگوں نے اعمال بد کی وجہ سے۔

ہماری شومی اعمال کی وجہ سے اوّل تو چوہے ہلاک ہوئے' جو ہمارے ساتھ زیادہ اختلاط رکھتے ہیں اس کے بعد عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ ہلاک ہوئیں کہ نسل کا مدار اور نوع انسان کے وجود کا بقاء ان کے وجود پر ہے اور جو شخص اس وبا میں موت سے بھاگا اور سلامت رہا اس کی زندگی پر خاک پڑے۔ اور جو نہ بھاگا تو اسے مبارک ہو۔ اور شہادت کی بشارت ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن حجر علیہ الرحمۃ نے کتاب ''بذل الماعون فی فضل الطاعون'' میں یہ بات پورے یقین سے کہی ہے کہ طاعون سے مرنے والے سے قبر میں سوال نہ ہوگا۔ کیونکہ معرکہ جہاد میں شہد ہونے کی طرح ہے اور یہ کہ طاعون میں اخلاص سے صبر کرنے والے کو' جو یہ یقین رکھتا ہو کہ مجھے وہی چیز پہنچے گی جو میری تقدیر میں لکھی جا

---

[1] اگر تو مجھے آزار اور تکلیف بھی دے میں تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا۔ کیونکہ دوستوں کے ہاتھ سے تکلیف برداشت کرنا اور ان سے خواری اُٹھانا اچھی بات ہے۔

[2] پارہ ۲۵' سورۃ شوریٰ۔ [3] پارہ ۱۲ سورۃ روم

چکی ہے' جب طاعون کے ایام میں طاعون کے بغیر موت واقع ہوتی ہے' تو وہ بھی فتنہ عذاب قبر میں مبتلا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسا شخص جہاد میں پہرہ دینے والے کی طرح ہے۔

اسی طرح شیخ اجل امام سیوطی نے کتاب ''شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور'' میں ذکر کیا ہے' اور فرمایا ہے۔ کہ یہ بہت ہی ٹھیک اور درست بات ہے۔ اور اس طرح جو شخص طاعون میں نہ تو بھاگا اور نہ مرا تو وہ غازیوں اور مجاہدوں میں ہے اور صابر اور مصیبت برداشت کرنے والے گروہ میں ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اور بھاگنے والوں میں اکثر جو بچ جاتے ہیں تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا تھا۔ نہ یہ کہ اُن کے بھاگنے نے ان کو موت سے بچالیا۔ اور اکثر صبر کرنے والے جو طاعون کے مرض کا شکار ہو جاتے ہیں' اپنی موت مقررہ سے مرتے ہیں۔ لہٰذا نہ تو فرار نجات دیتا ہے۔ اور نہ وہاں مقیم رہنا ہلاک کرتا ہے۔ مرض طاعون سے فرار صف جہاد سے بھاگنے کی طرح ہے' اور گناہ کبیرہ ہے۔ یہ خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کے امتحان میں سے ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے' اور بہت کو ہدایت دیتا ہے۔

آپ کے صبر و تحمل اور آپ کی مسلمانوں کی امداد و اعانت کے متعلق یہ فقیر سن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بچوں کی تربیت اور ان کی اذیت اٹھانے سے دل تنگ نہ ہوں۔ اس پر اجر عظیم کے مرتب ہونے کی اُمید ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۳۰۰)

جامع علوم عقلی و نقلی مجد الدینؒ مخدوم زادہ حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہٗ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔
باریک اسرار اور نادر معارف کے بیان میں' رمز و اشارہ کی زبان سے۔ اور مقام ''قاب قوسین'' بھی اس مکتوب میں اشارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى انسان کامل جب اسماء و صفات کے مراتب کی سیر تفصیلی طے کر کے پوری جامعیت پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ جل سلطانہٗ کے اسماء و صفات کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدم ذاتی جو اس کے کمالات کا آئینہ ہے پورے طور پر پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کمالات کے سوا اس میں کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی' تو اس وقت خاص بقا کے ساتھ جو ان کمالات پر موقوف ہے' مکمل فنا کے حصول کے بعد جو اس کے عدم کے پوشیدہ ہونے کے ساتھ وابستہ ہے' مشرف ہوتا ہے۔ تو ولایت کا اسم اس پر صادق آتا ہے۔ اس کے بعد اگر عنایت ازلی جل سلطانہٗ اس کے شامل ہو' تو ہو سکتا ہے کہ دوبارہ یہ کمالات جن کے ساتھ اس عارف کو بقا حاصل ہوئی ہے۔ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں منعکس ہوں' اور ظاہر ہوں۔ اس وقت قاب

قوسین کا راز ظاہر ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس مقام میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں کسی شے کا ظہور اس آئینہ میں شے کے لیے نسبت بے کیف کے حصول سے کنایہ ہے۔ نہ یہ کہ وہاں آئینے کی حقیقت موجود ہے' اور شے کا حصول اس میں ہے۔ اور اللہ کے لیے ہے بلند صفت اور جب وہ کمالات جن سے عارف نے بقا حاصل کی ہوتی ہے۔ جناب قدس کے آئینے میں حقیقت اور اصالت کے طریقہ پر منعکس ہوتے ہیں۔ اور ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور وہاں اس کے لیے مجہول الکیفیت نسبت بھی حاصل ہوتی ہے' تو ضروری طور پر لفظ اَنا جو عارف سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کے لیے ان کمالات ظاہرہ کا عین پاتا ہے۔ مقام قوسین میں اَنا کے عروج کی نہایت اسی مقام تک ہے۔

اے فرزند من۔ کہ صورت کا آئینہ جس میں حسن و جمال منعکس ہوتا ہے۔ اگر فرضاً حیات و علم کا آئینہ بن جائے۔ تو اس حسن و جمال کے ظہور سے بھی لذت گیر ہوگا۔ اور کافی حصہ حاصل کرے گا۔ حقیقت کے آئینے میں لذت اور رنج اگرچہ مفقود ہے کیونکہ یہ امکان کی صفات میں سے ہیں۔ لیکن وہ چیز جو اس بلند مرتبہ کے لائق ہے۔ نقص و حدوث کے نشانات سے مبّرا ہو کر موجود اور ثابت ہے۔

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

یہ کمالات ظاہرہ جو اس مرتبہ نسبت مجہول الکیفیت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں ان کا حکم عالم امر و سر کے ساتھ عالم خلق انسانی کی نسبت کی طرح ہے۔ جس نے اپنے آپ کو پہچانا۔ اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اس مقام میں پالو اور جب ان کمالات ظاہرہ نے' جو حضرت تعالیٰ تقدس کی تفصیل ہیں۔ حضرت اجمال کے ساتھ مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر لی۔ اور بے کیف پیوستگی حاصل ہوگئی۔ اور حضرت اجمال کے لیے آئینہ بن گئے۔ تو لازماً حضرت اجمال میں صرف اعتبار اور وہم کے درجہ میں تفصیل بھی ظاہر ہوگئی۔ جو عارف کے عروج اَنا کا سبب بنی۔ یہ کمال مقام ''اَوْ اَدْنیٰ'' سے وابستہ ہے۔

قلم[2] ایں جا رسید و سر بشکست

یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان۔ جس کا سمجھنا خواص کے لیے بھی کئی منزل دور ہے۔ عوام بے چاروں کا کیا ذکر۔ اخص خواص میں سے بھی بہت کم ایسے لوگ ہیں۔ جنہیں اس دولت و معرفت کی طرف

---

[1] حافظ کی یہ سب فریاد اور زادی بے ہودہ نہیں ہے۔ بلکہ قصہ بھی غریب اور بات بھی عجیب ہے۔

[2] قلم یہاں تک پہنچا اور سر ٹوٹ گیا۔

راستہ ملا ہے۔

اگر پادشاہ بردر پیرو زن
بیا ید تو اے خواجہ سبلت مکن!

یہ نہایت ظہورات اور تجلیات کے اعتبار سے ہے۔ جس کے بعد کسی قسم کی تجلی اور ظہور متصور نہیں ہوسکتا۔

و من [2] بعد هذا ما يدق صفاته
وما كتمه اخطى لديه و اجمل

اور سلامتی کا نزول ہو ہر متبع ہدایت پر اور ہر ایسے شخص پر جو مصطفٰے کی متابعت کا پابند ہو۔ علیہ و علٰی الہٖ و علٰی جمیع الانبیاءِ والمرسلین و علٰی الہٖ و ال کلٍّ و علی المَلٰئِکۃ المقرّبین الصّلوات والتسلیمات والتحیاتُ والبرکات اتمها و اکملُها و اولا هاو اعلٰها و اَدْوَمُهَا و ابقٰها و اَتَمَمُهَا و اَشْمَلُهَا۔

مکتوب نمبر (۳۰۱)

مولانا امان اللہ کی طرف صادر فرمایا:

قرب نبوت وقرب ولایت اور ان راہوں کے بیان میں جو قرب نبوت تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میرے فرزند مولانا امان اللہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ نبوت قرب الٰہی جل شانہٗ سے عبارت ہے جس میں ظلّیت کا شائبہ تک نہیں۔ اس کے عروج کا رُخ حق جل وعلا کی طرف ہوتا ہے اور اس کا نزول کا رُخ مخلوق کی طرف۔ یہ قرب بالاصالۃ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا حصہ ہے اور یہ رتبہ عہدہ ان بزرگوں علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس رتبہ ومنصب کو ختم کرنے والے حضرت سید البشر ہیں علیہ وعلٰی آلہٖ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نزول کے بعد حضرت خاتم الرسل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ پیروکاروں کو بھی حصہ حاصل ہے۔ اور اس مقام کے علوم ومعارف اور کمالات سے بطریق وراثت پیروکاروں کا بھی حصہ ملتا ہے۔ ع

خاص کند [1] بندۂ مصلحتِ عام را

---

[1] اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ تو اپنی ڈاڑھی نہ اکھیڑ۔ یعنی رنج نہ کر۔

[2] اس کے بعد وہ چیز ہے جس کا بیان بہت دقیق ہے۔ اور جس کا چھپانا اس کے نزدیک زیادہ لذیذ اور بہتر ہے۔

[1] اللہ تعالیٰ مصلحت عام کی خاطر کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔

تو خاتم المرسلین علیہ وآلہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل الصلوات والتسلیمات کی بعثت کے بعد طریق وراثت وتبعیت آپ کے پیروکاروں کو کمالات نبوت کا حصول آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام لہٰذا شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

اے عزیز جان لے! (اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے) کہ کمالات نبوت تک پہنچانے والے دراستے ہیں۔ ایک راستہ تو مقام ولایت کے کمالات مفصّل طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے۔ اور تجلیات ظلیّہ اور معارف سکریہ' جو مرتبہ ولایت کے مناسب ہیں' کے حصول پر موقوف ہے۔ ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حصول کے بعد کمالات نبوت میں قدم رکھا جا سکتا ہے۔ اس مقام میں اصل تک وصول ہوتا ہے۔ اور ظلیّت کی طرف التفات وتوجہ گناہ ہے۔

اور دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ان کمالات ولایت کے حصول کے بغیر ہی کمالات نبوت تک وصول میسّر آ جاتا ہے۔ اور یہ دوسرا راستہ کشادہ اور فراخ ہے۔ اور وصول کے زیادہ نزدیک ہے۔

اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ کرام علیہم وعلیٰ اصحابہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں سے انبیاء کی وراثت اور تبعیّت کے طور پر جو کمالات نبوت تک پہنچا ہے اسی راستے سے پہنچا ہے' الا ماشاء اللہ پہلا راستہ دور دراز اور معسر الحصول اور مشکل الوصول ہے۔ اولیاء کی ایک جماعت مقام ولایت میں شرفِ نزول سے مشرف ہوئی ہے۔ انہوں نے ان کمالات کو جو مقام نزول سے تعلق رکھتے ہیں کمالاتِ نبوت خیال کر لیا ہے اور مخلوق کی طرف رُخ کرنے کو جو مقام دعوت کے خصائص سے ہے' مقام نبوت گمان کر لیا ہے بلکہ یہ نزول اس کے عروج کی دونوں ولایتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مقام ولایت سے اور ایک عروج ونزول ہے جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مخلوق کی یہ توجہ اس توجہ بخلق کا غیر ہے جو نبوت کے مناسب ہے۔ اور یہ دعوت اس دعوت کا غیر ہے' جس کو کمالات نبوت سے شمار کیا گیا ہے۔

یہ گمان کرنے والے کیا کریں۔ کیونکہ انہوں نے دائرہ ولایت سے قدم باہر ہی نہیں رکھا۔ اور کمالات نبوت کی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ نصف ولایت کو جو اس کی جانب عروج ہے پوری ولایت گمان کر لیا ہے۔ اور اس کے دوسرے نصف کو جو جانب نزول ہے' مقام نبوت تصوّر کر لیا ہے۔

چوں[1] آں کرمے کہ در سنگے نہان است
زمین و آسمان او ہمان است!!

ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلے راستے سے بھی وصول حاصل کرے۔ اور کمالات مفصلہ ولایت ونبوت دونوں کو جمع کر لے۔ اور ان دونوں مقام کے کمالات کے درمیان جیسا کہ چاہیے فرق وتمیز حاصل کرے۔ اور ہر

[1] جس طرح وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہے اس کا زمین وآسمان وہی پتھر ہے۔

ایک کے عروج ونزول کو جدا کر لے۔ اور حکم لگائے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ دوسرے راستے سے وصول کے بعد اگر چہ مقام ولایت کے کمالات مفصلہ حاصل نہیں ہوتے تاہم خلاصہ اور نچوڑ ولایت بطریقہ احسن میسّر آ جاتا ہے۔ یوں کہنا درست ہے کہ اہل ولایت کمالاتِ ولایت سے پوست اور چھلکا حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ واصل اس کا مغز حاصل کرتا ہے۔ ہاں بعض علوم سکریہ اور ظہورات ظلیّہ سے جو ارباب ولایت کو حاصل ہوتے ہیں وہ واصل ان سے کم حصہ حاصل کرتا ہے یہ معنی فضیلت کا سبب نہیں بلکہ اس واصل کو ان علوم وظہورات سے شرم وعار آتی ہے۔ بلکہ وہ تو ان کو گناہ اور سوء ادب جانتا ہے۔ ہاں اصل تک پہنچنے والا واصل اصل کے ظلال سے دور بھاگتا اور استغفار کرتا ہے۔ ظل کے ساتھ گرفتاری اس ظل کے اصل تک نہ پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اصل تک وصول کے بعد ظل بے قاعدہ ہوتا ہے۔ اور ظل کی طرف توجہ بے ادبی ہے۔

اے بیٹے! کمالات نبوت کا حصول محض بخشش اور اس کی نوازش ومہربانی پر موقوف ہے۔ کسب وکوشش کو اس دولت عظمیٰ کے حصول میں کچھ دخل نہیں۔

کون سا عمل اور کسب ہے جس کا نتیجہ یہ دولت عظمیٰ ہو۔ اور کونسی ریاضت ومجاہدہ ایسا ہے جو اس اعلیٰ ترین نعمت کا پھل دے۔ بخلاف کمالات ولایت کے' کہ ان کے مبادی اور مقدمات کسبی ہیں۔ اور ان کا حصول ریاضت ومجاہدہ سے وابستہ ہے۔ اگر چہ یہ بھی روا ہے کہ کسی کو کسب وعمل کی محنت کے بغیر ہی اس دولت سے واصل کر دیں۔ اور فنا وبقا کہ ولایت انہی سے عبارت ہے' بھی وہی ہیں کہ کسب مقدمات کے بعد فضل وکرم سے جسے چاہتے ہیں' اس دولت فنا وبقا سے مشرف فرماتے ہیں۔

اور آں سرور علیہ وعلیٰ جمع الانبیاء والمرسلین وعلی الملائکۃ المقربین وعلیٰ اہل طاعتہ اجمعین الصلوات والتسلیمات کے بعثت سے قبل کے ریاضات ومجاہدات اس دولت کے حصول کے لیے نہ تھے۔ بلکہ ان سے دوسرے منافع اور فوائد منظور نظر تھے۔ جیسے حساب کی کمی۔ بشری لغزشوں کی تلافی' درجات کی بلندی۔ اور فرشتہ مرسل کی صحبت کی رعایت جو کھانے پینے سے پاک ہے۔ اور کثرت سے ظہور خوارق جو مقام نبوت کے مناسب ہیں۔ اور اسی طرح کے اور اغراض ومصالح۔

جاننا چاہیے کہ اس عطا کا حصول انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے بلا واسطہ ہے۔ اور انبیا کرام کے صحابہ علیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں جو تبعیت وراثت سے اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں' بواسطہ انبیاء سے علیہم الصلوات والتسلیمات ہے۔ انبیاء کرام اور ان کے صحابہ علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد کم ہی کوئی ایسا ہے جو اس دولت سے مشرف ہوا ہو۔ اگر چہ روا ہے کہ کسی اور کو بھی تبعیت ووراثت کے طور پر اس دولت

تک پہنچادیں۔ ؎

فیض روح القدس ارباز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

میرا گمان ہے کہ اس دولت نے کبار تابعین میں بھی پرتو ڈالا تھا۔ اور اکابر تبع تابعین پر بھی یہ دولت سایہ فگن ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ دولت روپوش ہوگئی۔ یہاں تک کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی بعثت کے بعد دوسرا ہزار آ پہنچا۔ اس وقت بھی وہ دولت تبعیت ووراثت کے طور پر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ اور آخر زمانہ کو اوّل زمانے کے مشابہ کردیا ہے۔ ؎

اگر پادشاہ بردر پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی والتزم متابعه المصطفٰی علیه وعلٰی اٰله الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مکتوب نمبر (۳۰۲)

جامع علوم ظاہری واسرار ومعارف باطنی یعنی مخدوم زادہ مجد الدین حضرت خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

تین ولایتوں یعنی ولایت اولیاء، ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات، اور ولایت ملاء اعلیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اور بعض خاص معارف کے بیان میں۔ جو نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اے عزیز جان لے (اللہ تعالیٰ تجھے رشد وہدایت عطا کرے) کہ ولایت اس قرب الٰہی جل سلطانہٗ سے عبارت ہے۔ جس میں ظلیت کا شائبہ تک نہیں۔ اور پردوں کے حائل ہوئے بغیر اس کے حصول کی صورت نہیں بنتی۔ اور اگر ولایت اولیاء ہے تو البتہ داغ ظلیت سے داغ دار ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلّیت سے آچکی ہے۔ تاہم اسماء وصفات کے حجابات کے حائل ہونے کے بغیر متحقق نہیں ہوتی۔ اور مَلَا اعلیٰ (ملائکہ کرام) علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایت اگر اسماء وصفا کے حجابات سے بلند جاچکی ہے۔ لیکن

۱ روح القدس کا فیض اگر دوبارہ مدد کرے تو دوسرے بھی وہ کام کرسکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے۔

۲ اگر پادشاہ ازراہ عنایت بڑھیا کے دروازے پر تشریف لے آئے تو اسے صاحب تو حسد سے اپنی ڈاڑھی نہ اکھیڑ۔

شیون و اعتبارات ذاتیہ کے حجابات اس میں بھی موجود ہیں صرف نبوت و رسالت ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف ظلیّت کو راستہ نہیں ملتا۔ اور صفات و اعتبارات کے حجابات کو راستے میں ہی چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اور نبوت کا قرب ذاتی اور اصلی ہے۔ اور جو شخص ان دونوں کی حقیقت پر مطلع نہیں ہو سکا۔ اس نے برعکس کا حکم لگایا ہے۔ اور الٹ بات کا یقین کیا ہے۔ یعنی ولایت کو نبوت سے افضل کیا ہے۔ پس وصول تو مرتبہ نبوت میں ہوتا ہے۔ اور حصول مرتبہ ولایت میں۔ کیونکہ حصول ملاحظہ ظلّیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا۔ بخلاف وصول کے۔ نیز کمال حصول میں دوئی زائل ہو جاتی ہے اور کمال وصول میں دوئی باقی رہتی ہے۔ پس دوئی کا زائل ہو جانا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اور دوئی کا باقی رہنا مقام نبوت کے مناسب ہے اور جب کہ دوئی کا زائل ہونا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ ہر وقت سُکر کا طاری رہنا بھی مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اور مرتبہ نبوت میں چوں کہ (دوئی کا باقی رہنا) ہے۔ اس لیے صحو و ہشیاری بھی اس مرتبہ کے خواص میں سے ہے۔ نیز تجلیات کا حصول خواہ صور و اشکال کے لباس میں ہو خواہ الوان و انوار کے پردہ میں۔ سب مقامات ولایت اور اس کے مقدمات و مبادی میں سے ہے۔ بخلاف مرتبہ نبوت کے کہ وہاں اصل تک وصول ہوتا ہے۔ اور ان تجلیات و ظہورات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی جو اس اصل کا ظل ہیں۔ اسی طرح نبوت کے مبادی و مقدمات کے طے کرنے میں ان تجلیات کی کچھ حاجت نہیں۔ مگر اس صورت میں جب کہ راہ ولایت سے عروج واقع ہو۔ اس وقت ان تجلیات کا حصول بواسطہ ولایت ہے نہ کہ نبوت تک پہنچنے کے راستے کی مسافت طے کرنے کی وجہ سے۔ مختصر یہ کہ تجلیات و ظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں۔ اور جو شخص گرفتاری ظلال سے گزر چکا ہے وہ تجلیات سے بھی چھوٹ چکا ہے مَازَاغَ الْبَصَر کا راز یہاں تلاش کرنا چاہیے۔

اے فرزند عشق کی شورش و واویلا۔ محبت کا زور و دبدبہ' شوق انگیز نعرے' اور درد آمیز چیخ و پکار و جد تواجد' اور قص و رقاص سب مقامات ظلال اور ظہورات و تجلیات ظلیہ کے وقت میں ہیں۔ اصل تک پہنچ جانے کے بعد ان امور کا حصول متصور نہیں ہے اس جگہ میں محبت بمعنی ارادہ طاعت ہے۔ جیسا کہ علماء کرام نے فرمایا ہے۔ نہ کوئی زائد معنی جو ذوق و شوق کا منشا ہو۔ جیسا کہ بعض صوفیہ نے گمان کیا ہے۔

اے فرزند عزیز من! جب کہ مقام ولایت میں دوئی کا زائل ہونا مطلوب ہے۔ اس لیے ناچار اولیاء کرام زوال ارادہ میں کوشش کرتے ہیں۔

شیخ بسطامؒ فرماتے ہیں میرا ارادہ ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ ہو۔ اور مرتبہ نبوت میں چونکہ رفع اثنیت درکار نہیں ہے۔ اس لیے نفس ارادہ کا زوال مطلوب نہیں۔ کیسے مطلوب ہو سکتا ہے۔ جبکہ ارادہ فی حد ذاتہٖ ایک کامل صفت ہے۔ نقص نے اگر اس کی طرف راہ پایا ہے۔ تو وہ متعلق کی کے خبث کے باعث ہے۔ تو چاہیے کہ اس کا متعلق بُرا اور ناپسندیدہ امر نہ ہو۔ بلکہ اس کی تمام مرادیں حق جل وعلا کی پسندیدہ چیزیں ہوں۔

اسی طرح مقام ولایت میں تمام بشری صفات کی نفی کو کوشش کرتے ہیں۔اور مرتبہ نبوت میں ان صفات کی برائی کے متعلقات کی نفی مطلوب ہوتی ہے۔نہ ان صفات کی نفی جو فی حد ذاتہا کامل ہیں مثلاً صفت علم اپنی ذات کی حد میں صفات کاملہ میں سے ہے۔اگر نقص نے اس کی طرف راہ پایا ہے تو اپنے بُرے متعلق کے راستہ سے پایا ہے۔لہٰذا اس بُرے متعلق کی نفی ضروری ہے نہ کہ اصل اس صفت کی نفی۔علی ھٰذا القیاس۔تو وہ شخص جو ولایت کے راستے سے مقام ولایت میں آیا ہے۔اس کے لیے دوران راہ میں اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں۔اور واسطہ ولایت کے بغیر اس مقام تک پہنچا ہے۔اسے اصل صفات کی نفی سے کچھ کام نہیں ان صفات کی برائی کے متعلقات کی نفی کرنی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اس ولایت سے مراد جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ظلّی ولایت ہے۔جسے ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔انبیاء کی ولایت جو ظل سے گزر چکی ہے۔امر دیگر ہے۔اس مقام میں صفات بشریت کی بُرائی کے متعلقات کی نفی مطلوب ہے نہ اصل ان صفات کی نفی۔اور جب سوء صفات کے متعلقات سے کی نفی حاصل ہوگئی۔ولایت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی حاصل ہوگئی۔اس کے بعد جو عروج واقع ہوگا وہ کمالات نبوت سے متعلق ہوگا۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ نبوت کے لیے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے۔اس لیے کہ ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے۔ہاں کمالات نبوت تک پہنچنے میں ولایت ظلی کی کوئی ضرورت نہیں۔بعض کے لیے تو اتفاق ہوجاتا ہے۔لیکن بعض دوسروں کا اس طرف بالکل گزر نہیں ہوتا۔

خوب سمجھ لو۔اور اس بات میں شک نہیں کہ ان صفات کی بُرائی کے متعلقات کی نفی کی نسبت اصل صفات کی نفی دشوار ہے۔پس کمالات ولایت کی نسبت کمالات نبوت کا حصول آسان تر اور نزدیک تر ہے۔اور آسانی اور قرب کی یہی نسبت ہے جو اصل سے دور پڑے ہوئے امور کی بجائے ہر اس امر میں موجود ہے جو اصل تک پہنچ چکا ہے۔

تم نہیں دیکھتے کہ اصل کیمیا آسان عمل سے میسر آجاتا ہے اور قریب ترین راستوں سے حاصل ہوجاتا ہے اور جو شخص اصل سے دور پڑا ہوا ہے محنت و مشقت میں پڑا رہتا ہے وہ اپنی ساری عمر کے حاصل کرنے میں فنا کر دیتا ہے۔مگر اس کے باوجود محروم رہتا ہے۔اور محنت شاقہ اور مدّت مدید کے بعد جو کچھ حاصل کرتا ہے۔وہ اصل سے صرف مشابہت رکھتا ہے۔اور بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ عارضی شباہت اس سے زائل ہوجاتی ہے اور اپنے اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔اور مکاری اور حیلہ سازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے بخلاف اس شخ کے جو اصل سے واصل ہوچکا ہے کہ سہولت اور نزدیکی راہ کے ساتھ ساتھ مکاری اور حیلہ سازی سے امن میں ہے۔

اس راہ سلوک پر چلنے والی ایک جماعت جو ریاضت شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کے ذریعہ ظلال میں سے

ایک ظل تک پہنچتی ہے' اس نے یہ گمان کرلیا ہے کہ مطلب تک پہنچنا ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ پر موقوف ہے۔ نہیں جانتے کہ دوسرا راستہ اس سے زیادہ قریب اور نہایۃ النہایہ تک پہنچانے والا ہے اور وہ برگزیدگی کا راستہ ہے۔ جو صرف فضل و کرم سے وابستہ ہے۔ اور جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے' انابت کا راستہ ہے۔ جو مجاہدات سے وابستہ ہے۔ مجاہدات کے راستہ سے مطلوب تک پہنچنے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ مگر اجتبا اور برگزیدگی کے راستہ سے مطلوب تک پہنچنے والے بہت زیادہ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اجتبا کے راستہ سے گئے ہیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اصحاب بھی ان کی وراثت و تبعیت کی وجہ سے اجتبا کے راستہ سے واصل ہوئے ہیں ارباب اجتبا کی ریاضتیں نعمت وصول کے ادائے شکر کی خاطر ہیں۔

حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پہلے اور پچھلے ذنوب بخشے ہوئے ہونے کے باوجود اپنی ریاضیات شدیدہ کے متعلق سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا:

اَفَلَا[1] اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

اور اہل انابت کے مجاہدات حصول وصول کے لیے ہیں۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ اجتبا کا راستہ لے جانے کا راستہ ہے۔ اور راہ انابت خود چلنے کا راستہ ہے۔ لے جانے اور خود جانے میں عظیم فرق ہے۔ لے جانے والے جلدی لے جاتے ہیں' اور بہت دور لے جاتے ہیں۔ اور خود جانے والے دیر سے چلتے ہیں' اور راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے "مافضلیہانیم" یعنی ہم اللہ کے فضل والے لوگ ہیں۔ ہاں ہاں اگر فضل نہ ہو تو دوسروں کی نہایت ان کی ابتداء میں کیسے درج ہو۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔

ہم پھر اصل بات کی طرف آتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ اس فقیر نے ان عرضہ داشتوں میں اپنے پیر بزرگوار کی طرف لکھی ہیں' تحریر کیا ہے کہ تمام مرادیں ختم ہو چکی ہیں۔ لیکن نفس ارادہ اب تک اپنی جگہ قائم ہے۔ ایک مدت کے بعد لکھا کہ وہ ارادہ بھی مرادوں کی طرف زائل اور مرتفع ہو گیا ہے۔ ا۔ر جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے (اس فقیر کو) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت سے مشرف فرمایا' تو معلوم ہوا کہ مقصود اس ارادے کی بُرائی کے متعلق کا دور ہونا ہے۔ نہ عین اس ارادے کا رفع ہونا۔ یہ ضروری نہیں کہ متعلق سوء کے رفع کے بعد اصل کا رفع اتم اور اکمل طریقہ پر حاصل ہو جائے بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محض فضل ایزدی سے وہ کچھ میسّر آ جائے جس کا سواں حصہ بھی تحمل اور تکلف سے حاصل نہ ہو۔

---

[1] شمائل ترمذی بروایت مغیرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے:۔

(۱) ظلمت سنة من احیا اظلامه الی ان اشکت قد ماه الضر من ورم

اسد من سغب احشاء و طوی تحت الحجارة کشحًا مترف الادم

اے برادر! مقام ولایت میں دنیا و آخرت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اور آخرت کے ساتھ گرفتاری کو دنیا کے ساتھ گرفتاری کی طرح تصور کرنا چاہیے۔ اور درد آخرت کو بھی درد دنیا کی طرح اچھا خیال نہیں کرنا چاہیے۔

امام[1] داؤد طائی قدس سرہ' فرماتے ہیں۔ اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو دنیا سے الگ ہو جاؤ۔ اور اگر بزرگی کے طالب ہو تو آخرت سے ناامید ہو جاؤ۔

اسی گروہ کا ایک دوسرا بزرگ فرماتا ہے' آیۃ کریمہ:۔

مِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ط — تم میں سے کچھ دنیا چاہتے اور کچھ آخرت چاہتے ہیں میں اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی شکایت کی ہے۔

مختصر یہ کہ فنا جو حق جل وعلا کے سوا ہر شے کو فراموش کر دینے سے عبارت ہے' دنیا و آخرت کو شامل ہے۔ اور فنا و بقا دونوں کے ولایت کے اجزاء ہیں۔ پس ولایت میں نسیان آخرت سے چارہ نہیں۔ اور کمالات نبوت کے مرتبہ میں آخرت کے ساتھ گرفتاری اچھی بات ہے۔ اور آخرت کا درد پسندیدہ اور مقبول امر ہے۔ بلکہ اس مقام میں درد' درد آخرت ہے۔ اور گرفتاری گرفتاری آخرت ہے' آیۃ کریمہ:

يَدْعُوْنَ[1] رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ط — وہ اپنے رب کو خوف اور امید کی حالت میں پکارتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:

وَيَخْشَوْنَ[2] رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ط — اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے سہمے رہتے ہیں۔

اور آیت کریمہ:

اَلَّذِيْنَ[3] يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ○ — وہ لوگ جو اپنے رب سے بے دیکھے ڈرتے ہیں' اور انہیں قیامت کا ڈر بھی لگا رہتا ہے۔

---

[1] یعنی حضرت ابوسلیمان داؤد نصر بن الطائی آپ طبقہ اولی میں سے ہیں اور اہل تصوف کے مشائخ و سادات میں اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ آپ اپنے وقت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فضل بن عیاض' اور ابراہیم بن ادھم کے ہم عصر تھے۔ حبیب راعی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ تمام علوم میں حصہ وافر رکھتے تھے اور فقر میں فقیہ الفقہاء تھے آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور امامت سے اعراض فرمایا۔ اور روز دوزخ کا راستہ اختیار کیا۔ آپ کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں۔ (نفحات شریف)

[1] سورۃ سجدہ' پارہ اُتل ما اوحی (۲۱) [2] سورۃ رعد پارہ ۱۳۔ سورۃ بنی اسرائیل (پارہ ۱۵)

[3] سورۃ الانبیاء پارہ

اس مقام والوں کا نقد وقت ہے۔ ان کا گریہ و نالہ احوال آخرت یاد کرنے سے ہے۔ اور ان کا درد و اندوہ قیامت کے ہولناک مناظر کو ذہن میں رکھنے کے باعث ہے۔ وہ ہمیشہ فتن قبر سے پناہ پکڑتے ہیں۔ اور عذاب دوزخ سے بھی پناہ تلاش کرتے ہیں اور گریہ درازی میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق جل وعلا کا درد درد آخرت ہے۔ اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق و محبت ہے۔ کیونکہ اگر ملاقات ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت میں ہے۔ اور اگر رضا و خوشنودی ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر موقوف ہے۔ حق جل وعلا دنیا کو دشمن رکھتا ہے۔ اور آخرت اس کی پسندیدہ ہے۔ مبغوضہ (دنیا) مرضیہ (آخرت) کے ساتھ کسی بات میں برابر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مبغوضہ (ناپسندیہ چیز) یعنی دنیا اس لائق ہے کہ اس سے منہ پھیر لیا جائے۔ اور پسندیدہ چیز (آخرت) توجہ کے لائق ہے۔ مرضیہ (پسندیدہ یعنی آخرت) سے اعراض کرنا۔ عین سُکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس کی طرف بلایا ہے اور جو اُسے پسندیدہ ہے اس کے خلاف ہے۔ آیت کریمہ:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ط — اللہ تعالیٰ دارالسلام (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

اس معنی کی گواہ ہے۔ خدائے تعالیٰ سُبحانہٗ بڑے مبالغے اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب دیتا ہے۔ آخرت سے اعراض کرنا فی الحقیقت حق جل وعلا کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور اس کی پسندیدہ چیز دور کرنے کے مترادف ہے۔

امام داؤد طائی قدس سرہٗ جب کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ اس بنا پر ترک آخرت کو کرامت فرما دیا۔ مگر یہ جان سکے کہ اصحاب کرام علیہم الرضوان سب کے سب درد آخرت میں مبتلا تھے۔ اور عذاب آخرت سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔

ایک روز سیّدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر گلی سے گزر رہے تھے۔ کہ قاری نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ — بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

تو آپ اس آیت کے سنتے ہی بے ہوش ہو گئے' اور اُونٹ سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے اُٹھا کر آپ کو گھر لایا گیا۔ اور ایک مدت تک اس درد کی وجہ سے بیمار رہے۔ اور لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔ ہاں مقام فنا میں حالات کے درمیان دنیا و آخرت سے فراموشی میسر آتی ہے۔ اور آخرت کی گرفتاری کو بندہ دنیا کی گرفتاری کی طرح خیال کرتا ہے۔ لیکن جب شرف بقا سے مشرف ہوتا ہے۔ اور اپنے کام کو انجام تک

پہنچاتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات ان پر تو ڈالتے ہیں۔ تو پھر اس کا سارا درد و غم آخرت کے لیے ہوتا ہے۔ اور دوزخ سے پناہ پکڑتا ہے۔ اور جنت کی آرزو کرتا ہے۔ جنت کے درختوں' نہروں اور وہاں کے حور و غلامان کو دنیوی اشیاء سے کچھ نسبت نہیں۔ بلکہ دنیا کی اشیاء آخرت کی اشیاء کی ضد ہیں۔ جس طرح غضب و رضا ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ درخت اور نہریں اور جو کچھ جنت میں ہے' اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے جنت میں درخت نہیں ہیں۔ اس میں درخت لگاؤ۔ لوگوں نے عرض کیا وہاں کس طرح درخت لگائیں۔ آپ نے فرمایا' تسبیح' تحمید' تمجید اور تہلیل کے ساتھ۔ یعنی کلمہ سبحانہ اللہ کہو۔ تاکہ اس کے عوض تمہارے لیے جنت میں ایک پودا لگا دیا جائے۔ تو بہشت کے درخت تسبیح کا نتیجہ ہیں۔ تنزیہ الٰہی کے کمالات جس طرح اس کلمہ میں حروف و اصوات کے لباس میں لپیٹ دیے گئے ہیں۔ بہشت میں ان کمالات کو بہشت درخت کے لباس میں چھپا گیا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس' جو کچھ بہشت میں ہے نیک عمل کا نتیجہ ہے۔ اور وجوبی کمالات میں سے جو کچھ قولی اور عملی نیکی کے لباس میں چھپایا گیا ہے۔ بہشت میں وہی کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردہ میں ظاہر ہوں گے۔ اس لیے لازماً وہاں کا تلذذ اور نعمتیں پسندیدہ اور مقبول ہیں۔ اور لقاء و وصول کا وسیلہ ہیں۔

رابعہ بصریہ بے چاری اگر اس راز سے آگاہ ہو جاتی تو بہشت کو جلا دینے کی فکر میں نہ پڑتی اور اسے غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری قرار نہ دیتی۔ بخلاف دنیوی تلذذ اور نعمتوں کے اکہ ان کا منشاء خبث و شرارت ہے۔ اور ان کا نتیجہ آخرت میں محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ یہ دنیوی تلذذ اگر شرعاً مباح ہو تو آخرت میں اس کا محاسبہ درپیش ہے۔ اگر اس کی رحمت دستگیری نہ فرمائے' تو افسوس صد افسوس اور اگر شرعاً مباح نہ ہو وعید اور ڈانٹ کا مستحق ہوگا۔

"اے ہمارے پروردگار' ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور اگر تو تمہاری مغفرت نہ فرمائے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ضرور ہم لوگ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

تو اس دنیوی تلذذ کی آخرت کی لذتوں کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ دنیوی نعمتوں سے لذت گیر ہونا تو زہر قاتل ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا نہایت نفع مند تریاق ہے' تو آخرت کا درد یا عوام مومنین کا حصہ ہے۔ یا خاص الخاص لوگوں کا۔ خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اس کے خلاف میں عزت گمان کرتے ہیں۔ مصرع

آں[1] ایشا نند و من چینم یا رب

---

[1] یا رب وہ یعنی خواص تو وہ ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

مکتوب نمبر (۳۰۳)

کلمات اذان کے معانی کے بیان میں حاجی یوسف مؤذن کے نام صادر فرمایا:

بعد الحمد والصلوٰۃ جاننا چاہیے کہ اذان میں سات کلمے ہیں:

(۱) اَللّٰہُ اَکْبَر۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند تر ہے کہ اسے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت کی حاجت ہو۔ یہ کلمہ اس عظیم الشان معنی کی تاکید کے لیے چار دفعہ تکرار کے ساتھ آیا ہے۔

(۲) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ یعنی میں گواہی دیتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت کبریائی اور لوگوں کی عبادت سے بے نیاز ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔

(۳) اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اللہ سبحانہٗ کے رسول اور اس کی جانب سے طریق عبادت کے مبلغ اور بتانے والے ہیں۔ تو اس واجب تعالیٰ کی ذات کے لائق صرف وہی عبادت ہوگی، جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جہت تبلیغ و رسالت سے ماخوذ ہو۔

(۴) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔

(۵) حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ یہ دو کلمے نمازی کو فلاح اور نجات سے ہمکنار کرنے والی نماز کی طرف بلانے کے لیے ہیں۔

(۶) اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ کسی کی عبادت اس کی جناب قدس کے لائق ہو۔

(۷) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی لامحالہ صرف اللہ تعالیٰ کی مستحق عبادت ہے۔ اگرچہ کسی سے ایسی عبادت نہیں ہو سکتی جو اس کی جناب قدس کے لائق ہو۔

شان نماز کی بزرگی ان کلمات سے معلوم کرنی چاہیے جو نماز سے آگاہ کرنے کے لیے معین کیے ہیں۔

سالے[1] کہ نکوست از بہارش پیداست

اللھم اجعلنی من المصلین المفلحین بحرمۃ سید المرسلین علیہ و علیھم الصلوات والتسلیمات اتمھا و اکملھا.

---

[1] سال کی اچھائی، بہار کی اچھائی کی وجہ سے ہے۔

مکتوب نمبر (۳۰۴)

مولانا[۲] عبدالحی کی طرف صادر فرمایا

ان اعمال صالحہ کے بیان میں جن سے اللہ تعالیٰ نے اکثر آیات قرآنی میں وعدہ دخول جنت وابستہ کیا ہے اور ادائے شکر اور نماز کے بعض اسرار و معانی کے بیان میں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ' اے عزیز اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند کرے۔ جان کہ یہ فقیر ایک مدّت تک اس تردّد میں رہا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اکثر آیات قرآنی میں جن اعمال صالحہ کے ساتھ وعدہ دخول جنت مربوط فرمایا ہے۔ وہ تمام اعمال صالحہ میں یا بعض۔ اگر تمام مراد ہیں تو بہت دشوار ہے۔ کیونکہ کم ہی کسی کو تمام اعمال صالحہ کے بجالانے کی توفیق ملتی ہے۔ اور اگر بعض اعمال صالحہ مراد ہیں تو وہ غیر معین اور مجہول ہیں۔ آخر کار محض فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے دل میں یہ بات آئی کہ شاید ان اعمال صالحہ سے مراد اسلام کے ارکان خمسہ ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ امید ہے کہ اگر یہ پانچ ارکان پورے طور پر ادا ہو جائیں' نجات و فلاح حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ پانچ ارکان اعمال صالحہ بھی ہیں۔ اور سیئات و منکرات سے باز بھی رکھتے ہیں۔

آیت کریمہ:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط	بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔

اس معنی کی گواہ ہے۔ اور جب ان پانچ بنائے اسلام کے ادا کرنے کی توفیق میسر آ گئی۔ تو امید ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا ہو گیا۔ اور جب شکر ادا ہو گیا' تو عذاب سے نجات حاصل ہو گئی۔

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ط	اللہ تعالیٰ تمہیں کیوں عذاب دے گا اگر تم شکر گزار بنو۔ اور ایمان لاؤ۔

اس لیے ان پانچ ارکان کی بجا آوری میں جان و دل سے کوشش کرنی چاہیے۔ خاص کر نماز قائم کرنے میں۔ کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ حتی القدور اس کے کسی مستحب کے چھوڑنے پر بھی راضی نہ ہوں۔ اگر نماز مکمل کر

---

[۲] حضرت مولانا موصوف بلاد اصفہان کے علاقہ شادمان کے باشندے تھے۔ مسکین الطبع اور خاموش مزاج انسان تھے۔ آپ سالہا سال تک آستانہ عالیہ مجددیہ میں رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے بہت سے خوارق دیکھے۔ اور اسرار و رموز کی بہت سی باتیں سنیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر رشد و ہدایت کی خاطر شہر پٹنہ میں بھیجا وہاں آپ نے فرائض تبلیغ باحسن وجوہ انجام دیے۔ (زبدۃ المقامات)

[۱] سورۃ عنکبوت' پارہ ۲۱۔ [۲] سورۃ النساء' پارہ ۵

لی تو اسلام کا رکن عظیم ہاتھ میں آ گیا۔ اور نجات کے لیے مضبوط رسی ہاتھ آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

اے عزیز جان لے کہ نماز میں تکبیر اُولیٰ خدا تعالیٰ وتقدس کی عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے بے نیازی اور شان کبریائی کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ تکبیریں جو ارکان نماز کے بعد ہیں۔ وہ جناب قدس خداوندی کی عبادت کے لیے ہر رکن کے ادا کرنے کی عدم لیاقت کے رموز واشارات ہیں۔ رکوع کی تسبیح میں جب کہ تکبیر کے معنیٰ ملحوظ تھے اس لیے رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہ فرمایا۔ بخلاف دو سجدوں کے کہ ان کی تسبیحات کے باوجود ان کے اوّل وآخر میں تکبیر کہنے کا فرمایا۔ تا کہ کوئی شخص اس وہم میں نہ پڑے۔ کہ سجدے میں جو نہایت پستی اور بہت عاجزی کرنے سے عبارت ہے۔ اور نہایت تذلل اور انکسار ہے حق عبادت ادا ہو جاتا ہے۔ اور اس وہم کے دور کرنے کے لیے سجدے کی تسبیح میں لفظ اعلیٰ بھی اختیار فرمایا گیا۔ اور تکرار تکبیر بھی مسنون قرار پایا۔ اور چونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس لیے نماز کے آخر میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ جن کلمات سے حضور نبی اکرم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج مشرف ہوئے تھے۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے' کہ نماز کو اپنا معراج بنائے۔ اور نہایت قرب نماز میں تلاش کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَقْرَبُ [1] مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ۔ بندے کو اپنے پروردگار کا بہت زیادہ قرب نماز میں نصیب ہوتا ہے۔

اور نمازی چونکہ رب تعالیٰ عزّ وجل شانہٗ سے راز و نیاز میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی عظمت وجلال کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ اس لیے ادائے نماز کا وقت وہ مقام ہے۔ کہ اس میں خوف اور ہیبت پیدا ہو۔ اسی لیے نمازی کی تسکین کے لیے نماز کا اختتام دونوں طرف سے فرمایا۔

اور وہ جو حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ نمازی فرض نماز کے بعد سو ۱۰۰ دفعہ سبحانہ اللہ' اور الحمد للہ اور اللہ اکبر اور کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھے۔ فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ ادائے نماز میں جو کوتاہی اور کمی واقع ہوتی ہے' اس کا تدارک تسبیح وتکبیر سے کرنا چاہیے۔ اور نالائقی اور اپنی عبادت کے ناتمام ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے۔ اور چوں کہ عبادت کی ادائیگی اس بلند ذات کی توفیق سے میسر آئی ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکر الحمد للہ کے

---

[1] مثلاً ابوداؤد اور نسائی شریف بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

[2] چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو نمازی ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ' اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھتا ہے۔ اور یہ ایک کم سو' (۱۰۰)' تسبیحات ہوئیں۔ اور پورا سو (۱۰۰) کرنے کے لیے ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر پڑھتا ہے۔ اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔ اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم)

وظیفے سے بجالانا چاہیے۔اور عبادت کا مستحق اس کے سوا کسی کو نہیں جاننا چاہیے۔

امید ہے کہ جب نماز کی ادائیگی شرائط وآداب کے ساتھ واقع ہوگی۔اور اس کے بعد کوتاہی کی تلافی اور نعمت توفیق کا شکر اور اس بلند ذات کے غیر کے مستحق عبادت ہونے کی نفی ان کلمات طیبہ کے ذریعہ خلوص قلب کے ساتھ کی جائے گی۔تو وہ نماز خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق ہو جائے گی اور ایسی نماز ادا کرنے والا' فلاح پانے والا نمازی قرار پائے گا۔اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات مجھے فلاح پانے والے نمازیوں میں سے کردے۔

مکتوب نمبر (۳۰۵)

میر محب اللہ کی طرف صادر فرمایا۔

نماز کے اسرار اور مقتدی اور عام آدمی کی نماز اور منتہی کی نماز کے فرق اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اللہ تعالیٰ تجھے رشد وہدایت عطا کرے' جان لے کہ نماز کا ٹھیک ہونا۔اور اس کا کمال فقیر کے نزدیک فرائض اور واجبات سنن اور مستحبات نماز کا اس طرح بجالانا ہے۔جس کا بیان فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے۔ان چار امور کے علاوہ کوئی اور اینا نہیں جس کا نماز کے کامل ہونے میں دخل ہو۔نماز میں خشوع اور خضوع بھی انہی چار امور میں درج ہے۔اور حضور قلب بھی انہی چار امور سے وابستہ ہے۔

ایک گروہ نے ان امور کے صرف علم پر کفایت کی ہے۔اور عمل میں سُستی اور کاہلی میں پڑ کر کمالات نماز سے تھوڑا حصہ حاصل کرتے ہیں۔

اور ایک دوسرا گروہ حق سبحانہٗ کی طرف صرف حضور قلب کا اہتمام کر کے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھنے والے مستحبات کا خیال کم کرتے ہیں۔اور صرف فرائض اور سنن پر اکتفا کرتے ہیں۔یہ لوگ بھی حقیقت نماز سے آگاہ نہیں ہو سکے۔کیونکہ نماز کے کمال کو غیر نماز میں تلاش کرتے ہیں۔کیونکہ حضور قلب کو احکام نماز میں سے شمار[1] نہیں کرتے۔

اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ:

لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ ۲ نہیں نماز مگر حضور قلب سے۔

---

[1] بلکہ نماز کو صرف حضور قلب میں منحصر قرار دیتے ہیں۔اور حضور قلب کو کافی جانتے ہوئے واجبات اور مستحبات نماز کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ اس حدیث میں حضور قلب سے مراد ان چار امور کا حضور قلب مراد ہو۔ تا کہ ان چار امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں فتور واقع نہ ہو۔ اس حضور قلب کے علاوہ کوئی اور حضور اس وقت فقیر کے ذہن میں نہیں آتا۔

سوال: جبکہ نماز کی درستی اور اس کا کمال ان چار امور کے بجالانے سے وابستہ ہے۔ اور ان چار کے علاوہ کوئی اور چیز کمال نماز میں ملحوظ نہیں' تو پھر منتہی اور مبتدی کی نماز بلکہ عام آدمی کی نماز مین جس میں ان چار چیزوں کو بجالایا گیا ہو۔ کیا فرق ہوگا؟

جواب: فرق عمل کرنے والے کی طرف سے ہے' نہ عمل کی راہ سے۔ ایک عمل کا اجر وثواب عمل کرنے والوں کے تفاوت سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ عمل جو مقبول اور محبوب عامل سے واقع ہوتا ہے۔ اس کا اجر کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس اجر وثواب سے جو ایسے عامل کے غیر کے کام پر مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ عمل کرنے والا جس قدر عظیم القدر ہوتا ہے۔ اس کا عمل بھی بہت زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے۔ یہیں سے کہنے والوں نے کہا۔ کہ عارف کا نمائشی عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے۔ چہ جائے کہ عارف کا عمل جو اخلاص سے واقع ہو۔ اسی لیے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو اور فراموشی کو اپنے صواب اور قصد سے بہتر جانتے ہوئے حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے سہو کی چاہت فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''کاش کہ میں محمد ﷺ کا سہو ہوتا۔''

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرزو کرتے ہیں۔ کہ آپؓ مکمل طور پر نبی پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہو ہوں۔ تو آپ اپنے تمام اعمال واحوال کو آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے عمل سہو سے کم جانتے ہیں۔ اور پوری آرزو کے ساتھ اپنی تمام نیکیوں کے لیے نبی پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجہ سہو کی درخواست کرتے ہیں۔ اور حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سہو کی مثال یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ نے بطور سہو چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ جیسا کہ روایت[1] میں آچکا ہے۔

پس منتہی کی نماز پر دنیوی نتائج وثمرات کے باوجود آخرت کا کثیر اجر وثواب مرتب ہوتا ہے۔ بخلاف مبتدی اور عام آدمی کی نماز کے۔ ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

یہ فقیر منتہی کی نماز کے خصائص کا تھوڑا سا حصہ ظاہر کرتا ہے۔ اس سے قیاس کرلیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی شخص نماز میں قرأت قرآن کے وقت اور تسبیحات وتکبیرات کے بجالانے میں اپنی زبان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی مانند مانا ہے۔ (جس سے اللہ کی آواز آرہی تھی) اور اپنے قویٰ اور اعضا کو آلات اور وسائل

[1] بخاری اور مسلم شریف میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ واقعہ مذکور ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ اور کبھی یوں پاتا ہے کہ ادائے نماز کے وقت باطن اور حقیقت کا مکمل طور پر ظاہر اور صورت سے تعلق کٹ کر عالم غیب سے مل چکا ہے۔ اور غیب سے مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر لی ہے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر پھر اس طرف رجوع کیا ہے۔

دوسرا جواب: ہم یہ کہتے ہیں کہ مذکور چار امور کا مکمل اور پورے طور پر بجالانا منتہی کا ہی حصہ ہے۔ مبتدی اور عام آدمی اس سے دور ہیں۔ کہ انہیں کامل اور پورے طور پر ان امور کے بجالانے کی توفیق حاصل ہو۔ اگرچہ ممکن اور جائز ہے کہ ایسا ہو جائے۔ کیونکہ خاشعین کے سوا دوسروں کے لیے نماز کا بجالانا بھاری اور مشکل ہے۔ اور ہر متبع ہدایت سلامتی سے سرفراز ہو۔

مکتوب نمبر (۳۰۶)

مولانا صالح کی طرف صادر فرمایا:

حقائق آگاہ معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمت والمغفران اور مرحوم و مغفور مخدوم زادگان محمد فرخ و محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب اور کمالات کے بیان میں۔ اور اس مکتوب کے اختتام پر ارباب ولایت کی فنا کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ اور یہ امر بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرب نبوت میں اس فنا کی کچھ حاجت نہیں۔ اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ میرے بھائی ملا صالح نے اہل سرہند کے واقعات سن لیے ہوں گے۔ میرے فرزند کلاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ سفرِ آخرت اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سبحانہ کا شکر ہے کہ پہلے پس ماندگان کو قوت صبر عطا فرمائی ہے۔ پھر اس حادثے کے اثر کو بالکل ہی ٹھنڈا کر دیا ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے۔

من[1] از تو روئے نہ پیچیم گرم بیا زاری
کہ خوش بودز عزیزان تحمل و خواری!

میرا فرزند مرحوم اللہ جل وعلیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت۔ اس نے اس چوبیس (۲۴) سالہ زندگی میں وہ کچھ پایا جو کم ہی کسی نے پایا ہوگا۔ مرتبہ مولویت اور علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس کو اس حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف اور اسی طرح کی

---

[1] میں تجھ سے منہ نہیں پھیروں گا۔ اگرچہ تو مجھے تکلیف ہی پہنچائے۔ کیونکہ دوستوں کا بوجھ اُٹھانا اور ان کی طرف سے خواری برداشت کرنا بہت اچھی بات ہے۔

اور کتابوں کا پوری قدرت سے درس دے سکتے تھے۔ اور معرفت وعرفان کی حکایات اور ان کے شہود اور کشفوں کے قصے اس سے بے نیاز ہیں کہ بیان میں لائے جائیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں اس پر حال کا ایسا غلبہ ہوا کہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ اس کے حال کی تسکین کے علاج کے طور پر بازاری کھانے جو مشکوک اور مشتبہ ہوتے ہیں۔ اس کو دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ جو محبت مجھے محمد صادق سے ہے۔ کسی سے نہیں اور اسی طرح اسے جو محبت ہم سے ہے کسی کے ساتھ نہیں اس بات سے اس فرزند مرحوم کی بزرگی کو پانا چاہیے۔ اس نے ولایت موسوی کو نقطہ آخری پر پہنچا دیا تھا۔ اور اس بلند ولایت کے عجائب وغرائب کو بیان کیا کرتا تھا۔ اور ہمیشہ فروتن متواضع خدا کی بارگاہ میں التجا کرنے والا' زاری کرنے والا' اپنے آپ کو خوار رکھنے والا اور شکستہ دل رہتا تھا۔ اور فرمایا کرتا تھا کہ اولیاء اللہ میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ایک نہ ایک چیز مانگی ہے۔ اور میں نے التجا اور زاری مانگی ہے۔

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھے۔ جو گیارہ سال کی عمر میں طالب علم ہو چکا تھا۔ کافیہ پڑھتا تھا۔ اور شعور اور سمجھ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اور ہمیشہ عذاب آخرت سے ترساں اور لرزاں رہتا تھا۔ اور دُعا کیا کرتا تھا۔ کہ بچپن کی عمر میں ہی کمینی دنیا کو الوداع کہہ دے' تا کہ عذاب آخرت سے نجات پائے۔ اور مرض موت میں جو دوست اس کی تیمارداری کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے عجائب آخرت سے نجات پائے۔ اور مرض موت میں جو دوست اس کی تیمارداری کرتے تھے۔ انہوں نے اس کے عجائب وغرائب کا مشاہدہ کیا۔ اور آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے محمد عیسیٰ کی کرامات وخوارق جو دیکھیں ان کے متعلق کیا لکھے۔ مختصر یہ کہ یہ تینوں بیٹے نفیس موتی تھے' جو امانت کے طور پر ہمارے حوالے کیے گئے۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے' کہ امانت والوں کی امانتوں کو بخوشی اور بلا جبر ہم نے ان کے حوالے کر دیا۔ اے اللہ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر۔

از ہر چہ میرو سخن دوست خوش تر است[1]

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ فنا سے مقصود جو حق سبحانہٗ کے ماسوا کی فراموشی سے عبارت ہے' یہ ہے کہ اس بلند ذات کے ماسوا کی محبت اور گرفتاری زائل ہو جائے۔ کیونکہ جب ذوات' صفات اور اشیا کے افعال دید ودانش سے زائل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کی محبت اور گرفتاری بھی لازماً رو بہ زوال ہو جاتی ہے اور طریق ولایت میں حق تعالیٰ جل وعلیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے نکلنے کے لیے ماسویٰ کی فراموشی سے چارہ نہیں۔ اور قرب نبوت کے مدارج میں اشیا کی گرفتاری سے نکلنے کے لیے اشیا کے نسیان کی کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ قرب نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری جو فی نفسہٖ اچھی اور دل پسند ہے اس بات کو باقی نہیں رہنے دیتی کہ اشیا کے ساتھ گرفتاری جو اپنی ذات

[1] دوست کی بات جس طرف سے بھی چلے اچھی لگتی ہے۔

میں قبیح اور غیر مستحسن ہیں۔ کوئی نام ونشان باقی رہنے دے۔ اشیا سے فراموشی ہو یا نہ ہو۔ اس لیے کہ اشیا کے علم نے اشیا کے ساتھ گرفتاری کی وجہ سے اور جناب قدس خداوند عزّ وجل شانہٗ سے روگردانی کو مستلزم ہونے کی وجہ سے مذمت کی صفت پیدا کر لی تھی۔ اور جب اشیا کے ساتھ گرفتاری نہ رہی تو اشیا کا علم بھی مذموم نہ رہا۔ اشیا کو علم کیسے مذموم ہو سکتا ہے۔ جب کہ سب اشیا حق جل سلطانہٗ کے علم میں بھی ہیں۔ اور اشیا کا علم صفات کاملہ سے ہے۔

سوال: کوئی اگر یہ کہے' کہ جب حق جل وعلیٰ کے ماسویٰ کا علم زائل نہ ہو۔ تو حق جل وعلیٰ کا علم ماسوائے حق جل شانہٗ کے علم کے ساتھ ایک وقت میں کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس بلند ذات کے ماسوا کے نسیان اور فراموشی سے چارہ نہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں' کہ جو علم اشیا سے تعلق رکھتے ہے۔ علم حصولی کی جنس سے ہے۔ اور جو علم حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ علم حضور کے مشابہ ہے۔ لہٰذا دونوں علم بہ یک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ خرابی اس وقت لازم آتی ہے۔ جبکہ دونوں علم حصولی ہوں۔ اور یہ جو ہم نے کہا کہ علم حصولی کی جنس اور علم حصولی کے مشابہ ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ وہاں نہ حقیقت حصول ہے اور نہ گنجائش حضور۔ اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا علم جو اشیا سے تعلق رکھتی ہے۔ حصولی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ممکنات کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں حلول اور حصول نہیں ہو سکتا۔ اور اس عارف کا علم اس علم کا پرتو ہے۔ اور جو علم حضرت حق سُبحانہٗ سے متعلق ہے۔ اسے حضور بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ تبارک وتعالیٰ مُدرک سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ علم حضوری اس علم کی نسبت علم حصولی کی طرح ہے یہ نسبت علم حضور کے یہ معرفت عقل وفکر کی نظر سے بلند ہے۔ جس نے نہیں چکھا وہ نہیں جانتا۔ پس ثابت ہو گیا۔ کہ اشیا کا علم حق جل وعلیٰ کے علم کے منافی نہیں۔ پس نسیان اشیا کی کچھ حاجت نہیں۔ بخلاف طریق ولایت کے کہ اشیا سے گرفتاری سے نجات پانا اشیا کے نسیان کے بغیر متصور نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت میں ظلال کے ساتھ گرفتاری ہوتی ہے۔ اور ظلال کی گرفتاری کے لیے اس قدر قوت نہیں ہے۔ کہ علم اسیا کے باوجود اشیا کی گرفتاری کو زائل کر سکے۔ لہٰذا اولاً نسیان اشیا سے چارہ نہیں' تا کہ گرفتاری سے نجات ملے۔ یہ وہ معرفت ہے جو اس درویش کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے کسی بھی اس کا اظہار نہیں فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں اُس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا' بے شک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ تشریف لائے۔

مکتوب (۳۰۷)

مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا۔

کلمہ طیبہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کے معنی اور اس سے مناسب باتوں کے بیان میں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

حمد وصلوٰۃ کے بعد جاننا چاہیے۔ کہ عبادت کرنے والا ادائے عبادت کے وقت اپنی عبادت میں حسن و کمال کی جنس میں سے کچھ پاتا ہے۔ وہ سب توفیق خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف لوٹتا ہے اور اس بلند ذات کی حسن تربیت اور اس کا احسان ہے۔ اور اپنی عبادت میں کوتاہی اور ناتمامی کی جنس سے جو کچھ پاتا ہے۔ وہ اس کے نفس کی طرف لوٹتا ہے۔ اور اس کی فطری شرارت سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف نقص وقصور میں سے کوئی چیز نہیں لوٹ سکتی وہاں سب خیر وکمال ہے اسی طرح جہان میں جو حسن وکمال بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف لوٹتا ہے اور جہان کا شر ونقص دائرہ ممکنات کی طرف عود کرتا ہے۔ جو نیستی میں قدم راسخ رکھتا ہے۔ اور عدم ہر شر ونقص کا منشا ہے۔ کلمہ طیبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ بہت جامع طریقے سے ان دو چیزوں کا بیان فرماتا ہے۔ اور شرور ونقائص سے جو اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق نہیں ہیں۔ کمال تنزیہہ وتقدیس ظاہر کرتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی صفات اور اس کے اچھے افعال اور اس کے بڑے بڑے انعامات واحسانات پر شکر کی ادائیگی عبادت حمد کے ساتھ جو ہر شکر کا سردار ہے' کرتا ہے۔

یہیں سے ہے جو حدیث نبوی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں آیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ طیبہ کو دن یا رات میں ایک سو بار پڑھتا ہے۔ تو کوئی بھی شخص اس دن یا اس رات میں اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ مگر صرف وہ شخص جو یہ کلمہ طیبہ پڑھے۔ کیسے برابر ہوسکتا ہے' کیونکہ اس کا ہر عمل وعبادت شکر ہائے خداوند جل سلطانہٗ میں سے ایک شکر کی ادائیگی ہے۔ جو اس کلمہ طیبہ کے ایک جزو سے ادا ہوتا ہے۔ اور اس کا دوسرا جزو جو اس بلند ذات کی تنزیہ وتقدیس ظاہر کرتا ہے۔ علیحدہ ہے۔ تو تم پر لازم ہے کہ اس کلمہ طیبہ کو دن اور رات میں سو دفعہ پڑھا کرو۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی توفیق فرمانے والا ہے۔

سوال: حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں آیا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔	پاک ہے اللہ اور اس کی حمد ہے۔ تیری مخلوق کی تعداد کی مقدار میں۔ اور ایسی حمد وتسبیح جو اس کی رضا کے مطابق ہو۔ اور عرش کے وزن جتنی ہو۔ اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر ہو۔

(مشکوٰۃ' بحوالہ مسلم شریف)

اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ مِلْءَ الْمِيْزَانِ۔ میں اللہ کی ایسی تسبیح کرتا ہوں جو میزان کو بھر دے۔

اور یوں بھی آیا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَضْعَافَ مَاحَمِدَه' جَمِيْعُ خَلْقِهٖ۔ اللہ ہی کے لیے تعریفیں ہیں۔ اُس سے کئی گنا زیادہ جو اس کی تمام مخلوق نے کی ہیں۔

حالانکہ کہنے والے نے یہ کلمات صرف ایک بار کہے ہوتے ہیں۔ ایک سے زیادہ بار نہیں کہے ہوتے' تو اس کو عَدَدَ خَلْقِهٖ کس اعتبار سے کہتے ہیں۔ اور رِضَا نَفْسِهٖ کسی معنی سے کہا جاتا ہے وَزِنَةَ عَرْشِهٖ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور مِدَادَ كَلِمٰتِهٖ کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔ اور میزان کو کیسے پُر کر سکتا ہے۔ اور اَضْعَافَ مَاحَمِدَه' جَمِيْعُ خَلْقِهٖ کس معنی کے مطابق کیا جاتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ انسان عالم خلق اور عالم امر کا جامع ہے۔ جو کچھ خلق اور امر میں ہے۔ وہ انسان میں ہے اور انسان میں اس سے کچھ زائد بھی ہے۔ اور وہ اس کی ہیئت وحدانی ہے۔ جو خلق و امر کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ ہیئت وحدانی انسان کے بغیر کسی کو بھی میسر نہیں ہوئی ہے۔ اور یہ ہیئت اجنبی قسم کا اُعجوبہ ہے۔ اور عجیب قسم کا نمونہ ہے۔ لہٰذا جو حمد انسان سے صادر ہوتی ہے۔ وہ تمام مخلوق کی حمد سے کئی گناہ زیادہ ہوگی۔ اور اسی قیاس پر باقی سوالات کا حل ہے۔ تو جمع خلق سے مراد انسان کے ماسوا مخلوق لی جائے گی۔ اور اسی قیاس پر باقی سوالات کا حل ہے۔ تو جمع خلق سے مراد انسان کے ماسوا مخلوق لی جائے گی۔ اور اگر انسان کو بھی داخل کر لیں۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ انسان کامل جس طرح تمام افراد عالم کو اپنے اجزا پاتا ہے۔ انسان کو بھی اپنے اجزا پاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو سب کا کل جانتا ہے۔ اس صورت میں اپنی حمد کو اپنی حمد کے کئی گنا زیادہ پاتا ہے اور تمام افراد انسانی کی حمد سے بھی کئی گنا زیادہ پائے گا۔

اور سلامتی کا نزول ہو ہر اس شخص پر جو متبع ہدایت اور مصطفٰے علیہ وعلٰی آلہ من الصلوٰۃ اتمہا من التحیات اکملہا کی متابعت کو لازم جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۳۰۸)

مولانا فیض اللہ پانی پتی کی طرف صادر فرمایا:

درج ذیل حدیث نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والسلام کے معنی کے بیان میں:

كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ	دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں۔ میزان میں
فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ	بھاری ہیں۔ خدائے رحمٰن کو پیارے ہیں۔
سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ	سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔
الْعَظِيْمِ۔	

اللہ تعالیٰ تجھے رشد وہدایت عطا فرمائے۔ جان لے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں۔ جو زبان پر ہلکے ہیں۔ میزان میں بھاری ہیں۔ خدائے رحمان کو پیارے ہیں۔

ان کے زبان پر ہلکا ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے۔ کہ ان کے حروف تھوڑے ہیں۔ اور ان کے میزان میں بھاری ہونے اور خدائے رحمان کو پیارے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمے کی جز اوّل (سبحان اللہ) ان تمام چیزوں سے جو اس کی جناب قدس عزّ وجل کے لائق نہیں ہیں۔ سے اس کی بلند ذات کی تنزیہہ اور تقدیس کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کی جناب کبریا کا صفات نقص اور حدوث وزوال کے نشانات سے پاک ہونا ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کلمے کا دوسرا جز اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور شیونات جمال کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ چاہے وہ صفات و شیونات فضائل میں سے ہوں۔ یا فواضل میں سے۔ اور دونوں جزوں میں اضافت کو استغراق کے لیے بنانا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے تمام تنزیہات اور تقدیسات اور تمام صفات کمال و جمال کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ تو پہلے کلمے کی دونوں جزون کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ تمام تنزیہات اور تقدسیات اسی ذات سبحانہٗ کی طرف لوٹتی ہیں۔ اور تمام صفات کمال و جمال بھی اسی ذات عزوجل کے لیے ثابت ہیں۔ اور دوسرے کلمے کا حاصل یہ ہے کہ تمام تنزیہات اور تقدیسات اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اور عظمت اور کبریا کا اثبات میں اسی ذات عزوجل کے لیے ہے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اس بلند ذات سے نقائص کا مسلوب ہونا' صرف اس کی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا دونوں کلمے میزان میں بھاری ہوں گے۔ اور خدا کو پیارے ہیں۔

نیز تسبیح توبہ کی چابی بلکہ اس کا نچوڑ اور اس کا خلاصہ ہے۔ جیسا کہ میں بعض مکاتیب میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ تو تسبیح گناہوں کو مٹانے اور خطاؤں کے معاف کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس بنا پر بھی یہ میزان میں بھاری ہے۔ اور حسنات کے پلے کو جھکانے والی ہے۔ اور خدا کو پیاری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی اور درگزر کر پسند کرتا ہے۔

نیز جبکہ تسبیح اور حمد کرنے والے نے اس کی جناب قدس کو اس کی شان کے خلاف چیزوں سے منزہ ظاہر کیا۔ اور اس بلند ذات کے لیے صفات کمال و جمال کو ثابت کیا۔ تو کریم اور بہت عطا کرنے والی ذات جل شانہ سے امید ہے کہ وہ بھی تسبیح کرنے والے کو غیر مناسب باتوں سے پاک اور منزہ کر دے۔ اور حمد کرنے والے میں صفاتِ کمال پیدا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ ط نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان کرنا۔

تو لازماً یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری ہیں۔ کیونکہ ان کے تکرار کے سبب گناہ مٹتے ہیں۔ اور خدائے رحمان کو پیارے ہیں۔ کیونکہ ان کے واسطے سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر (۳۰۹)

مولانا حاجی محمد فرکتی صادر فرمایا:

دن اور رات کے محاسبہ کے بیان میں جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ "اے لوگو اپنا محاسبہ کرو۔ اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ ہو۔"

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک گروہ نے محاسبے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور رات کو سونے سے کچھ پہلے اپنے اقوال' افعال اور اپنی روزمرّہ کی حرکات و سکنات کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور تفصیل کے ساتھ ہر ایک کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ اپنی تقصیرات اور برائیوں کا تدارک توبہ و استغفار اور التجا و تضرع سے کرتے ہیں۔ اور اپنے نیک اعمال و افعال کو توفیق خداوندی کی طرف لوٹاتے ہوئے خداوند تعالیٰ کی حمد اور اس کے شکر میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور صاحب فتوحات مکیہ قدس' سرہٗ جو محاسبہ کرنے والے گروہ میں سے ہوا ہے' فرماتا ہے۔ کہ میں اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ سے آگے ہوں۔ اور میں اپنے دل میں آنے والے خیالات اور اپنی نیتوں کا بھی محاسبہ کرتا ہوں۔

اور فقیر کے نزدیک سو دفعہ کلمہ سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اللہ اکبر سونے سے کچھ پہلے اس طرح پڑھ لینا جس طرح مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے ثابت ہے' محاسبے کا حکم رکھتا ہے اور محاسبے کا کام کرتا ہے۔ گویا کلمہ تسبیح کے تکرار سے جو توبہ کی چابی ہے۔ اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں سے بندہ عذر خواہی کرتا ہے۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کی طرف اس کی خطاؤں کے ارتکاب سے جو کچھ لوٹا تھا' اس کی تنزیہہ اور تقدیس کرتا ہے۔ کیونکہ سیئات (برائیوں) کا مرتکب اگر نیکی کے حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے خدائے پاک کی عظمت اور کبریائی کو ملحوظ خاطر اور اپنی نظر کے سامنے رکھتا تو ہرگز اس بلند ذات کے حکم کی خلاف ورزی میں جلدی نہ کرتا۔ اور جب اس نے اس کے حکم کی خلاف ورزی میں جلدی کی تو معلوم ہوا کہ اس بلند ذات کی امر و نہی اس مرتکب کے نزدیک کچھ شمار و اعتبار نہیں رکھتی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ لہٰذا کلمہ تنزیہہ سے اس کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ استغفار میں گناہ کا چھپانا ہوتا ہے۔ اور کلمہ تنزیہہ میں گناہ کی بیخ کنی کا مطالبہ ہے لہٰذا استغفار اور کلمہ تنزیہہ (سبحان اللہ) میں بہت فرق ہے۔ یہ عجیب کلمہ ہے کہ اس کے الفاظ بہت ہی کم ہیں' اور اس

کے معانی در منافع بہت ہی زیادہ ہیں۔

اور کلمہ تحمید (الحمد للہ) کی تکرار سے خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی توفیق کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور کلمہ تکبیر (اللہ اکبر) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بلند ذات کی جناب پاک اس سے بلند تر ہے کہ یہ عذر خواہی اور یہ شکر اس ذات جل شانہ کے شایانِ شان ہو کیونکہ بندے کی عذر خواہی اور اس کا استغفار خود عذر خواہی بہت زیادہ استغفار کا محتاج ہے۔ اور بندے کا شکر کرنا اور حمد کرنا خود اس کی اپنی ذات کی طرف لوٹتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥	پاک ہے تیرا رب عزت والا ان باتوں سے جو وہ کرتے ہیں اور تمام مرسلین پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلیئے ہیں۔

محاسبہ کرنے والے حضرات استغفار و شکر پر کفایت کرتے ہیں۔ اور ان کلمات قدسیہ سے استغفار کا کام بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور شکر کی بجا آوری بھی ہو جاتی ہے۔ اور استغفار و شکر کے ناقص ہونے کے اظہار کا اشارہ بھی میسّر آ جاتا ہے۔

ربنا تقبل منّا انک انت السّمیع العلیم ٥ و صلی اللّٰہ تعالٰی سیّدنا محمد و علٰی اٰلہ و صحبہ الطاھرین و سلم وبارک علیہ وعلیھم اجمعین٥

مکتوب نمبر (۳۱۰)

مولانا محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا:

انسان کی جامعیت اور اس مقام سے متعلق بعض پوشیدہ اسرار اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ انسان میں جو بھی کمالات ہیں سب کے سب مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس سے مستفاد ہیں۔ اگر علم ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کے علم سے مستفاد ہے۔ اگر قدرت ہے تو وہ بھی اس مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ہر مرتبے کا کمال اس مرتبہ کے اندازہ کے مطابق ہے۔ انسان کا علم واجب تعالیٰ و تقدس کے سامنے مردے کا حکم رکھتا ہے جو زندہ کی نسبت جو حیات ابدی پا چکا ہو لاشے محض ہے۔ اسی طرح انسان کی قدرت واجب تعالیٰ و تقدس کی قدرت کے سامنے عنکبوت کا حکم رکھتی ہے۔ جو اپنے جال سے مکان بنائے اس شخص کے مقابلے میں جس کی ایک پھونک سے سب آسمان زمینیں' پہاڑ اور سمندر پارہ پارہ۔ اور ریزہ ریزہ ہو

جائیں۔ دوسرے کمالات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ مذکورہ فرق تنگی عبارت کے باعث بیان کیا جاتا ہے۔ ورنہ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تو انسان کے کمالات مرتبہ وجوب تعالیٰ وتقدس کے کمالات کی صورت کی مانند ہیں۔ اور ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے مشارکت سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا گیا:

اِنَّ[1] اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اور من عرف نفسه فقد عرف ربّه کا معنی بھی اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ نفس انسانی۔ میں ہے اگرچہ صورت ہے لیکن وہی ہے جس کی حقیقت مرتبہ وجوب تعالیٰ وتقدس میں حاصل ہے۔ یہاں سے انسان کی خلافت کا راز معلوم کرلو۔ کیونکہ شے کی صورت شے کا خلیفہ ہوتی ہے۔

اس مقام میں بے دین لوگوں اور خدا کو جسم ماننے والے گروہ نے گمان کیا ہے کہ خدائے عزوجل سلطانہٗ صورت انسان پر ہے۔ اور اپنی بے عقلی سے خدائے تعالیٰ کے لیے بھی ان لوگوں نے انسانی قوتیں اور اعضاء ثابت کیے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ان گمراہوں نے یہ نہ جانا کہ صورت ومثل کا اطلاق تشبیہ اور تمثیل کے قبیلہ سے ہے۔ بر سبیل تحقیق وثبیت نہیں کیونکہ اس صورت کی حقیقت ترکیب چاہتی ہے۔ اور تبعض و تجزی کی خواہاں ہے۔ جو منافی وجوب اور مانع قدم ہے۔ متشابہات قرآن بھی ظاہری معنوں پر نہیں بلکہ تاویل پر محمول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ط اور نہیں جانتا ان کی تاویل کو مگر اللہ۔

یعنی ان متشابہات کی تاویل اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو معلوم ہوا کہ متشابہات خدائے جل و علا کے نزدیک بھی تاویل پر محمول ہیں۔ ظاہری معنی پر محمول نہیں۔

اور علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے حصہ علما فرماتے ہیں۔ جس طرح علم غیب پر جو اس ذات سبحانہٗ کے ساتھ خاص ہے خاص رسولوں کو مطلع فرماتا ہے۔ اس تاویل کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ ید کی قدرت کے ساتھ تاویل کی طرح ہے۔ یا وجہ کی ذات کے ساتھ تاویل کے مانند ہے۔ اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ تاویل اسرار میں سے ہے جس کا علم اخص خواص کو عطا فرماتے ہیں۔

---

[1] اس حدیث کے معنی کی وضاحت کے لیے جلد اوّل کے مکتوب ۹۵ کے حاشیہ کا مطالعہ کریں۔

[1] سورۃ آل عمران پارہ تلک الرسل۔

[2] چنانچہ جن میں فرمایا گیا: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جاننا چاہیے کہ صاحب فتوحات مکیہ اور اس کے پیروکار کہتے ہیں کہ جس طرح واجب تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین ہیں۔ اسی طرح آپس میں بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ مثلاً علم جس طرح اس کی ذات کا عین ہے' اس کی قدرت کا بھی عین ہے۔ اور ارادے اور سمع اور بصر کا بھی یہی حال ہے۔ اسی طرح باقی صفات۔ یہ بات فقیر کے نزدیک صواب اور درستی سے دور ہے۔ اس لیے کہ یہ قول صفات زائدہ کی نفی پر مبنی ہے۔ اور صفات زائدہ کی نفی مذہب اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے۔ کیونکہ صفات ثمانیہ (۸) یا سبعہ (۷) ان بزرگوں کی آراء کے مطابق خارج میں موجود ہیں۔ شاید انہیں واجب تعالیٰ کی ذات وصفات کی عینیت کا وہم اس سے پیدا ہوا ہے کہ انہوں نے ذات وصفات واجب تعالیٰ کے مقام کی تغائر وتبائن کو ممکنات کے تغائر وتبائن کی طرح خیال کیا ہے۔ اور جب انہوں نے اُسے ممکنات کی ذات وصفات کے تغائر وتبائن کی طرح نہ پایا اور اس کے (ذات وصفات واجب) تمائز کو اس تمائز کے مشابہ نہ دیکھا تو خواہ مخواہ انہوں نے تغائر وتمائز کی نفی کر دی۔ اور ایک دوسرے کی عینیت کے قائل ہو گئے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ اُس حمل کا تغایر وتبائن واجب تعالیٰ کی ذات وصفات کی طرح

(بقیہ حاشیہ)

عالم الغیب فلا یُظھرُ علی غیبه احده الا من ارتضی من رسول ط

یعنی اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے غیب کا' تو نہیں واقف کرتا اپنے خاص غیب پر کسی کو مگر جسے پسند کرتا ہے۔ رسولوں میں سے۔

سورۃ آل عمران' پارہ لن تنالوالبر من فرمایا:

وما کان اللّٰه لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰه یجتبی مقن رُسُلهٖ مَن یشاء ط

اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم غیب پر مطلع کرے مگر وہ چن لیا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے۔

سورۃ النساء' پارہ والمحصنات میں فرمایا:

و علمک ما لم تکن تعلم ط

اور سکھا دیا اللہ نے تجھے اے نبی جو کچھ تو نہ جانتا تھا۔

مختصر یہ کہ یہ مسئلہ متعدد آیات قرآنی اور بے شمار احادیث صحیحہ سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص کر نبی اکرم ﷺ یہ عطائے الٰہی غیب جانتے تھے۔ انبیاء کے علم غیب عطائی کا انکار آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کا انکار ہے۔ اور جن آیات یا احادیث میں غیر خدا کے لیے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ وہ علم غیب ذاتی اور استقلالی کی نفی ہے۔ عطائی کی نفی نہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اس مکتوب میں اور بعض دوسرے مکاتیب میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر اس مسئلہ کی مزید تحقیق وتفصیل مطلوب ہو تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی کتاب الدولۃ المکیہ' خالص الاعتقاد' رسالہ انباء المصطفیٰ اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلمۃ العلیا اور رسالہ نجم الرحمٰن وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کی تصدیق اور ان کی عظمت وبزرگی کی سعادت سے سب کو سرفراز فرمائے۔ اور ضد وعناد اور بدعقیدگی سے بچائے۔ مترجم غفرلہٗ۔

بے مثل و بے کیف ہے۔ اور اس تمائز کو اس تمائز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ مگر صرف صورت اونام میں۔ پس اس مقام میں تبائن و تمائز موجود ہے۔ لیکن ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ نہ یہ کہ جس چیز کا ہم ادراک نہ کر سکیں اس کی نفی کر دیں۔ اور اہل حق کے مخالف ہو جائیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مکتوب نمبر (۳۱۱)

مظہر فیض الٰہی اور منظر اسرار نامتناہی مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

بطور رمز و اشارہ پوشیدہ اسرار نادر حقائق کے بیان میں۔

یہ اسرار حروف مقطعات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو قرآنی متشابہات ہیں۔ کہ علمائے راسخین کو ان کی تاویل پر آگاہ کیا گیا ہے۔

ہائے دو چشمی است مربّی ما ہم چو الف رب حبیب خُدا
لام مربی خلیل اللہ است میم زتدبیر کلیم اگہ است!

حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاروبار کے مبداء الف کی حقیقت ہے۔ اور اس فقیر کے معاملے کا مبداء بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر یہی حقیقت الف ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰ والسلام کا رجوع حقیقت میم کی طرف ہے۔ اور اس فقیر کا رجوع ہائے دو چشمی کی حقیقت کی طرف۔ اس وقت میرا مرجع اور میری پناہ یہی ہا کی حقیقت ہے۔ یہ حقیقت وہی ہے کہ جسے غیب ہویت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت رحمت کا خزانہ ہے۔ ایک رحمت جو دنیا میں پھیلائی گئی ہے۔ اور ۹۹ رحمتیں جو آخرت کے لیے بطور ذخیرہ امانت کے طور پر رکھی گئی ہیں۔ ان سب کی یہی حقیقت ہے۔ گویا اس مخزن رحمت کا ایک چشمہ دنیا ہے۔ اور خزانہ رحمت کا دوسرا چشمہ آخرت ہے۔ ارحم الراحمین کی صفت اسی حقیقت سے پھوٹتی ہے۔ آخرت میں صرف جمال کا ظہور ہے۔ جس کی طرف جلال کے شائبے نے بھی راہ نہیں پائی۔ دنیا میں دوستوں کو محنت اور غم کی قسم سے جو بھی دیتے ہیں۔ جلال کی صورت میں جمال کی تربیت ہی ظاہر ہوئی ہے۔ اور دنیا میں دشمنوں کو نعمت اور سرور کی جنس سے جو کچھ دیتے ہیں وہ دراصل جمال کی صورت میں جلال کر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی اللہ جل جلالہ کی خفیہ تدبیر ہے۔ جس کے ساتھ بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے' اور بہت کم ہدایت کرتا ہے۔

اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کاروبار کا مبداء وہ حقیقت ہے۔ جو الف کی حقیقت سے اوپر ہے۔ اور اسی طرح حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء بھی وہی فوقانی حقیقت ہے۔

ا (۱) دو چشمی ہائے ہماری مربی ہے۔ جس طرح الف حبیب خدا کا مربی ہے۔

(۲) لام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مربی ہے۔ اور میم کلیم اللہ کی تدبیر سے آگاہ ہے۔

غایت مافی الباب یہ ہے کہ حضرت خاتم الرسل کی حقیقت کا مبداء اس حقیقت کا اجمال ہے۔ اور حضرت خلیل کی حقیقت کا مبداء اس حقیقت کی تفصیل ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اتمہا واکملہا۔ اور حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا رجوع حقیقت الف کی طرح ہے۔ اور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا رجوع حقیقت لام کی طرح۔ ہاں اجمال کی وحدت کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے۔ اس بنا پر لازماً الف کی طرف رجوع میسر آیا۔ جو وحدت کے قریب ہے۔ اور تفصیل کثرت کے ساتھ زیادہ تر مناسب رکھتی ہے۔ اس لیے اس کا رجوع لازماً لام کی طرف ہے۔ جو کثرت کے نزدیک ہے اسی بنا پر انہیں کثرت کے ساتھ مناسبت حاصل ہوئی۔

پس حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام مبتداء میں بھی کثیر البرکت ہیں۔ اور معاد اور مرجع میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وہ صلوٰۃ اور برکت جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰۃ وبرکت کی طرح ہو اللہ سے اس کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اللہ کے اسماء میں کہ ان کا رُتبہ رُتبہ صفات سے اوپر ہے۔ حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا رب اسم مبارک اللہ ہے۔ تعالیٰ شانہٗ اور اس حقیر کا ربّ اسم مبارک الرحمٰن ہے۔ جل وعلا اور جب اس حقیر کو مبدائیت میں حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت ہے تو لازماً حضرت کلیم سے بہت سی برکات اس حقیر کو پہنچتی ہیں۔ اگرچہ اس حقیر کی ولایت موسوی ولایت نہیں ہے۔ تاہم اس ولایت کی برکات سے پُر ہے۔ اور بہت سی ترقیات اس راہ سے حاصل کی ہیں۔ اس حقیر نے اس ولایت سے جو استفادہ کیا ہے۔ اس ولایت کے راہ اجمال سے کیا ہے۔ اور میرے فرزند کلاں (خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ) علیہ الرحمۃ نے اس ولایت سے تفصیلاً استفادہ کیا ہے۔ اس فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی سے مستفاد ہے۔ اُس ولایت کے مشابہ ہے جو آل فرعون کے رُجلِ مومن کو حاصل تھی۔ اور میرے فرزند علیہ الرحمۃ کی ولایت فرعون کے جادوگروں کی ولایت کے مشابہ ہے۔ جو ایمان لائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۱۲)

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔ اور ان میں سے ایک سوال التحیات میں انگلی شہادت اٹھانے کی تحقیق ہے اور اس امر کا بیان ہے کہ اس بارے میں علمائے حنفیہ کا مختار مذہب کیا ہے؟

الحمد لِلّٰہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد المرسلین و علیٰ اخوانہٖ من الانبیاء والمرسلین والملٰئکۃ المقربین وعلی عباد اللّٰہ الصلحین اجمعین۔

آپ نے جو مکتوب شریف ملّا محمود کے ہاتھ روانہ کیا تھا' موصول ہوا۔ اور بہت خوشی کا باعث ہوا۔

آپ نے پوچھا تھا۔ کہ علما فرماتے ہیں' کہ روضہ متبرکہ مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی زمین مکہ معظمہ سے زیادہ افضل ہے۔ صورت اور حقیقت کعبہ معظمہ۔ صورت و حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا مسجود ہونے کے باوجود روضہ متبرکہ کہ زمین کیسے افضل ہو سکتی ہے۔ مخدوم گرامی! جو چیز فقیر کے نزدیک ثابت ہے' یہ ہے۔ کہ تمام جگہوں سے افضل جگہ' کعبہ معظمہ ہے۔ اس کے بعد روضہ مقدسہ۔ مدینہ پاک علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔ اس کے بعد مکہ شریف کی زمین حرم (اللہ تعالیٰ اسے آفات سے محفوظ رکھے) علمائے نے اگر روضہ متبرکہ کو کعبہ معظمہ سے افضل کہا ہے تو اس سے انکی مراد کعبہ مقدسہ کی زمین کے علاوہ مکہ معظمہ کی زمین ہوگی۔

نیز آپ نے اشارہ وسبابہ کے اشارے کے جواز کے متعلق مولانا علم اللہ کا لکھا ہوا رسالہ بھیجا ہے۔ اس بارے میں آپ کی طرف سے کیا حکم ہے؟

مخدوم گرامی! احادیث نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام' جواز اشارہ سبابہ کے باب میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور اس باب میں فقہ حنفی کی بھی بعض روایات آئی ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے رسالے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور جب فقہ حنفی کی کتابوں میں اچھی طرح مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جواز اشارہ کی روایت اصول کے غیر اور ظاہر مذہب کے بھی غیر ہیں۔

اور وہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے' کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انگلی شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔ اور ہم بھی اس طرح کرتے ہیں۔ جس طرح حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے"

پھر امام محمد نے فرمایا:

"یہی میرا قول اور ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے"

روایات نوادر میں سے ہے نہ روایات اصول میں سے۔

قنادہ غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے۔ کیا نماز اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے؟ امام محمد نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔

اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں۔ اشارہ نہ کریں اور بعض کہتے ہیں کہ کریں۔ اور امام محمد نے غیر روایت اصول میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام اشارہ کرتے تھے پھر امام محمد نے اس بارے میں فرمایا۔ یہی میرا اور ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

اور کہا گیا ہے' کہ اشارہ سنت ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مستحب ہے۔ پھر فتاویٰ غریب والے نے فرمایا۔

یہ وہ ہے جو علما نے ذکر کیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اور مکروہ ہے' کہ نماز میں "اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ" پر انگشت سبابہ سے اشارہ کریں۔ یہی مختار مذہب ہے۔

اور کُبریٰ میں ہے' اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ اور فتاوی غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں۔ یہی مختار ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور جام الرموز میں ہے۔ نہ تو اشارہ کرے۔ اور نہ گرہ لگائے۔ اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر اصول ہے۔ جیسا کہ زاہدی میں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ مضمرات اور دلوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے۔ اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے۔ کہ وہ سنت ہے۔ خزانۃ الروایت میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی آیا ہے۔ پھر جب تشہد شروع کرے۔ اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر پہنچے تو آیا دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اشارہ نہ کریں۔ اور کُبریٰ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں' کہ اشارہ کرے۔ اور غیاثیہ میں ہے' اور نہ اشارہ کرے۔ انگشت سبابہ کے ساتھ تشہد کے وقت۔ یہی مختار ہے۔

جب کہ معتبر روایات میں اشارے کی حرمت واقع ہو چکی ہے اور اشارے کے مکروہ ہونے پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اشارہ اور گرہ لگانے سے علما روکتے ہیں۔ اور اسے اپنے اصحاب کا ظاہر اصول بتاتے ہیں۔ تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضا کے مطابق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں۔ اور اس قدر علما اور مجتہدین کے فتووں کے باوجود ایک حرام اور مکروہ اور ممنوع کام کا ارتکاب[1] کریں۔

حنفیہ میں سے اشارہ سبابہ کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان علمائے مجتہدین کے لیے جواز اشارہ میں معروف احادیث کا علم تسلیم نہیں کرتا۔ یا ان کو ان احادیث کا عالم جانتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لیے ان احادیث کے مطابق عمل جائز تسلیم نہیں کرتا۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے خیالات کے مطابق احادیث کے خلاف حرمت اور کراہت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ یہ دونوں شقیں فاسد ہیں۔ انہیں وہی فاسد قرار دے گا جو بے وقوف ہو یا ضدی اور ترغیب الصلوٰۃ میں جو لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی شہادت اُٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے۔ لیکن متاخرین علما نے اس سے روکا ہے۔ اس وجہ سے کہ جب رافضیوں نے اس میں غلو کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سُنی پر رافضی ہونے کی تہمت کو دُور کرنے کے لیے اسے ترک کرنا معتبر کتابوں کی روایت

---

[1] حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس بیان سے صاف واضح ہے کہ آپ تقلید میں نہایت پختہ اور راسخ تھے جو لوگ آپ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں۔ کہ آپ مسئلہ تقلید میں راسخ نہیں تھے۔ بلکہ آزادی پسند تھے۔ انہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس عبارت کو بار بار پڑھنا چاہیے۔ اور اس الزام سے باز رہنا چاہیے۔

کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد ہے۔ تو عدم اشارہ علمائے متقدمین کی سنت ہوئی۔ اور وجہ ترک نفی تہمت نہ قرار پائی۔ ان اکابر کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ ہے' کہ اس باب میں جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی۔ حرمت یا کراہت کا انہوں نے حکم نہیں لگایا۔ جب کہ اشارے کے سنت اور مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

هٰذَا مَا ذَكَرُوْا وَالصَّحِيْحُ اَنَّ الْاِشَارَةَ حَرَامٌ۔ یعنی یہ وہ ہے جو علما نے بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی سنیت اور استحباب کے دلائل ان بزرگوں کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچے۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ غایت مافی الباب ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابر میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ حلّت وحرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے۔ بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے۔ مجتہدین کے دلائل کو خانہ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور کہنا بہت جرأت ہے۔ اور اپنے علم کو ان اکابر کے علم پر ترجیح دینا اور اصحاب حنفیہ کے ظاہر اصوال کو باطل قرار دینا اور روایات معتبرہ مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے یہ اکابر احادیث کو قرب زمانہ نبوی' زیادتی علم اور ورع وتقویٰ سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہم دُور افتادوں سے بہتر جانتے تھے۔ اور احادیث کی صحت وسقم اور اُن کے نسخ وعدم نسخ کو ہم سے زیادہ پہنچانتے تھے۔ انہیں ضرور کوئی معتبر دلیل ملی ہوگی۔ تب ہی انہوں نے ان احادیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مقتضی کے موافق عمل نہیں کیا۔ ہم کم ہم اس قدر سمجھتے ہیں۔ کہ کیفیت اشارہ وعقد کی احادیث کے راوی آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اور ان کے کثرت اختلاف نے نفس اشارہ میں ہی اضطراب پیدا کر دیا ہے چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے اشارہ بغیر گروہ کے فرمایا ہے۔ اور جو عقد کے متعلق کہتے ہیں تو ان میں سے بھی بعض روایت کرتے ہیں۔ کہ ترپن (۵۳) کا عقد تھا۔ اور بعض دوسرے روایت کرتے ہیں کہ تیئیس (۲۳) کا عقد تھا۔ اور بعض نے خنصر (چھینگلیا) اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بند کرنے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر اشارہ سبابہ کی روایت کی۔ اور ایک روایت میں صرف انگوٹھے کو درمیانی اُنگلی پر رکھ دینے کو ہی اشارہ قرار دے دیا گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پہنچے کو پہنچے پر اور کلائی کو کلائی پر رکھ کر اشارہ کرتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ کرتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے' کہ اشارہ انگشت سبابہ کو حرکت دینے کے بغیر ہوتا تھا۔ اور بعض دوسری روایات حرکت کے ساتھ اشارے کا اثبات کرتی

ہیں۔ نیز بعض روایات میں واقع ہوا ہے۔ کہ تشہد پڑھنے کے وقت اشارہ فرماتے تھے۔ لیکن کس لفظ پر اشارہ فرماتے تھے۔ اس کا کوئی تعین نہیں۔ اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اشارہ کلمہ شہادت پڑھنے کے وقت ہوتا تھا۔ اور بعض دوسری روایات میں وقت دعا سے مقید کیا گیا ہے۔ جب کہ آپ فرماتے تھے۔

یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْب ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اور جب کہ علمائے حنفیہ نے اشارہ کے بجالانے میں راویوں کے اضطراب واختلاف کو دیکھا۔ تو نماز میں ایک زائد فعل خلاف قیاس کو ثابت نہیں کیا۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے۔ نیز حتی الامکان انگلیوں کو جانب قبلہ کی طرف رکھنا سنت ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

فَلْیُوَجِّہ مِنْ اَعْضَائِہِ الْقِبْلَۃَ مَا اسْتَطَاعَ۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے اعضا کو قبلے کی طرف پھیر لے۔

اگر یہ کہیں کہ اختلاف اس وقت اضطراب پیدا کرتا ہے۔ جبکہ درمیان میں موافقت ممکن نہ ہو۔ اور اس مسئلہ میں موافقت ممکن ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے۔ کہ تمام روایات کو اوقات مختلفہ میں کیا ہو۔ تو ہم جواب میں کہیں گے۔ کہ بہت سی روایت میں لفظ کَانَ واقع ہوا ہے۔ جو غیر مناطقہ کے نزدیک حروف کلیہ میں سے ہے۔ لہٰذا موافقت ممکن نہیں۔

اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ "اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو۔ اور حدیث پر عمل کرو۔" تو اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو۔ اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہے۔ اور اشارے کی احادیث اس قبیلہ سے نہیں۔ اور مشہور احادیث ہیں۔ اور نہ جاننے کا احتمال نہیں۔

سوال: اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے جواز اشارہ کا فتویٰ دیا ہے۔ لہٰذا متعارض فتاویٰ کے مطابق جس بات پر بھی عمل کرلیا جائے جائز ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز اور حلت وحرمت میں تعارض واقع ہو تو تعارض کی صورت میں ترجیح عدم جواز اور جانب کو ہوتی ہے۔ نیز شیخ ابن ہمام نے رفع یدین کی بحث میں فرمایا ہے۔ کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض ہیں۔ ہم قیاس کے ساتھ عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور خشوع پر ہے۔ جو بالاجماع مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

اور شیخ ابن ہمام پر تعجب ہے کہ اس نے کہا۔ کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول ہے۔ لیکن وہ روایت اور روایت کے خلاف ہے' کہ ابن ہمام نے علمائے مجتہدین کی طرف جاہل ہونے کی کس طرح نسبت

کردی۔ حالاں کہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں۔ جو شرع کا چوتھا اصل ہے۔ اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے۔ حالانکہ اسی شیخ نے قلتین کی حدیث کو راویوں کے کثرتِ اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

میرے فرزند ارشد محمد سعید اس بات میں ایک رسالہ لکھ رہے ہیں۔ تیار ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ ارسال کیا جائے گا۔

نیز آپ نے پوچھا تھا' کہ ہمارے طریقہ کے طالب ہر طرف سے جمع ہو چکے ہیں۔ کسی بھی مقام پر جرأت نہیں کی۔ اور کسی سے نہیں کہا۔ کہ سر حلقہ بنیں۔ جو اشارہ ہو۔ اور جسے اُس کام کے مناسب جائیں تو فرمادیں کہ سر حلقہ جماعت بن جائے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ کام تمہاری صواب دید کے سپرد ہے۔ استخارہ اور توجہ کے بعد حکم فرمادیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ۔

مکتوب نمبر (۳۱۳)

خواجہ محمد ہاشم کی طرف صادر فرمایا:

اس کے ان سوالات کے حل میں۔ جو اس نے لکھے تھے:

سوال ۱: کیا صحابہ کرام کے کمالات فنا و بقا اور سلوک و جذبہ کے ساتھ وابستہ تھے یا نہیں؟

سوال ۲: یہ ہے کہ بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور نقصان دہ جانتے ہیں۔ حالانکہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاضات شاقہ برداشت کیں؟

سوال ۳: یہ طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کیوں منسوب ہے؟

سوال ۴: ایک مکتوب میں آپ نے لکھا ہے کہ طالب کو ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف تصرف سے نہیں لایا جا سکتا۔ اور دوسرے مکتوب میں آپ نے فرمایا کہ اے محمد ہاشم میں تمہیں ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف لایا ہوں۔ ان دو متضاد باتوں میں کیسے موافقت ہو سکتی ہے؟

سوال ۵: کُرتہ پیش چاک پہننا چاہیے۔ یا وہ کُرتہ جس کا چاک سینے کی طرف نہ ہو۔ بلکہ حلقہ گریبان ہو؟

سوال ۶: نفی و اثبات کی توجہ۔ احدیت کی توجہ کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے؟

سوال ۷: جب نفی و اثبات کا ذکر دل سے کیا جائے۔ تو لا کو اوپر کی طرف کیوں لے جاتے ہیں اور اللہ کو دائیں جانب کیوں لاتے ہیں؟

اور اس مکتوب کے آخر میں پیر کے آداب کی رعایت کا بیان فرمایا ہے۔ اور فرمایا کہ مکتوبات شریف کے اس دفترِ اوّل کو اسی مکتوب پر ختم کریں۔ اور تین سو تیرہ کے عدد کی رعایت کریں۔ کیونکہ یہ عدد پیغمبران مرسل علیہم

الصلوٰۃ والتسلیمات اور اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عدد کے موافق ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس مکتوب کے خاتمہ میں مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمۃ والمغفر ان نے جو عرض داشتیں لکھی ہیں۔ لکھ دیں تا کہ انہیں پڑھنے والے دعا اور فاتحہ میں انہیں بھی یاد رکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ برادرم جناب خواجہ محمد ہاشم پر واضح ہو۔ کہ وہ سوالات جن کے حل کا مطالبہ آپ نے میر سید محب اللہ کے مکتوب میں کیا ہے۔ ان کے جواب میں جو کچھ معلوم تھا لکھ کر بھیج دیا گیا ہے۔

سوال اوّل کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرب الٰہی جل سلطانہٗ فنا فی اللہ و با بقا باللہ اور تمام مقامات جذبہ وسلوک کے طے کرنے کے مطابق ہے۔ صحابہ کرام حضرت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت سے اولیائے امت سے افضل ہو گئے۔ آیا انہیں یہ سیر وسلوک اور فنا و بقا اسی ایک صحبت میں میسر آ گیا یا صرف وہ ایک صحبت تمام سیر وسلوک سے افضل تھی۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام کی فنا و بقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی توجہ اور تصرف کی برکت سے تھی۔ یا صرف اسلام لانے کی وجہ سے۔ نیز انہیں سلوک وجذبہ کا علم حالاً و مقاماً تھا یا نہیں۔ اگر تھا تو اسے کس نام سے تعبیر کرتے تھے۔ اور اگر سلوک وتصوف کا طریقہ نہیں تھا۔ تو پھر اُسے بدعت حسنہ کہنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: خواجہ محمد ہاشم جان لیں۔ کہ اس مشکل کا حل صحبت [1] سے وابستہ ہے۔ اور خدمت پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ جو بات اس مدت میں کسی نے بیان نہیں کی۔ وہ ایک ہی بار لکھنے سے تمہاری سمجھ میں کیسے آئے گی۔ لیکن چوں کہ آپ نے سوال کیا ہے۔ اس لیے جواب سے چارہ نہیں۔ ضرورتاً اجمال کے طور پر اس کا حل کرتا ہوں۔ کان لگا کر سنیں۔

وہ قرب جو فنا و بقا اور سلوک و جذبہ سے وابستہ ہے' قرب ولایت ہے۔ کہ اولیائے امت اس سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور جو قرب صحابہ کرام کو صحبتِ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں میسر آیا' قرب نبوت ہے جو تبعیت اور وراثت کے طور پر انہیں حاصل ہوا۔ اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقا۔ نہ جذبہ ہے اور نہ سلوک۔ اور یہ قرب قرب ولایت سے کئی مرتبے اعلیٰ اور افضل ہے۔ کیونکہ یہ قرب قرب اصالت ہے اور وہ قرب قرب ظلیت دونوں میں بہت فرق ہے۔ لیکن ہر شخص کا فہم اس معرفت کے ادراک تک نہیں پہنچ سکتا۔ نزدیک ہے کہ خواص بھی اس معرفت کے سمجھنے میں عوام کے ساتھ شریک ہوں۔

گر بو علی نوائے قلندر نواختے
صوفی بدے ہر آنکہ بہ عالم قلندر است

---

[1] یعنی مدت دراز تک شیخ کامل مکمل کی صحبت سے مشرف رہنے اور ایسے شیخ کی خدمت بجالانے سے ہی پورے طور پر اس معمہ کا حل معلوم ہو سکتا ہے۔

[2] اگر بو علی قلندرانہ آواز سے نغمہ سرائی کرتا تو جہان میں ہر قلندر صوفی بن جاتا۔

ہاں اگر قرب نبوت کے کمالات کی بلندی کی طرف قرب ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو تو فنا و بقا اور جذبہ وسلوک سے چارہ نہیں۔ کیونکہ یہ اس قرب کے مقدمات اور اسباب ہیں۔ اور اگر اس راہ سے نہ چلے اور شاہرہ قرب نبوت سے گئے ہیں۔ اس لیے وہ جذبہ وسلوک اور فنا و بقا سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ اس معرفت کا بیان میرے اس مکتوب سے جو مولانا امان اللہ کے نام لکھا ہے۔ تلاش کریں۔ اور اس فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں جہاں جہاں یہ لکھا ہے' کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے دراء اور تجلیات وظہورات سے بھی وراء ہے۔ اس سے یہی قرب مراد ہے۔ میں اپنے خواجہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تھا کہ اس دولت نے ظہور پایا۔ اس عبارت کے ساتھ حضرت ایشاں کی خدمت میں مَیں نے عرض کیا تھا تو مجھ پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سیر انفسی اس عمل کی نسبت سیر افاقی کی طرح ہے۔ اس عبارت سے زیادہ اس دولت کی تعبیر کے لیے طاقت نہیں پاتا تھا۔ سالہا سال کے بعد یہ عجیب معاملہ صاف ہوا۔ اور مجمل عبارتوں کے ساتھ تحریر میں لایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۝

پس عبارت فنا و بقا اور جذبہ وسلوک نئی پیدا شدہ اور مشائخ کی ایجاد کردہ چیز ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نفحات میں لکھتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جس شخص نے فنا و بقا کا لفظ زبان سے نکالا ہے' ابوسعید خراز ہے قدس سرہٗ

سوال دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ بلند مرتبہ طریقہ نقشبندیہ میں متابعت سنت کا التزام ہے۔ حالاں کہ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے عجیب ریاضتیں اور شدید قسم کی بھوک برداشت کی۔ اور اس طریقہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ ریاضتوں کو صورتوں سے تعلق رکھنے والے کشفوں کے ظہور کی وجہ سے مضر جانتے ہیں۔ یہ معاملہ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ متابعت سنت میں نقصان کا احتمال کیسے متصور ہو سکتا ہے؟

جواب: اے محبت کے نشانات والے۔ کس نے کہا ہے۔ کہ اس طریقے میں ریاضتیں ممنوع ہیں۔ اور آپ نے کہاں سے سن لیا ہے۔ کہ یہ بزرگ ریاضتوں کو مضر جانتے ہیں۔ اس لیے کہ اس طریقہ میں نسبت کی دوام محافظت' متابعت سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کا التزام اور احوال کے پوشیدہ رکھنے میں کوشش' اعتدال کو اختیار کرنا۔ اور خورد و نوش اور لباس وغیرہ میں حد اعتدال کی رعایت' ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ میں سے ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ عوام کالانعام ان امور کو ریاضات میں شمار نہیں کرتے۔ اور مجاہدات میں سے نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک ریاضت و مجاہدہ بھوک میں منحصر ہے اور زیادہ بھوکا رہنا ان کی نگاہ میں بہت زیادہ وقعت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ان حیوان نصف لوگوں کے نزدیک کھانا پینا ہی تمام ضروری امور سے زیادہ ضروری ہے۔ اور بڑے مقاصد میں سے ہے۔ تو اس کا چھوڑ دینا ان لوگوں کے نزدیک ریاضت شاقہ اور مجاہدہ شدیدہ متصور ہوتا ہے۔ بخلاف نسبت کی ہمیشہ حفاظت اور متابعت سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی پابندی اور اس طرح کی اور باتوں کی عوام کی نظر میں کوئی قدر و وقعت نہیں۔ اس لیے ان کے ترک کو بُرا جانتے ہوئے ان امور کے حاصل کرنے کو ریاضتیں قرار دیں۔ پس

اس طریقے کے اکابر پر لازم ہے کہ اپنے احوال کو چھپانے کی کوشش کرتے رہیں۔اس ریاضت کو ترک کر دیں جو عوام کی نظر میں عظیم القدر ہے۔اور قبولیت خلق کا باعث اور شہرت کو مستلزم اور اپنے اندر فتنے کو چھپائے ہوئے اور خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا ہے:

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔

برائی میں سے یہ بات انسان کے لیے کافی ہے کہ انگلیوں سے دین میں یا دنیا میں اس کی طرف کیے جائیں گے۔مگر وہ جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔(مشکوۃ شریف)

فقیر کے نزدیک بہت زیادہ بھوک برداشت کرنا کھانے پینے کی اشیا میں حدِ اعتدال کی رعایت رکھنے کی نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے۔اور یہ فقیر بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ حد اعتدال کی رعایت کی ریاضت کثرت جوع کی رعایت سے زیادہ ہے۔

حضرت والد بزرگوار قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔کہ میں نے علم سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا۔کہ کھانے پینے کی اشیا میں اعتدال کی رعایت کرنا اور درمیانی حد کو نگاہ رکھنا مطلوب تک پہنچنے کے لیے کافی ہے۔اس رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی ذکر وفکر کی حاجت نہیں۔بلاشبہ کھانے پینے اور کپڑوں بلکہ تمام امور میں حد اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہنا بہت ہی اچھا ہے۔

نہ[1] چنداں بخور کز دھانت برآید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی اور آپ اس قوت کی وجہ سے سخت بھوک کو برداشت کر لیتے تھے۔اور صحابہ کرام بھی خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو اٹھا لیتے تھے۔اور ان کے اعمال وافعال میں کس قسم کی سستی اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔اس طرح کی شدید بھوک کے باوجود دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی ایسی قدرت رکھتے تھے۔کہ پیٹ بھر کر کھانے والے اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔اسی لیے یہ بات تھی۔کہ صبر کرنیوالے بیس (۲۰) صحابہ دو (۲) سو پر غالب آئے تھے۔

اور غیر صحابہ میں سے بھوک کی مشقت اٹھانے والے نزدیک ہے۔کہ سنتیں اور مستحبات ادا کرنے سے

---

[1] نہ اتنا زیادہ کھا کہ منہ سے باہر آنے لگے۔اور نہ اتنا کم کہ کمزوری سے جان ہی نکل جائے۔

[2] جیسا کہ سورہ انفال میں ہے۔ترجمہ: اے مومنو! اگر تم میں سے صبر کرنے والے بیس آدمی ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں گے تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔

بھی عاجز رہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بمشکل ادائے فرائض سے عہدہ برآ ہوں قدرت کے بغیر اس بارے میں صحابہ کرام کی تقلید کرنا دراصل سنتوں اور فرائض کی ادائیگی سے اپنے آپ کو عاجز کرتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید میں صوم[1] وصال اختیار فرمایا۔ اور ضعف و کمزوری سے بے اختیار زمین پر گر پڑے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور اعتراض فرمایا تم میں سے میری مثل کون ہوسکتا ہے۔ میں رات کو اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں۔ کھانا پینا وہاں کھاتا ہوں۔ تو آپ نے قدرت کے بغیر تقلید کرنا اچھا قرار نہ دیا۔

نیز صحابہ کرام حضرت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے کثرت بھوک کے خفیہ نقصانات سے محفوظ اور مامون تھے۔ اور دوسروں کو یہ حفظ وامن میسّر نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ کثرت جوع (بھوک) بے شک صفائی بخش ہے۔ ایک گروہ کو قلب کی صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسرے گروہوں کو نفس کی صفائی۔ قلب کی صفائی۔ ہدایت اور نور میں اضافہ کرتی ہے اور نفس کی صفائی گمراہی اور تاریکی میں اضافہ کرتی ہے۔

فلاسفہ یونان اور ہندوستان کے جوگیوں اور برہموں سب کو بھوک کی ریاضت نے صفائی نفس عطا کی۔ اور گمراہی اور نقصان کا راستہ دکھایا۔ بے عقل افلاطون نے اپنی صفائی نفس پر اعتماد کرتے ہوئے خیالی اور کشفی صورتوں کو اپنا پیشوا ٹھہرایا۔ اور خود بینی اختیار کی۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو اس وقت خدا کی طرف سے نبی برحق تھے۔ ایمان نہ لایا۔ اور کہنے لگا:

"ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں، ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔"

اگر اس کے نفس کی یہ صفائی ظلمت اور تاریکی میں اضافہ کرنے والی نہ ہوتی تو کشفی خیالی صورتیں اس کے لیے راستے کی رکاوٹ نہ بنتیں اور اُسے مطلب تک پہنچنے سے نہ روکتیں۔ لیکن اس نے اپنی اس صفائی کے گمان میں پڑ کر اپنے آپ کو نورانی تصور کرلیا۔ افلاطون نے یہ نہ جانا۔ کہ یہ صفائی نفس امّارہ کے باریک چمڑے سے آگے نہیں گزر سکی۔ اور اس کا نفس امارہ اپنی پہلی نجات اور خباثت پر قائم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوا کہ نجاست غلیظہ پر شکر کا باریک غلاف چڑھ گیا۔

قلب جو اپنی ذات میں پاکیزہ اور نورانی ہے۔ اس کے چہرے پر رنگ اور میل کچیل تاریک نفس کی ہمسائیگی سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی سی صفائی سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ کر آ سکتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے بخلاف نفس کے۔ چوں کہ وہ اپنی فطرت اور جبلّت میں خبیث ہے۔ تاریکی اس کی ذاتی صفت ہے۔ جب تک قلب کی ریاست کے تحت بلکہ مطابقت سنّت اور اتباع شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بلکہ محض فضل

[1] صوم وصال یہ ہے کہ بغیر افطار کیے کئی کئی دن مسلسل روزے رکھنا۔ ایسے روزے حضور علیہ السّلام کی خصوصیت تھی۔

خداوندی جلل سلطانہ' سے مزکی اور مطہر نہ ہو۔ اس کا خبث ذاتی دور نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی فلاح و بہبود متصور نہیں ہو سکتی۔ افلاطون نے کمال نادانی کے باعث اپنی صفائی کو جو نفس امارہ سے تعلق رکھتی تھی' صفائی قلب عیسوی کی طرح خیال کیا۔ اس بنا پر خواہ مخواہ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مہذب اور پاک خیال کر لیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دولت متابعت سے محروم رہا۔ اور نقصان اَبدی کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ' ہمیں اس بلا سے پناہ میں رکھے۔

اور جب یہ نقصان بھوک کی تہہ میں پوشیدہ ہے تو اس طریقہ کے اکابر قدس اللہ واسرارہم نے ریاضت بھوک کو ترک کر کے کھانے پینے کی چیزوں میں ریاضت اعتدال اور میانہ روی کے مجاہدے کا راستہ دکھایا اور بھوک کے فائدوں کو اس عظیم الخطر نقصان کے احتمال کے باعث ترک کر دیا۔ دوسرے لوگوں نے بھوک کے فوائد کا ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے نقصانات سے آنکھ بند کر لی۔ اور بھوک کی ترغیب دینے میں مصروف ہو گئے۔ عقل مندوں کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے۔ کہ نقصان کے احتمال کی خاطر منافع کثیرہ کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

اسی گفتگو کے نزدیک ہے وہ بات جو علمائے کرام شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَھُمْ نے فرمائی ہے۔ کہ اگر ایک کام سنت اور بدعت کے درمیان دائرہ ہو تو ادائے سنت سے ترک بدعت بہتر ہے۔ یعنی بدعت میں نقصان کا احتمال ہے۔ اور سنت میں نفع کی توقع۔ تو ضرر کے احتمال کو نفع کو توقع پر ترجیح دیتے ہوئے بدعت کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ کوئی عجب نہیں کہ ادائے سنت میں کسی اور راستے سے نقصان واقع ہو جائے۔

اس بات کی حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ سنت گویا حضور علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ وقت کی اس تعین کو باریکی اور خفا کے سبب ایک گروہ نے پایا۔ تو اس کی تقلید میں سبقت کرنے لگے۔ اور دوسرے گروہ نے اس تعیین کو جانتے ہوئے اس کی تقلید سے کنارہ کشی اختیار کی۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ.

تیسرے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس بلند طریقہ کے اکابر کی کتابوں میں ہے۔ کہ ہماری نسبت حضرت صدیق اکبر سے منسوب ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے۔ اگر کوئی مدعی یہ کہے۔ کہ اکثر طریقے امام جعفر صادق تک پہنچتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق حضرت صادق اکبرؓ سے نسبت رکھتے ہیں۔ تو دوسرے سلسلے کیوں حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف منسوب نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام جعفر' صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی۔ اور حضرت امام میں ان دو بلند نسبتوں کے اجتماع کے باوجود ان میں ہر نسبت جُدا اور ایک دوسرے سے متمیز ہے۔ ایک جماعت نے مناسب صدیقی کے واسطے سے حضرت امام سے نسبت صدیقی اخذ کی ہے۔ اور حضرت صدیق کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ اور ایک دوسری جماعت نسبت امیری (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے واسطہ سے نسبت امیر اخذ کر کے حضرت امیر کی طرف منسوب ہوئی ہے۔

یہ فقیر ایک تقریب کے سلسلے میں ضلع بنارس میں گیا ہوا تھا۔ جہاں گنگا اور جمنا کا پانی جمع ہوتا ہے۔ اور اس اجتماع کے باوجود محسوس ہوتا ہے۔ کہ گنگا کا پانی الگ ہے۔ اور جمنا کا الگ۔ ایسے طور پر کہ گویا دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہے۔ کہ ایک کا پانی دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتا۔ جو لوگ دریائے گنگا کے پانی کی جانب واقع ہیں۔ وہ اس جمع شدہ پانی سے دریائے گنگا کا پانی پیتے ہیں۔ اور دوسرے لوگ جو دریائے جمنا کی جانب رہتے ہیں' وہ جمنا کا پانی پیتے ہیں۔

سوال: اگر کہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارس قدس سرہٗ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے تربیت حاصل کی ہے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی تربیت پائی۔ لہٰذا نسبت حضرت امیر عین حضرت صدیقؓ کی نسبت ہے اور ان دونوں میں کیا فرق کیا جاسکتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں۔ کہ اتحاد نسبت کے باوجود جگہوں کے تعدّد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں۔ ایک ہی پانی متعدد جگہوں کے واسطے سے الگ الگ خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔ پس جائز ہے۔ کہ ہر ایک کی خصوصیت کی نظر سے ایک ایک طریقہ اس کی طرف منسوب ہو۔

چوتھے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تم نے ملاّ محمد صدیق کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص ولایت موسوی کی استعداد رکھتا ہو۔ معلوم نہیں کہ پیر صاحب تصرف اُسے ولایت محمدی کی استعداد کی طرف لے آئے۔ اور درویش زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ) کی طرف تحریر کردہ مکتوب میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ میں تمہیں ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف سے آیا ہوں۔ ان دونوں باتوں میں موافقت کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب: (میں کہتا ہوں) کہ ملاّ محمد صدیق کے مکتوب میں جو واقع ہوا اپنے کہ ولایت موسوی سے ولایت محمدی کی طرف لانا معلوم الوقوع نہیں ہے۔ اُس وقت اس بات کے وقوع کا علم نہیں تھا۔ اس کے بعد جب کہ یہ بات بتادی گئی۔ اور تغیر وتبدیل پر قدرت دے دی۔ تو لکھا کہ تمہیں اُس ولایت سے اس ولایت کی طرف لایا گیا ہے۔ دونوں باتوں کی تحریر کا زمانہ ایک نہیں ہے۔ تاکہ تناقض متصور ہو۔

سوال پنجم کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس جگہ کے صوفی پیش چاک کُرتہ پہنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ سنت یہی ہے۔ اور حضرت میر نعمان کے خادم کُرتے کا چاک بطریق حلقہ بناتے ہیں۔ اس معاملے میں تحقیقی بات کیا ہے؟

جواب: جان لیں کہ اس باب میں ہم بھی تردّد اور شک رکھتے ہیں۔ عرب کے لوگ پیش چاک پیراہن پہنتے ہیں اور اُسے سنت جانتے ہیں۔ اور فقہ حنفیہ کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیش چاک پیراہن مردوں کو نہیں پہننا چاہیے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ امام احمد وابوداؤد' حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں' کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ کہ:

لُعِنَ الرَّجُلُ یَلْبَسُ لُبْسَ الْمَرْءَۃِ وَ الْمَرْاَۃُ تَلْبَسُ لُبْسَ الرَّجُلِ۔

اس مرد پر لعنت ہوتی ہے۔ جو عورت جیسا لباس پہنے۔ اور اس عورت پر لعنت ہوتی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔

مطالب المومنین میں ہے کہ۔ ''اور عورت مردوں سے مشابہت پیدا نہ کرے۔ اور نہ ہی مرد عورتوں سے مشابہت کرے کیونکہ دونوں گروہوں پر لعنت ہوئی ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اہل دین اور اہل علم کا لباس نہیں۔ لہٰذا اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے لیے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

جامع الرموز میں محیط سے نقل کرتا ہے۔ ''تو ذمّی شخص وہ لباس نہ پہنے جو اہل علم اور اہل دین کے ساتھ خاص ہے۔ بلکہ موٹے کھدر کی قمیض پہنے' جس کا چاک سینے پر ہو' جیسا عورتوں کا ہوتا ہے۔''

نیز بعض علما کے قول کے مطابق پیش چاک' قمیض نہیں ہے۔ بلکہ ورع ہے۔ ان کے نزدیک قمیض یہ ہے' جس کا چاک کندھوں کی طرف رکھا گیا ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں ہے (اور ہدایہ میں ہے۔ قمیض کا بدل ورع ہے) اور ان دونوں یہ فرق بتایا گیا ہے۔ کہ وِرع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے۔ اور قمیض کا چاک کندھے کی طرف۔ اور بعض نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہ بات درست دکھائی دیتی ہے' کہ جب مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے۔ تو ہم دیکھیں گے' کہ جس علاقے کی عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں۔ اس علاقے کے مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کی مشابہت ترک کرتے ہوئے گول چاک والا پیراہن پہنیں۔ اور جس علاقے کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں۔ وہاں کے مرد ضرورت کی بنا پر پیراہن پیش چاک استعمال کریں عرب کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں۔ اس لیے وہاں کے مرد پیش چاک کا پیراہن پہنتے ہیں اور ماوراء النہر اور ہندوستان کی عورتوں کا لباس پیش چاک پیراہن ہے۔ اس لیے مرد گول حلقے والا پیراہن استعمال کرتی ہیں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی کہتے تھے۔ کہ میں مکّے میں تھا۔ تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مُرید کو دیکھا کہ وہ گول حلقے والا پیراہن پہن کر کعبے شریف کا طواف کر رہا تھا۔ اور عربوں کا ایک گروہ اس کے کرتے پر تعجب کر رہا تھا۔ کہ اس نے عورتوں کا کُرتہ پہنا ہوا ہے۔ تو اعتبار عرف و عادت کا ہے۔ اہل عرب کا عمل بھی درست ہے۔ اور ہندوستان اور ماوراء النہر والوں کا عمل بھی درست ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک جہت ہے۔ جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے۔

اگر پیش چاک پیراہن کی سُنّیت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو اس لباس کو ذمّی لوگوں کے لیے جائز قرار نہ دیتے۔ اور اہل دین اور اہل علم سے خاص رکھتے۔ اور چونکہ اس لباس میں عورتیں پیش پیش ہیں۔ اس

لیے یہاں کے مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔

چھٹے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ' کہ اس طریقہ کے طالبوں کی توجہ جبکہ ابتداء سے ہی احدیت صرف کی طرف ہے۔ تو چاہیے کہ اس توجہ کے ساتھ نفی اور اثبات جمع نہ ہو۔ کیونکہ نفی کے وقت توجہ غیر کی طرف ہوتی ہے

اس کا جوب یہ ہے' کہ غیر کی طرف توجہ احدیت کی طرف توجہ کی تقویت اور تربیت کے لیے ہے اور غیر کی نفی سے مقصود اغیار کی شرکت کے بغیر اس توجہ کا ہمیشہ کے لیے حاصل ہونا ہے۔ پس غیر کی نفی کی طرف توجہ احدیّت کی طرف توجہ کے منافی نہیں ہے۔ احدیت کی طرف توجہ کے منافی توجہ بغیر ہے نہ غیر کی نفی کی طرف توجہ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

ساتویں سوال کا خلاصہ یہ ہے' کہ چاہیے کہ اس طریقے کا مبتدی جو ذکر بھی زبان اور تالو سے کرے' دل بھی وہی کہے۔ تو کیا نفی اور اثبات میں دل پورے طور پر ایسا کہتا ہے یا نہیں؟ اگر پورے طور پر کہتا ہے' تو پھر لا کو اوپر لے جانے اور الہ کو دائیں طرف لانا کیوں ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دل پورے طور پر کہے تو اس میں کیا نقصان ہے کہ لا کو اُوپر کی طرف لے جائے اور الہ کو دائیں جانب کی طرف پھیرے' اور الا اللہ کو اپنی طرف کھینچے۔ علاوہ ازیں اس طریقہ میں نفی اور اثبات کو خیال میں ادا کرتے ہیں۔ زبان اور تالو کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تا کہ دل کی موافقت کو اس قول کی شرط قرار دیں۔ اور تمہارے یہ آخری دو سوال امام فخر الدین رازی کی تشکیکات کے قبلہ سے ہیں۔ اگر آپ پوری طرح توجہ فرماتے تو یہ اشکال خود بخود دور ہو جائے۔

ایک مقصودی گزارش یہ ہے۔ کہ وہاں کے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت میر نعمان ان ایام میں طالبوں کے احوال کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں۔ اور عمارت سازی میں گرفتار ہیں۔ اور فتوحات کی آمدن عمارت پر خرچ ہو رہی ہے۔ اور فقراء کو کچھ نہیں مل رہا۔ یہ باتیں انہوں نے ایسے طور سے لکھی ہیں۔ کہ ان میں اعتراض کی ملاوٹ معلوم ہوتی ہے۔ اور انکار کی بو آتی ہے۔ جان لیں' کہ اس گروہ کا انکار زہر قاتل ہے۔ اور ان بزرگوں کے اقوال و افعال پر اعتراض کرنا نہایت زہریلے سانپ کی طرح ہے۔ جو موت ابدی اور ہلاکتِ دائمی تک پہنچا دیتا ہے۔ چہ جائیکہ یہ انکار اور یہ اعتراض اپنے پیر پر کیا جائے۔ اور پیر کی تکلیف کا سبب ہے۔ اس گروہ کا منکر ان کی دولت سے محروم ہے۔ اور ان پر اعتراض کرنے والا ہر وقت نامراد اور خسارے میں ہے۔ جب تک پیر کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور اچھی نہ دکھائی دیں پیر کے کمالات سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اور اگر کچھ کمال حاصل بھی کرتا ہے' تو وہ استدراج ہے انجام کار خرابی اور رسوائی ہے۔ مرید اگر پیر کے ساتھ کمال محبت اور اخلاص کے باوجود اپنے اندر پیر پر بال برابر اعتراض کی گنجائش پائے۔ تو اُسے اپنی خرابی کے سوا کچھ تصور نہ کرے۔ اور ایسا مرید اپنے پیر کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے۔ بالفرض مرید کو اگر پیر کے افعال میں سے کسی فعل میں

شبہ پیدا ہو اور دور نہ ہو تو چاہیے کہ اسے ایسے طریقے سے دریافت کرے۔ کہ شائبہ اعتراض سے پاک ہو۔ اور گمان انکار سے مبّراء اور اس دنیا میں سچا اور جھوٹا خلط ملط ہے۔ تو اگر کبھی پیر سے کوئی خلاف شریعت کام صادر ہو۔ تو چاہیے کہ اس کام میں مرید پیر کی تقلید نہ کرے۔ اور حتی الامکان اسے حسن ظن سے صحیح معنیٰ پر محمول کرے۔ اور درست ہونے کی وجہ پوچھے اور اگر درستی کی وجہ ظاہر نہ ہو' تو چاہیے کہ اس امتحان سے نکلنے میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور زاری کرے۔ اور گریہ اور زاری سے پیر کی سلامتی کی درخواست کرے اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی مباح کام کے اختیار کرنے میں شبہ پیدا ہو تو اس شبہ کا اعتبار نہ کرے۔ جبکہ سب کاموں کے مالک اللہ جل سلطانہٗ نے مباح کام اختیار کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اعتراض نہیں کیا۔ تو دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے' کہ اپنے پاس سے اعتراض کرنا شروع کر دے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ترک اولیٰ اس اولیٰ کام کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالْعَزِيْمَةِ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْتٰى بِالرُّخْصَةِ۔	بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح پسند کرتا ہے۔ کہ عزیمت پر عطا فرمایا جائے۔ اس طرح یہ بھی پسند کرتا ہے کہ رخصت پر بھی عطا فرمایا جائے۔

حضرت میر نعمان جب کہ حد سے زیادہ حالت قبض میں ہیں تو ایام قبض میں اگر مریدوں کے حالات کی طرف توجہ نہ کریں۔ اور بعض مباح امور کے ساتھ اپنے آپ کو تسلّی دیں' تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ قبض کی حالت میں عبداللہ اصطخری اپنی تسلّی کے لیے کتے والوں کے ہمراہ جنگل میں شکار کے لیے جاتا تھا اور بعض مشائخ حالت قبض میں اپنے آپ کو سماع اور سُریلی آواز سے تسلی دیتے تھے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

خاتمہ

وہ عرضداشتیں جو حضرت معرفت پناہ مخدوم زادہ کلاں قدس سرّہ نے لکھی تھیں:

عرضداشت نمبر ۱:

کمترین غلام محمد صادق کی عرض داشت پیش خدمت ہے کہ اس طرف کے حالات و کوائف آپ کی بلند توجہات کی برکت سے صوری اور معنوی جمعیت کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ مدت سے حضرت کے خادموں کی طرف سے منتظر اور پریشان ہے۔ اس عریضہ کی تحریر کے دن میاں بدرالدین پہنچے اور کامل خیر و عافیت سے آگاہ کیا۔ بے حد فرحت اور بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

قبلہ گاہ! حافظ بہاء الدین نے تیرھویں رات کو قرآن مجید ختم کیا۔ چودھویں رات سے حافظ موسیٰ نے شروع کیا۔ پانچ پانچ پارے پڑھتا ہے۔ آیندہ شب کو جو اُنیسویں شب ہے ختم کرے گا۔ آخری عشرے میں حافظ بہاء الدین نے ذمہ لیا ہے۔ کہ ختم کرے گا۔ حضرت سلامت! ایک رات حافظ نماز تراویح میں قرآن پاک پڑھ رہا تھا' کہ اچانک ایک بڑا وسیع نور ظاہر ہوا۔ گویا حقیقت قرآنی کا مقام ہے اگر چہ اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور معلوم ہوا کہ حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام کا اعمال ہے گویا کہ دریائے عظیم کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ اور یہ مقام حقیقت محمدی کی تفصیل ہے اور اکثر کامل انبیاء اور اولیاء اپنے اندازے کے مطابق اس مقام سے کچھ حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس مقام کا پورا حصہ ہمارے پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی اور کے لیے معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ فقیر بھی حصہ پا چکا ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کی توجہ عالی سے حصہ کامل عطا فرمائے۔ اور اس وقت تک وہ مقام پورے طور پر واضح نہیں ہوا ہے۔ باقی حالات سکون اور دلجمعی سے گزر رہے ہیں۔ اور اس باعظمت مہینے میں بہت برکت معلوم ہوتی ہے۔ میرا بھائی محمد سعید اچھے حالات سے فائز ہے۔ اوقات دلجمعی اور ذکر میں گزار رہا ہے شہر کے دوست بھی پورے ذوق سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس وقت تک چار پاروں سے کچھ اوپر حفظ کر چکا ہے۔ عید کے دن تک ظاہراً یہی خیال ہے۔ کہ پانچ پارے یاد کرے گا۔ نیاز اور سلام۔

عرضداشت نمبر۲:

کمترین غلام محمد صادق کی عرضداشت پیش خدمت ہے' کہ یہاں کے دوستوں کے حالات واطوار شکر کے لائق ہیں۔ آپ کے ذاتِ کعبہ مرادات کی خیریت تمام خادموں اور مخلصوں کے ساتھ مطلوب ومرغوب ہے۔ سرفراز نامہ نامی اور صحیفہ گرامی جو اسماعیل کے ہمراہ آپ نے ارسال فرمایا تھا۔ یہ ناچیز اس کے مطالعہ سے مشرف اور مسرور ہوا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ قبلہ عالمیاں (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کا سایہ عاطفت بحرمت نبی اُمی اور آپ کی بزرگ آل کے طفیل علیہ من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا۔ تمام اہل اسلام پر باقی اور پائیدہ رکھے۔

قبلہ گاہ! بندہ اپنی خرابی احوال کے متعلق کیا لکھے۔ اپنے اعمال بد پر حسرت وندامت کے سوا اور ماضی و حال کے احوال کو ضائع کرنے کے سوا ہاتھ میں کوئی سرمایہ نہیں رکھتا۔ اور آرزو یہ ہے کہ کوئی لحظہ اور گھڑی بھی اس بلند اور پاک ذات کی رضا کے خلاف نہ گزرے۔ اور یہ چیز میسّر نہیں آ سکتی۔ مگر اس صورت میں کہ اس مددگار کے خادموں کی مدد دستگیری فرمائے۔

بَر کریماں کارہا دشوار نیست

اللہ کی حمد اور اس کا احسان ہے' کہ اس وقت تک آپ کی توجہ شریف کی برکت سے اس طریقے پر جس کا آپ نے حکم فرمایا تھا' استقامت حاصل ہے۔ اور اس میں سُستی کا کم ہی داخل ہے۔ بلکہ روز بروز ترقی اور زیادتی

کا امیدوار ہے۔

فجر' ظہر اور عصر کے بعد حلقے میں بیٹھتا ہے۔ اور حافظ بہاء الدین جب کام کاج سے فرصت پاتا ہے۔ تو وہ بھی قرآن پاک پڑھتا ہے۔ اور یہ فقیر بعض اوقات حالت قبض میں ہوتا ہے۔ اور بعض دوسرے اوقات میں بسط کی حالت نصیب ہوتی ہے۔ اور قبض و بسط توجہ اور ذوق اور آرام وغیرہ سب بدن سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور چھ لطیفے نہ متوجہ ہیں اور نہ غافل۔ اگر متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی توجہ علم حضوری کی طرح بلکہ اس کا عین ہے۔ اور توجہ اور ذوق اور اس طرح کی اور چیزیں ظلال میں داخل ہیں۔ اور ظل سے تجاوز نہیں کرتیں۔ اور لطائف پہلے تو بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور بصیرت کی نگاہ میں بدن کے سوا اور کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مکمل خوشی اور سرور والی بارگاہ میں عرض کر چکا ہے۔ اب بدن سے ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ فقیر اس مقام کو مقام بقا خیال کرتا ہے اور بقا کے بعد لطائف کی فنا کی ایک قسم رونما ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس فنا کے بغیر جو بقا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ کام پورے طور پر میسر نہیں آ سکتا۔ اور اس وقت کچھ دن کے کہ حالت قبض میں ہے۔ اور خوشی اور سرور کا معاملہ کم ہے۔ دیکھیں کیا چیز سامنے آتی ہے۔ لیکن اس وقت تک توجہ جہان کی طرف نہیں پہنچی ہے جبکہ عرض حال ضروری تھا۔ تو چند کلمے لکھنے کی جرأت کی۔ قبلہ گاہ! فقیر ہر رات آپ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ الّا ماشاء اللہ' زیادہ کیا لکھے۔ کہ رسمی تکلفات میں داخل ہے۔ نیاز والسلام۔

عرضداشت نمبر ۳:

کمترین غلام محمد صادق کی عرضداشت پیش خدمت ہے کہ یہ حقیر مدت سے قبض اور غم کی حالت میں تھا۔ آخر کار عنایت خداوندی جل سلطانہ' محض آپ کی خاص توجہ سے شامل ہوئی۔ اور ایک عظیم بسط رونما ہوئی۔ اس بسط میں ایسا معلوم ہوا کہ جس طرح پہلے یاد اور توجہ مثال کے طور پر اس جانب سے تھی۔ اب جو کچھ ہے اس بلند اور پاک ذات کی جانب سے ہے۔ اپنے اندر قبول کرنے کی قابلیت کے سوا کچھ نہ پایا۔ اس شیشے کی طرح جس پر سورج طلوع ہوا۔ تو اس طلوع سے بدن اور لطائف میں ہر طرح کی ظلمت اور میل کچیل جل گئی۔ اور ان میں مناسب نور و برکت بھر گئی۔ تو سینہ کھل گیا اور دل وسیع ہو گیا۔ اور بدن نور کی طرح روح اور سر سے بھی جو اس سے پہلے تھے۔ زیادہ روشن اور لطیف ہو گیا۔ اس میں نے لطائف کے درمیان قلب پر تجلی اکمل کو پایا۔ تو جب میں نے دل کی طرف دیکھا' ظاہر ہوا۔ کہ دل میں ایک اور دل ہے۔ اور تجلی اس پر پڑ رہی ہے۔ اور جب میں نے دل کے دل کو دیکھا تو ظاہر ہوا کہ اس میں ایک اور دل ہے۔ اور تجلی اس پر پڑ رہی ہے۔ اور اسی طرح نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ تو کوئی قلب بسیط ظاہر نہ ہوا۔ مگر اس میں ایک اور دل تھا' لیکن اب وہم پڑتا ہے کہ معاملہ قلب بسیط تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن یقینی بات نہیں ہے۔ اور معلوم ہوا کہ اس حالت سے پہلے کے حالات اور حالت کی نسبت سب کے سب

محض تکلفات تھے۔ اور اس مقام کا نام دل میں کھٹکتا تھا۔ لیکن بے ادبی کے خوف سے نہیں لکھا۔

قبلہ گاہ! بندہ کمترین کے یہ تمام حالات آپ کی توجہ پاک کے اثار کا نتیجہ ہیں۔

گر برتن من زبان شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد!

حضرت سلامت! یہ ناچیز آپ کی بلند بارگاہ کے خادموں کی قدم بوسی کا جو شوق رکھتا ہے۔ اس کی شرح بیان کرے۔ شب و روز بلکہ ہر گھڑی میں یہ تصور ہے۔ کہ کون سا نیک وقت اور سعادت مند گھڑی ہوگی۔ کہ یہ مطلب اعلیٰ اور عزیز تر مقصد حاصل ہوگا۔ تمنا اور آرزو کے سوا کوئی چیز تصور میں نہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ باحسن وجوہ اور موافق ترین راستوں سے یہ دولتِ عظمیٰ عطا فرمائے۔ **بحرمت النبی و اٰلہ الا مجاد علیہ و علیٰ اٰلہ من الصلوات اتمھا و من التسلیمات اکملھا..... والسّلام.**

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے مکتوبات شریف کے دفتر اوّل کا اُردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی وَسَلَّمَ وَبَارَکَ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ وَالْبَرَکَاتِ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَزِیْنَۃِ فَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ. وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ بِرَحْمَتِہٖ وَھُوَ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ○

گذارش مترجم

بندۂ ناچیز محمد سعید احمد نقشبندی غفر اللہ لہٗ' خطیب مسجد' حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ناظرین وقارئین کی خدمت میں مخلصانہ عرض کرتا ہے' کہ جب اس ترجمے سے استفادہ فرمائیں تو اس ناچیز کے لیے حسن خاتمہ اور نجات آخرت کی دُعا کو فراموش نہ کریں۔ اور ترجمے کی اس حقیر کوشش میں اگر کوئی غلطی اور سقم پائیں تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تا کہ اس کی اصلاح اور درستی کی جائے۔ انسان خطا اور نسیان سے مبرّا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور ناشر اور پڑھنے اور استفادہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں حضور نبی پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام' اہل بیت عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضور غوث پاک امام اولیا حضور داتا گنج بخش اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے تمام مقبول بندوں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی رفاقت اور معیّت نصیب فرمائے اور اس ترجمے کو ذخیرۂ آخرت اور قبولیت عام کا شرف عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

(ربیع الاول شریف ۹۱ھ۔ مئی ۱۹۷۱ء)

ے میرے بدن کا ہر بال اگر زبان بن جائے' تو میں تیرے ہزار شکر سے ایک شکر بھی نہیں کر سکتا۔

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

دفتر دوئم ——— حصہ اوّل

تالیف

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و حواشی و ترجمہ

مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ اُردو بازار ○ لاہور

042-7352795 - 7124354

فہرست کتاب مستطاب مکتوبات امام ربّانی مُجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم حصہ اوّل

مضمون	صفحہ
مقدمہ	
مکتوب نمبر(۱)	
شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کے بیان میں اور مسئلہ وحدت الوجود میں حضرت شیخ مجدّد قدس سرّہٗ کا مسلک مختار	۸۳۵
حق جلّ وعلا کی مدح وثنا اور مدح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	.....
وجود ہر خیر وکمال کا مبداء ہے اور عدم ہر شرارت ونقص کا منشاء	۸۳۶
علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے۔ یہ معنی واجب تعالیٰ کے ساتھ ممکن کو شریک کرنے کا موجب ہے۔	۸۳۷
اکثر صوفیہ نے ممکن کو واجب کا عین جانا ہے اور کہا ہے۔ کہ کسی چیز میں ذاتی نقص وشرارت نہیں ہے۔	.....
اس امر کا بیان کہ شیخ محی الدین اور اس کے نزدیک واجب تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کا عین اور آپس میں بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اور وحدت واحدیّت میں فرق اور تین اقسام وکثرت خارجی اور تنزّلات خمسہ اور حضرات خمسہ کا بیان اور ان علوم کا بیان جنہیں حضرت شیخ خاتم الولائیۃ کے ساتھ مخصوص جانتا ہے۔	۸۳۸
حضرت مُجدّد قدس سرہٗ کے نزدیک صفات ثمانیہ خارج میں موجود ہیں۔ اور ایک دوسرے سے متمیّز ہیں۔	۸۳۹
شیخ محی الدین اور حضرت مُجدّد قدسرہٗ کے نزدیک حقائق ممکنات کا بیان	۸۴۰
حضرت شیخ محی الدین اور حضرت مُجدد قدس سرہٗ کے نزدیک عالم کا معنی	۸۴۱
اس سے متعلق سوال وجواب۔ اور قول شیخ اور قول مُجدد اور علمائے ظواہر کے قول میں فرق اس سے متعلق سوال وجواب	.....
مکتوب نمبر(۲)	
اس بیان میں کہ اُس سبحانہٗ کی ذات وصفات کا مرتبہ وجود وجوب کے اعتبار سے اوپر ہے۔	۸۴۳
واجب اللہ تعالیٰ کی صفات سبعہ یا ثمانیہ خارج میں موجود ہیں۔ اور اس قول کی تحقیق اور اشکال کا بیان اور اس کا حل اور شیخ علاؤالدولۃ کا قول	.....
مکتوب نمبر(۳)	
اس بیان میں کہ آفاق وانفس کا معاملہ ظلال میں داخل ہے۔ اور ولایت صُغریٰ اور کُبریٰ کا بیان	۸۴۴
اور تجلی افعال کی حقیقت کا بیان۔ جسے بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے۔ کہ وہ ظل فعل حق کا ظل ہے۔ نہ عین فعل ہے۔	.....
ولایت اولیاء اور ولائیت انبیاء کے درمیان	

مضمون	صفحہ
تفاوت کا بیان اور خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے قول کی نقل کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں۔	
اور نقشبندیہ کے کمال کا بیان	۸۴۵
وہ سیر جو آفاق وانفس کی سیر کے بعد میسّر آتی ہے۔ اقربیّت حق تعالیٰ میں سیر ہے۔ اس لئے کہ اس ذات تعالیٰ کا فعل خود ہم سے بھی ہمارے زیادہ نزدیک ہے۔	.....
ولایت ظلّی اور ولایت اصلی کے درمیان تفاوت کا بیان۔ اور صفت تکوین میں علماء ماتر دیدیہ اور اشعریہ کے اختلاف کا بیان۔ اور اس باب میں تحقیق حق۔	.....
حق تعالیٰ کے فعل کے قدم وحدوث کی تحقیق اور اس باب میں اختلاف کا بیان	۸۴۶
اس امر کا بیان کہ وجوب وجود نسبت و اضافت ہے۔ پس یہ فعل میں پائی جاسکتی ہے اور اس سے متعلق سوال و جواب۔ اور اس باب میں معرفت شریفہ کا بیان۔ جو دین کی اساس اور ذات وصفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ جسے کسی نے بیان نہیں کیا۔	۸۴۷
مکتوب نمبر(۴)	
اس بیان میں کہ علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین جسے بعض صوفیہ نے قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت علم الیقین کے تین حصوں میں سے دو حصہ ہیں۔ اس کا ایک حصہ ابھی باقی ہے۔ اور	
اس امر کا بیان کہ اِن علوم والا اس ہزار سال کا مُجدّد ہے۔	۸۴۹
یہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اربابِ ولایت علمائے ظواہر کی طرح ان کے ادراک میں عاجز ہیں۔ اور یہ علوم انوارِ نبوت سے لئے گئے ہیں۔ جو الف ثانی کی تجدید کے بعد الخ۔	۸۵۰
مجدد وہ ہوتا ہے۔ کہ جو فیوض وبرکات بھی اس مدت میں اُمت کو پہنچتی ہیں۔ اس کے واسطہ سے پہنچتی ہیں۔ اگرچہ اقطاب واوتاد ہوں یا اور بُدلاء ونُجباء ہوں۔	۸۵۱
مکتوب نمبر(۵)	
اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی صفات کے دو اعتبار ہیں۔ (۱) حصول فی انفسہا اور قیام بذات۔ اور دونوں اعتبار خارج میں متمیز ہیں۔	.....
مکتوب نمبر(۶)	
بعض مشکل اسرار کے بیان میں۔ اور ہمارے پیغمبر کو ملّت ابراہیم علیہا الصلوات والتسلیمات کی اتباع کرنے کی وجہ کا بیان	۸۵۲
میں گمان کرتا ہوں کہ میری پیدائش سے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی سے رنگین ہوجائے۔ اور اس ولایت کا حُسن ملاحت اس ولایت کے جمال صباحت سے مل جائے۔	.....

مضمون	صفحہ
میری پیدائش سے جو مقصود تھا حاصل ہو گیا اور ہزار سالہ مسئول اجابت کے مقام کو پہنچ گیا۔	۸۵۳
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحًا بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ۔	.....
اے فرزند! اس معاملہ کے باوجود جو میری پیدائش کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ ایک دوسرا کارخانہ عظیم بھی میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے اس عالم رنگ و بُو میں پیری مُریدی کے لئے نہیں لایا گیا۔	۸۵۴
مکتوب نمبر(۷)	
مراتب پنجگانہ محبوبیت، محسبیت، محبت، حُب اور رَضا کے بیان مین اوران سے اوپر مرتبہ اوران میں سے ہر ایک مرتبہ کی الگ الگ پیغمبروں کے ساتھ خصوصیت	.....
مقام رضا سے اوپر خاتم الرسل کے سوا کسی کا قدم نہیں جاسکتا۔	۸۵۵
حدیث۔ لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ الخ وَیَا مُحَمَّدُ اَنَا وَ اَنْتَ الخ جائز ہے کہ اس مقام میں جو مقام رضا سے اوپر ہے۔ خادموں میں سے کسی خادم کو طفیلی طور پر اس بارگاہ کا محرم کر دیں۔ اور غیر انبیاء کی انبیاء پر افضلیت کا رفع وہم	.....
مکتوب نمبر(۸)	
اخص خواص کے ایمان غیب اور عوام کے ایمان غیب اور ایمان متوسّطاں کے درمیان فرق	۸۵۶
اس بُلند ذات کا قُرب و معیت اس بُلند ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ پس قُرب و معیّت کا جو معنی ہمارے عقل و فہم میں آتا ہے وہ ذات اس سے مُنزّہ ہے۔ جس سے مذہب مجسّمہ میں قدم رکھنے کی نوبت آئے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ بُلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے۔	۸۵۷
مکتوب نمبر(۹)	
کلمہ لا الہ الا اللہ کے فضائل کے بیان میں اور مقام تنزیہہ کی تحقیق اور اس کا بیان کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے۔ جب معاملہ اقربیّت تک پہنچ جاتا ہے۔	۸۵۸
پس جو کچھ ہم پر مکشوف ہوتا ہے۔ سب غیر حق ہے۔ ہماری تراشی ہوئی چیز خواہ ہاتھ سے ہم نے تراشی ہو یا عقل و وہم سے۔ سب حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اور عبادت کے لائق نہیں۔	۸۵۹
مکتوب نمبر(۱۰)	
اس بیان میں کہ جو ظہور بھی ہوتا ہے۔ شائبہ ظلّیت کے بغیر نہیں ہوتا۔ بخلاف اس ظہور کے جو فوق عرش ہوتا ہے۔ اور جب قلب اپنی نہایت کو پہنچتا ہے۔ تو عرش کے انوار سے روشنی اخذ کرتا ہے۔	۸۶۰
شیخ بسطامی کا قول کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش	

مضمون	صفحہ
میں ہے۔قلبِ عارف کے ایک کونے میں رکھ دیں تو بھی عارف کو فراخی اور کشادگی قلب کے سبب اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا۔اور شیخ جُنید کا اس قول پر استدلال اور حضرت شیخ مُجدّد قدس سرہٗ کی اس باب میں تحقیق	.....
مکتوب نمبر(۱۱)	
فوق عرش ظہور کے کچھ خصائص کے بیان میں۔اور اللہ نور السّموات والارض الخ کے معنی تاویل کا بیان۔اور انسان کے بعض کمالات اور جزوِ ارضی کے فضائل کا بیان	۸۶۲
نور وہ چیز ہے۔جس سے اشیاء روشن ہوتی ہیں۔سارے آسمان اور زمین حق تعالیٰ کے ساتھ روشن ہیں۔کیونکہ ذات سبحانہٗ نے انھیں ظلمات عدم سے باہر نکالا ہے۔	۸۶۳
ظہور جامع عرشی مشاہدات و معانیات اور مکاشفات کی منتہیٰ ہے الخ	.....
اس امر کا بیان کہ ظہور عرشی میں صفات ذات کا حجاب نہیں ہیں۔اور اس کی ایک مثال سے وضاحت۔اور یہ کہ آخرت میں ذات معہ جمیع صفات مومنوں کو دکھائی دے گی نہ کہ صرف ذات۔	۸۶۴
یہ بات جان لے کہ ظہور عرشی وہم میں نہ ڈالے کہ حضرت حق سُبحانہٗ فوق العرش قرار پذیر ہے۔اور یہ کہ مکان اور جہت اس کے لئے ثابت ہو اور اُس کی وضاحت	۸۶۵
قلبِ انسانی کی عرش عظیم کے ساتھ مشابہت کا بیان۔اور اس لمعہ کی تجلّی کا عرش کی تجلّی سے ہونا جاننا چاہیے کہ ظہور عرشی اگرچہ شائبہ ظلیت سے مبرا ہے۔لیکن اس جگہ صفات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ الخ	۸۶۶
انسان میں دو ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں۔جو عرش میں موجود نہیں ہیں۔اور عالم کبیر کے لئے بھی اُن سے حصہ نہیں۔خصائص انسانی کے متعلق سُن لے کہ اس کا معاملہ الخ	.....
انسان کامل کے احدیت مجرّدہ کا مظہر ہونے کا بیان۔	.....
مکتوب نمبر(۱۲)	
اس بیان میں کہ ملک اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے۔اور انسان کا شہود انفس کے آئینوں میں ہے۔لیکن اس دولت کو انسان میں کالجزء بنایا گیا اور اس کے ساتھ بقا عطا کی گئی ہے۔	۸۶۷
انسان کو یہ دولت جزوِ ارضی کے واسطہ سے میسّر ہوتی ہے۔اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے۔عنصر خاک کی بدولت ہے جو کل کا جامع ہے۔	۸۶۸
مکتوب نمبر(۱۳)	
اس بیان میں کہ علمائے ظواہر اور صوفیہ اور اور علمائے راسخین ہر ایک کا کیا حصہ ہے	۸۶۹
مکتوب نمبر(۱۴)	

مضمون	صفحہ
اس استفسار کے جواب میں کہ صاحبِ منصب صاحبِ علم ہوتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا استفسار کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اس وقت تک ہاتھ نہیں آتا اور اپنے احوال پر عدم اطلاع کے متعلق استفسار۔	۸۷۰
مکتوب نمبر(۱۵)	
اس خطیب کی مذمت میں جس نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام ترک کر دیا تھا۔	۸۷۱
مکتوب نمبر(۱۶)	
برزخ صغریٰ کے عجائب کے بیان میں اور مرگِ طاعون کی فضیلت اور کفن مسنون کا بیان اور کفن پر جواب نامہ لکھنے کا حکم۔ اور قمیض کی بجائے پیراہن تمر کی عطا کرنا اور سنتوں میں چار قُل پڑھنے کا حکم دینا۔	۸۷۴
مکتوب نمبر(۱۷)	
اس بیان میں کہ اس جہان کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر زخم ہیں۔ لیکن فی الحقیقت باعثِ ترقیات ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' کے زمانہ میں تین روز طاعون واقع ہوا۔ اس طاعون میں حضرت انسؓ کے تراسی لڑکے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے چالیس لڑکے فوت ہوئے۔	۸۷۶
مکتوب نمبر(۱۸)	
اس میں کہ علمائے راسخین' صوفیہ اور علمائے ظواہر کا (علوم میں) کیا حصہ ہے۔ پس کتاب کا لُبّ اور مغز متشابہات ہیں اور محکمات اس لُبّ کا چھلکا ہیں۔	۹۷۷
مکتوب نمبر(۱۹)	
اتباعِ سنّت اور بدعت سے اجتناب کے بیان میں۔	۸۷۹
مکتوب نمبر(۲۰)	
فضائل نماز نیز اس امر پر ترغیب دینے کے بیان میں کہ نماز کے ارکان' شرائط' آداب اور تعدیلِ ارکان بالکل صحیح ادا کرنے چاہئیں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۱)	
اس بیان میں کہ حدیث لَایَسَعُنِیْ الخ میں لفظ قلب سے مراد گوشت کی بوٹی ہے نہ حقیقت جامعہ تاہم مطلقاً بوٹی مراد نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ سلوک' جذبہ' تمکینِ قلب اور اطمینان نفس کے بعد ہیت وحدانی پیدا کر چکا ہے۔ اور حقیقتِ جامعہ پر گوشت کی اس بوٹی کی کئی طرح فضیلت۔ اور اس امر کا بیان کہ گوشت کی اس بوٹی کے لئے یہ تمام کمالات' مقام قاب قوسین میں حاصل ہوتے ہیں۔ اور اس کا اَوْ اَوْ نٰی کا معاملہ اس سے بھی ورا ہے۔ اور قلب کے اطلاقات کا بیان۔	۸۸۰
سوال: حدیثِ قدسی سے تو اس قلب کی وسعت سمجھ میں آتی ہے۔ اور تو اُسے تنگ کہتا ہے۔ اور اس تنگی کا جواب۔	۸۸۲

مضمون	صفحہ
سوال: شایان فضیلت حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے۔ مُضغہ نے جو عالم خلق سے ہے۔ اور عناصر سے مرکب ہے۔ یہ فضیلت کہاں سے پائی۔ جواب عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت	.....
اے برادر! اربابِ ولایت کا ہاتھ ان علوم ومعارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔	.....
سوال: یہ مضغہ جب یَسَعُنِی قَلْبُ الخ کے شرف سے مشرف ہوگیا۔ تو بے چینی اور اضطراب کیوں ہوتا ہے۔ جواب ظہور اگرچہ اتمیت چاہتا ہے الخ	۸۸۳
قلب کے ان دو اطلاق میں فرق کرنے والی وجوہ میں سے پنج وجہ کا بیان	۸۸۴
اے برادر! اس مضغہ کو گوشت کا ٹکڑا نہ خیال کرنا۔ بلکہ یہ ایک نفیس جوہر ہے۔	۸۸۵
اور اگر کوئی ناقص یہ کہے کہ ہر انسان ان اجزاء عشرہ سے مرکب ہے تو میں کہوں گا۔	۸۸۶
مکتوب نمبر(۲۲)	
حضرت مُجدّد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے طفیل سرہند شریف کے شہر کا اکثر بلاد پر کئی قسم کی فضیلتیں رکھنا۔ اور ایک نور کا مشاہدہ کرنا۔ کہ کسی صفت اور شان کی گرد نے اس راہ کی بُو بھی نہیں پائی۔ اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ مُحمد صادق قدس سرہٗ کا روضہ مقدّسہ بن گیا۔	۸۸۷
مکتوب نمبر(۲۳)	
اس بیان میں کہ عُمدہ کام اتباع سُنّت اور بدعت سے اجتناب ہے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کو دوسرے سلاسل پر فضیلت صاحبِ شریعت کی اتباع اور عزیمت پر عمل کے واسطہ سے ہے۔ اور اس طریقہ نقشبندیہ کی مدح وثنا	۸۸۸
حضرت حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق عطا فرمائے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ یہ بدعت صبح کی روشنی کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئے۔	۸۸۹
مکتوب نمبر(۲۴)	
اس آرزو کے جواب میں تمام ذرّات میں مشاہدہ جمال لایزال میسّر ہوئے۔	۸۹۳
مکتوب نمبر(۲۵)	
اس بیان میں کہ ہر عمل جو موافقت شریعت ادا کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید وفروخت ہی ہو۔	.....
مکتوب نمبر(۲۶)	
اس بیان میں کہ ذکر کی تلقین الف وب کی تعلیم کی طرح بچوں کیلئے ہوتی ہے۔	۸۹۴
مکتوب نمبر(۲۷)	
جلد ثانی کے مکتوب اوّل میں جو شیخ عبدالعزیز کے نام لکھا گیا ہے۔ اس سے متعلق شیخ موصوف کی تشکیکات کے جواب میں۔	۸۹۵
سوال: اگر حقائق ممکنات کہ صور علمیہ میں	

مضمون	صفحہ
عدامت ہیں۔ جو اضداد صفات ہیں تو ان عدمات کا حصول ذات واجب میں لازم آتا ہے۔ اس شبہ کا عجیب جواب الخ۔	.....
سوال:۔ حقائق ممکنات چاہیئے کہ وجودی ہوں نہ عدمی جواب ہاں وجود اور ثبوت علمی رکھتی ہیں۔	
سوال: انبیاء و اولیاء اور تمام افراد انسانی جو ممکنات سے ہیں۔ اگر ان کی حقیقتیں عدمات ہوں تو شرف و کرامت اس زُمرہ علیہ سے زائل اور معدوم ہو جائیگی جواب کیوں مسلوب اور معدوم ہوگی۔	.....
سوال: اجماعی بات کو کسی اختراعی بات سے رد نہیں کیا جاسکتا۔	.....
ہمہ اُوست کے اختراعی مقولہ کا جواب ہم جانتے ہیں۔	.....
مکتوب نمبر(۲۸)	
مولانا محمد صادق کشمیری کے استفسارات کے جواب میں۔	۸۹۷
پہلا استفسار، حق تعالیٰ کی ورائیت کا مقامہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ صفات کا حمل بھی اس پر تکلف دکھائی دیتا ہے۔	.....
استفسار دوم: بابا آبریز نے فرمایا کہ جب روز ازل کو اللہ تعالیٰ حضرت آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا میں اس مٹی میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس قول کی کیا تاویل ہوگی۔ اس کا جواب۔	.....
استفسار سوم: کہ جب خواجہ علاؤ الدین مولانا نظام الدین خاموش سے ناراض ہوئے تو چاہا کہ ان کی نسبت سلب کرلیں۔ اس کا جواب	۸۹۸
مکتوب نمبر(۲۹)	
اس بیان میں کہ اس دنیا میں بہترین سامان حزن و غم ہے اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمتیں آلام و مصائب ہیں۔	۸۹۹
مکتوب نمبر(۳۰)	
دو سوالوں کے جواب میں ایک نسبت رابطہ (تصوّر شیخ) اختیار کرنے کے بیان میں اور دوسرے مشغولی لاحق ہونے کے بیان میں۔	۹۰۰
اگر دو چیزوں میں فتور لاحق نہ ہو ایک متابعتِ شریعت دوسرے محبت اور اخلاص اپنے شیخ کے ساتھ۔ تو ہزاروں کدورتوں اور ظلمتوں کے طاری ہونے سے بھی کچھ فکر نہیں۔	۹۰۱
مکتوب نمبر(۳۱)	
وعظ و نصیحت میں	.....
مکتوب نمبر(۳۲)	
جمعیت باطن کے متعلق شکایت کے بیان میں	.....
مکتوب نمبر(۳۳)	
اس بیان میں کہ محبوب کی شی انعام و تکلیف ہر حال میں مُحب کی نگاہ محبوب ہی ہوتی ہے۔ بلکہ اذیت اور تکلیف محبت میں اضافہ کرتی ہے۔ اور حمد کی شکر پر فضیلت	۹۰۲
سوال: تو نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے۔	

مضمون	صفحہ
کہ مقام رضا مقام محبت سے اوپر ہے اور یہاں تو کہہ رہا ہے۔ کہ یہ مقام محبت مقام رضا سے اوپر ہے۔ اور اس مقام کا جواب	۹۰۳
جاننا چاہیئے کہ ظاہراً کراہت باطناً رضا کے منافی نہیں اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ الخ	۹۰۴
مکتوب نمبر (۳۴)	
اس بیان میں کہ حضرت حق سُبحانہٗ جس طرح عالم میں داخل نہیں، خارج بھی نہیں اور جس طرح منفصل نہیں۔	.....
مکتوب نمبر (۳۵)	
توحید کے بارے میں استفسار کے جواب میں اور بطرز خاص عین الیقین کی وضاحت	۹۰۵
یہ نسبت جو تم کو تین ماہ میں میسّر ہوگئی ہے۔ دوسرے سلاسل میں اگر دس سال میں بھی اگر میسر آ جائے تو اُسے دولت عظمیٰ جانتے ہیں۔	.....
متشابہات کی تاویل کا علم معاملات سے کنایات ہیں۔ جو رسولوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور امتیوں میں بہت کم کسی کو اس سے حصہ عطا کرتے ہیں۔ الخ	۹۰۶
مکتوب نمبر (۳۶)	
امامت کی بحث اور مذہب اہل سُنّت کی حقیقت اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت۔ اور یہ کہ اہلسنّت اس افراط و تفریط کے درمیان ہیں۔ جو روافض و خوارج نے اختیار کی ہے۔ اور اہل بیت آنسرور علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح وثنا	.....
بیان تفضیل شیخین اور ختنین (حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت اور رفض وخروج کا بیان۔	۹۰۷
کس طرح یہ گمان کیا جا سکتا ہے۔ کہ اہل سُنّت اہل بیت سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ ان بزرگوں کے نزدیک اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے اور سلامتی خاتمہ کو اس محبت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔	
حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام آپس میں جھگڑوں اور لڑائیوں کے وقت تین گروہ تھے۔ اور ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔	۹۰۹
حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے۔ اس باب میں رافضیوں کے غلو کا بیان اور افراط وتفریط کا راستہ اختیار کرنا۔	۹۱۱
روافض کے بارہ فرقے ہیں۔ اور سب کے سب پیغمبر علیہ السلام کے صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور خلفاء راشدین کو گالی دینا عبادت جانتے ہیں۔ اور اپنے آپ پر لفظ رافضی کے اطلاق سے نفرت کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو روافض تصور کرتے ہیں۔	۹۱۲
اس بحث میں دو جگہ اہل سنّت اور مخالفین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ مقام اوّل یہ ہے کہ اہل سنّت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیقت کے قائل ہیں۔ اور مخالفین اس کا انکار کرتے ہیں۔	۹۱۴

مضمون	صفحہ
رافضیوں کے طعن کا ردّ، جو وہ ابو ہریرہ پر کرتے ہیں۔ اور تقیہ کا ردّ، جس کے وہ قائل ہیں۔	۹۱۵
دوسرا مقام یہ ہے۔ کہ اہل سنّت صحابہ کے مشاجرات و لڑائی جھگڑوں کو نیک معانی پر محمول کرتے ہیں۔ اور مخالفین حضرت امیر کے ساتھ جھگڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔	۹۱۷
جاننا چاہیئے کہ یہ بات لازم نہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اختلافی امور میں حق پر ہوں۔ اور اُن کے مخالفین خطا پر ہوں۔	۹۱۸
قاضی شریح نے امام حسن کی شہادت نسبت نبوت کے واسطہ کی بناء پر منظور نہ کی اور بیٹے کی باپ کے حق میں شہادت جائز قرار نہ دی۔	.....
حضرت صدیقہ مجتہدہ مقبولہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں رافضیوں کا طعن و تشنیع کی حماقت کا بیان۔	.....
اس سے پہلے فقیر کا طریقہ یہ تھا۔ کہ اگر ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا تھا۔ تو اس کا ثوب آل عبا کی روحانیت کے ساتھ مخصوص رکھتا تھا۔	.....
اگر کوئی شخص امیر کی محبت استقلالاً اور بلا واسطہ رکھے تو وہ بحث سے خارج ہے۔ ایسا شخص یہ چاہتا ہے کہ پیغمبر کے واسطہ کے بغیر راستہ اختیار کرے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چھوڑ کر علی کی طرف آ جائے اور یہ بات عین کفر اور زندقہ ہے۔	۹۱۹
حضرت طلحہ و زبیر کے فضائل اور ان پر سے رفعِ طعن	۹۲۰
صحابہ کرام پر جو اکابر دین ہیں۔ اعتراض کرنے سے ڈرانا اور خوف دلانا۔	۹۲۰
امام ابو یوسف کے لئے درجہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد امام ابوحنیفہ کی تقلید خطا ہے۔ درست یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رائے کی تقلید کرے۔	۹۲۱
صحابہ کرام نے اجتہادی اُمور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلاف کیا ہے۔ اور زمانہ نزول وحی کے باوجود ان کے خلاف کرنے پر مذمت نہیں آئی۔	.....
اس اختلاف کا بیان جو آنسرور کی مرضِ موت میں قرطاس لانے میں رونما ہوا۔ اور اس کی تحقیق اور اس باب میں حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اعتراض کا جواب۔	۹۲۲
سوال: حضرت فاروق نے اس وقت فرمایا اَھَجَرَ الخ اس سے کیا مراد ہے جواب حضرت فاروق نے شائد اس وقت سمجھا ہو کہ یہ کام الخ۔	.....
سوال: جب کہ احکام اجتہادیہ میں خطا کے احتمال کی گنجائش ہے تو آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہونے والے تمام احکام شرعیہ میں وثوق کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب احکامِ اجتہادیہ دوسرے وقت میں الخ۔	۹۲۳
خاتمہ مکتوب۔ تمام اہلبیت کی مدح سرائی میں رضی اللہ عنہم میں	

مضمون	صفحہ
مکتوب نمبر(۳۷)	
کلمہ طیبہ کے فضائل میں	۹۲۷
معلوم نہیں کہ کوئی آرزو اس کے سوا باقی ہو کہ یک گوشہ میں الگ بیٹھ کر کلمہ طیبہ کے تکرار سے متلذذ اور محظوظ ہو۔ لیکن کیا کیا جائے کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔	۹۲۹
مکتوب نمبر(۳۸)	
اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کو دنیا کیساتھ رائی برابر تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً اسبابِ دنیا کیساتھ پراگندہ نظر آتے ہیں۔	.....
مکتوب نمبر(۳۹)	
اصحابِ یمین اور اصحابِ شمال اور سابقین کے حالات کے بیان میں۔ جنہوں نے ایک قدم شمال پر۔ اور دوسرا یمن پر رکھا ہوا ہے اور سبقت کا گیند میدانِ اصل کی طرف لے گئے ہیں۔	۹۳۰
سابقین بالاصالۃ انبیاء ہیں۔ اور تابع ہونے کی حیثیت سے جس کو بھی اس دولت سے مشرف کر دیں۔ یہ دولت بیشتر انبیاء کرام کے اکابر اصحاب میں پائی جاتی ہے۔ اور قلیل طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔ اور فی الحقیقت یہ شخص بھی گروہ صحابہ میں شمار اور کمالاتِ نبوت سے ملحق ہے۔	.....
مکتوب نمبر(۴۰)	
اس بیان میں کہ پردوں کا پھٹنا شہود کے اعتبار سے ہے وجود کے اعتبار سے نہیں۔	۹۳۱
مکتوب نمبر(۴۱)	
اس بیان میں کہ مراتب نہایۃ النہایۃ میں ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس مقام کا ہر ذرّہ تمام دائرہ امکان سے کئی گناہ زیادہ دکھائی دیتا ہے۔	۹۳۲
مکتوب نمبر(۴۲)	
صوفیہ کے سیر کو آفاق وانفس میں انحصار کے بیان میں اور ان دو سیروں میں تخلیہ اور تجلیہ کا اثبات اور حضرت مُجدّد قدس سرہٗ کا اس معنی سے روکنا اور منع کرنا اور نہایۃ النہایۃ کو انفس و آفاق سے باہر ثابت کرنا۔	۹۳۳
جب سالک تصحیح نیت کے بعد الخ	
اگرچہ سیر آفاقی پوری کر چکا ہو اور اس مقام میں بعض حضرات کے احتیاط کا بیان اور عالم مثال میں ہر لطیفے کے لئے ایک نور قرار دینا اور ہر لطیفے کی صفائی کی علامت اور سیر آفاقی کا حاصل	.....
صوفیہ کے نزدیک سیر انفسی اور سیر فی اللہ اور بقاباللہ کا بیان اور سیر انفسی کی وجہ تسمیہ اور سیر رجوعی اور سیر فی الاشیاء کا بیان اور اس مقام کی تحقیق۔ اور اس کلام کی تصحیح اور اس طرف اشارہ کہ یہ اطلاقات فقیر پر گراں ہیں۔	۹۳۴
یہ ہے اربابِ ولایت کے سیر وسلوک کا حاصل اور ان کے کمال وتکمیل کا نسخہ جامعہ۔ اور اس باب میں فقیر پر محض فضلِ خداوندی سے جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے اور جس پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اُسے سپرد قلم	

مضمون	صفحہ
کرتا ہے۔	۹۳
اگرچہ ان اکابر کے حقوق بھی اپنے ذمے لازم جانتا ہوں۔ کیونکہ ان کا تربیت یافتہ ہوں۔ لیکن واجب تعالیٰ کے حقوق ان سب کے حقوق سے فائق ہیں۔ اور وہ تعالیٰ بے چوں و بے چگون ہے۔ پس آفاق وانفس سے گزرنا چاہیئے۔ اور اس ذات سُبحانہٗ کو انفس وآفاق کے ماوراء میں تلاش کرنا چاہیئے۔	۹۳۶
عجائب کاروبار ہے۔ اگر اپنے مکشوفات یقینیہ بیان کرتا ہوں جو ان کے مکشوفات کے موافق نہیں تو کوئی میری بات پر اعتبار نہیں کریگا اور اگر بیان نہیں کرتا تو حق و باطن میں التباس کا مرتکب ہوں گا۔ اس لئے جو کچھ حق ہے ضرورتاً ظاہر کرتا ہوں۔	۹۳۷
دوسروں کی مخالفت سے نہ ڈرنے کا بیان اور اس کی وجہ کا اظہار۔ اور یہ کہ صحت احوال کی علامت یہ ہے۔ کہ کمال پر حصول یقین ہو اور مشائخ کے مقررہ احوال کی تفصیل پر اطلاع کا بیان۔ اور معارف توحید' اتحاد' احاطہ' اور سریان اور بزرگوں کے احسانات اور ان کی نعمتوں کا اقرار	.....
علماء کا مسئلہ توحید میں مشائخ کے ساتھ اختلاف نظر واستدلال کے راستے سے ہے۔	.....
اور اس فقیر کا اختلاف کشف وشہود کی راہ سے علماء ان اُمور کے قبح کے قائل ہیں اور فقیر بشرطِ عبور ان کے حُسن کا قائل ہے۔ اور شیخ علاؤ الدولۃ کے اختلاف کا بیان۔	۹۳۸
سوال: اس صورت میں مشائخ باطل پر ہوں گے اور حق ان کے مکشوف ومشہود کے ماوراء ہوگا۔	.....
جواب: باطل اس صورت میں ہے۔ جبکہ وہ کوئی درست محمل نہ رکھتا ہو۔	.....
ظاہر بین علماء ان کی حقیقت سے کیا پاسکتے ہیں۔ اور مخالفت صوری کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔	۹۳۹
مشائخ نے یہ جو کہا ہے۔ کہ سیر آفاقی میں تمام ظلمانی ونورانی پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ قول مخدوش ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔	.....
اور وہ طریق جس پر چلنے کے ساتھ اس فقیر کو مشرف کیا گیا ہے' ایسا راستہ ہے جو جذبہ وسلوک کا جامعہ ہے۔	.....
اس امر کا بیان کہ یہ طریقہ نقشبندیہ ضرور مطلوب تک پہنچاتا ہے اور انبیاء کا شاہراہ ہے۔	۹۴۰
جاننا چاہیئے کہ میرے پیر اور قسم خدا میرے راہنما' جن کے وسیلہ سے میں نے اس راہ میں آنکھ کھولی ہے الخ انہوں نے علو فطرت اور بلند ہمت کے باعث ابتدائے طریقت سیر انفسی کو قرار دیا ہے۔ اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں طے کرتے ہیں۔ اور ان حضرات کا قول کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے اوپر ہے۔	.....
اہل اللہ فنا اور بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں۔ اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں۔ اپنے	

مضمون	صفحہ
اندر پہنچاتے ہیں۔ان کی حیرت ان کے اپنے وجود میں ہوتی ہے۔	۹۴۱
جاننا چاہیئے کہ غیریّت کی نفی کرنا اور چیز ہے اور غیریّت کا منتفی ہونا امر دیگر۔اور حضرت خواجہ بزرگ کا قول کہ جو کچھ دیکھا گیا اور سُنا گیا۔	۹۴۲
اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ ولایت کے لئے جذبہ وسلوک اور آفاق وانفس کے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ یہ ارکان اربعہ کمالات نبوت کے مبادی ہیں۔ کہ ولایت کے ہاتھ اس بلند درخت تک پہنچ نہیں سکتے۔	.....
تجلی برقی کے مقام اور ان بزرگوں کے لئے اس کے دوام کا بیان۔اور اس سے فوق کے معاملہ کا بیان اور اس کا بیان کہ ان بزرگوں کی ہدایت جذب اور محبت ایسی ہے اور جب کسی صاحب دولت کو غلبہ محبت خداوندی الخ اور کمال محبت کی علامت کامل طریقہ سے شریعت کی بجا آوری ہے۔	.....
سیر وسلوک اور جذبہ تصفیہ سے مقصود نفس کی اخلاق رویہ اور اوصاف رذیلہ سے تطہیر ہے کہ ان تمام اوصاف رذیلہ میں بدتر صفت انفس کے ساتھ گرفتاری ہے۔الخ	۹۴۳
پس سیر انفسی ضروری ہے۔اور سیر آفاقی اس کے ضمن میں میّسر آجاتی ہے۔	.....
جاننا چاہیے کہ انفس کے احوال کو جو آفاق کے شیشوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ کوئی خواب یا واقعہ کے اندر عالم مثال ہیں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے۔	۹۴۴
سُن پھر سُن۔کہ سیر انفسی میں اسماء وصفات واجبی کا ظہور سالک کے آئینہ میں جو کیا گیا ہے۔	
فی الحقیقت وہ ظہور اسماء وصفات کا نہیں۔ بلکہ ظل کا ظہور ہے۔	۹۴۵
اس بیان سے لازم آیا کہ ''پوستن ظلّی'' گسستن'' پر مقدم ہے۔ ہاں اصل سے اتصال گسستن کے حصول کے بعد ہے۔ پس مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے الخ	.....
شیخ ابوسعید خراز اس مقام میں متوقف ہے چنانچہ وہ کہتا ہے تو جب تک نہیں چھوٹے گا نہیں پائے گا۔اور جب تک نہیں پائے گا چھوٹے گا نہیں۔	.....
میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں پہلے کیا ہے۔	.....
مکتوب نمبر (۴۳)	
حضرت ایشاں کے قول ہیں کہ اس بارگاہ میں ذوق یافت ہے یافت نہیں اور اندراج النہایہ فی البدایۃ کی تحقیق اور اس طریقہ کی دوسرے طریقوں پر افضلیت کا بیان۔	۹۴۶
سوال: جب کہ منتہی کے لئے یافت مطلوب میّسر آ گئی تو ذوق یافت سے بے نصیب ہے۔تو اُس نے ذوق یافت کہاں سے پالیا۔ جواب: دولت یافت ظاہر کے احوال باطن کے احوال کے ساتھ اس طرح نسبت رکھتے ہیں۔ جس طرح پُوں کی	

مضمون	صفحہ
نسبت بے چوں کے ساتھ۔	.....
یہ بزرگ ابتداء میں انتہاء کی چاشنی درج کر دیتے ہیں۔ اور نہایت کا کچھ پرتو مبتدی رشید کے باطن میں ڈال دیتے ہیں۔ اور قدم اوّل میں ہی جو کچھ وہ اپنے پاس رکھتے ہیں مُرید کے حوصلہ کے مطابق اُسے عطا فرماتے ہیں۔	۹۴۷
اس طریق کے مبتدی کی دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کے ساتھ مساوات کے شُبہ کا ازالہ۔	.....
اس طریقہ کے منتہی اور دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کے درمیان فرق کا بیان۔	۹۴۸
دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کے قول کا جواب کہ ہماری نہایت حق کے ساتھ وصول ہے۔ اُسے تم اپنی ہدایت کہتے ہو تو حق سے آگے کہاں جاؤ گے۔	.....
مکتوب نمبر (۴۴)	
وحدت الوجود سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں اور اُسے علوم شرعیہ کے ساتھ مطابق کرنے اور اس قول کے معنی میں "اذا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبحَانَہ' عَبْدًا لَا یضرّہ' ذَنْبٌ"	۹۴۹
سوال:	
صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور عُلماء اُسے کفر اور زندقہ جانتے ہیں۔ اور دونوں فرقہ ناجیہ میں سے ہیں اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے۔	
جواب: محبت آثار الخ	۹۵۰
حسین بن منصور کے قول انا الحق کی مراد کا بیان	
پس اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء ظہورات حق ہیں نہ عین حق	.....
پس اشیاء حق سے ہیں حق نہیں ہیں لہٰذا ہمہ اوست کا معنی ہمہ از اوست ہوگا۔	.....
سوال: صوفیہ اشیاء کو ظہورات کہنے کے ساتھ ساتھ معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور خارج میں موجود صرف ایک ذات حق کو مانتے ہیں۔ اور علماء اشیاء کو موجوداتِ خارجیہ کہتے ہیں۔ پس دونوں کے درمیان نزاع معنوی ثابت ہوگئی۔	.....
جواب صوفیہ اگر عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں۔ الخ	۹۵۱
مذہب صوفیہ اور مذہب سوفسطائیہ کے درمیان فرق کا بیان۔	.....
سوال: صوفیہ جو وجود وہمی ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود ثبات واستقرار کے باوجود نفس الامری نہیں ہے اس کا صرف وہم میں وجود ہے۔ اور خیالی نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں موجود مانتے ہیں۔ وجود نفس امری کے ساتھ لہٰذا نزاع اب بھی باقی ہے۔	
جواب: وجود وہمی اور نمود خیالی الخ	.....
سوال:	
جب تمام اشیاء کا وجود نفس الامری ہوا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں متعدد موجودات ہوں اور نفس الامر	

مضمون	صفحہ
میں ایک موجود نہ ہو اور یہ قول وحدت وجود کے منافی ہے۔ جواب: دونوں نفس امری ہیں وحدت وجود بھی اور تعدّد وجود بھی الخ۔	۹۵۲
سوال: جب وہم کا لازوال تمام وہم کرنے والوں سے تسلیم کرلیا جائے۔ تو وجود وہمی کس طرح ثابت ہوگا۔ جواب: یہ وہمی وجود محض اختراع وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ الخ	.....
بلادِ ہندوستان میں شعبدہ بازوں کا قصہ اور قاضی جلال الدین کا حضرت مُجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ کے والد ماجد سے سوال کرنا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت	۹۵۳
بیان معنی۔ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْداً لَا یضرہ ذَنْبٌ ط	۹۵۴
مکتوب نمبر (۴۵)	
اس بیان میں کہ عالم تمام کا تمام اسماء وصفات واجبی کی جلوہ گاہ ہے۔ بخلاف ممکن کی ذات کے کیونکہ وہ مکمل طور پر اس سے بے نصیب ہے اور تمام کا تمام عرض ہے۔	۹۵۵
سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔ ذات ممکن عین ذات واجب ہے۔ اور ممکن واجب کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ یہ قلب حقائق کو مستلزم ہے۔ جواب ذات ممکن الخ۔	۹۵۶
سوال: جب کہ ہر ایک کا اشارہ لفظ آنا سے اپنی ذات کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ ذات واجب کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ذات ممکن عین ذات واجب ہو۔ جواب ہاں ہر ایک کا اشارہ الخ	۹۵۷
سوال: ممکن کا ذات واجب کے ساتھ قیام مستلزم قیام حوادث کو ذات واجب کے ساتھ اور یہ امر ممتنع ہے۔ جواب: واجب کے ساتھ قیام حوادث کا امتناع معنی حلول حوادث ہے۔ ذات واجب تعالیٰ میں اور یہ مُحال ہے۔	.....
سوال: جب کہ ممکن مکمل طور پر عرض ہے تو اس کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو۔ وہ محل کیا چیز ہے ذات واجب تو ہے نہیں۔ اسی طرح ممتنع بھی اس کا محل نہیں بن سکتا۔ اس کا جواب الخ۔	.....
ممکن کے واجب کے ساتھ قیام کے سلسلے میں وہ تمثیلیں۔ بغیر اس کے کہ واجب ممکن کا محل بنے۔	۹۵۸
نظام معتزلی نے سارے عالم کو اعراض جانا ہے۔ اور جوہر سے خالی گمان کیا ہے۔ اور صاحب فتوحات مکیہ نے عالم کو اعراض مجتمعہ عین واحد میں جانا ہے۔ اور دو زمانوں میں اس کے عدم بقا کا حکم لگایا ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔	.....
تعدّد مثال اور ان کے کئی گنا ہونے کا بیان	۹۵۹
مکتوب نمبر (۴۶)	
کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت' حقیقت	

مضمون	صفحہ
اور شریعت کو متضمن ہے' اور اس بیان میں کہ ولائیت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے سامنے کچھ حیثیت نہیں اور یہ کہ ولایت کو شریعت سے چارہ نہیں۔ اور یہ کہ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلّف رہتا ہے۔ اور باطن بھی اس معاملہ کا گرفتار۔	۹۵۹
ولایت کے کمالات اس کلمہ کے جزو اوّل کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کلمہ کا جزو اخیر شریعت کا محصل اور اسے مکمل کرنے والا ہے۔	۹۶۰
میں نے اس کلمہ کے جزو اخیر کو سمندر ناپیداد کنار پایا۔ کہ جزو اوّل اس کے سامنے ایک قطرہ دکھائی دیا۔ اور ایک جماعت نے کج بینی کے باعث ولایت کو نبوت سے افضل جانا ہے۔	.....
مخلوق کی طرف انبیاء کی توجہ ہدایت اور ارشاد کی خاطر ہے نہ کہ نفس کیلئے۔ اور یہ توجہ اس توجہ سے بہت افضل ہے جو اپنے نفس کیلئے حق کی طرف ہو۔	.....
بعض اوقات ذکر نہ کرنا مستحسن ہوتا ہے۔ اور ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ جس طرح بھی میسر آئے اوامر کا بجالانا' اور نواہی شرعیہ سے بچنا سب ذکر میں داخل ہے اور بیان فرق اس ذکر کے درمیان جو اسم اور صفت سے واقع ہوتا ہے اور اس کے درمیان جو اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے بچنے کی صورت میں ہوتا ہے۔	.....
حضرت خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ مولانا زین الدین راہ علم سے خدا تک پہنچا ہے۔	.....
اس معاملے کا بیان جو طریقت' حقیقت اور شریعت سے وراء ہے۔	۹۶۲
سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر بھی قدم رکھتا ہے اور اس کا جواب	.....
سوال: اس بیان سے لازم آیا۔ کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق کے ساتھ اور ظاہر خلق کیساتھ ہوتا ہے اور تو نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے کہ مقام نبوت میں رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے اس کا جواب مقام کی تحقیق	۹۶۳
ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب اور محیط ہے اور عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم اس کے قریب احاطہ اور معیت کی کیفیت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے	۹۶۴
مکتوب نمبر (۴۷)	
نصیحت اور تنبیہ میں	۹۶۵
مکتوب نمبر (۴۸)	
ماتم پُرسی اور مقام رضا کے حصول کی ترغیب میں	.....
مکتوب نمبر (۴۹)	
اس بیان میں کہ ماسوا کو بھول جانا اس طریق کا قدم اوّل ہے۔	۹۶۶
مکتوب نمبر (۵۰)	
اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے اور ابتدا سے لیکر انتہا تک شریعت	

مضمون	صفحہ
کے بغیر چارہ نہیں۔	۹۶۷
اور تمکین قلب' اطمینانِ نفس اور اجزائے قالب کے اعتدال کا بیان	.....
صورت شریعت کا معنی اور جو اس مقام میں متحقق ہے وہ ایمان اور اعمال کی صورت ہے نہ ان کی حقیقت اور اس امر کا بیان کہ جنّت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت اور صورت شریعت کے نتائج کا بیان۔ اور ولائیت عامہ اور خاصہ کا بیان	۹۶۷
مقام طریقت' فنا و بقا اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کا بیان اور اطمینان نفس کا مقام اور اس کا کفر اور انکار سے واپس آنا اور اپنے مولا سے راضی ہونا اور قوم کے نزدیک جہاد اکبر سے مراد اور مُجدّد صاحب کے نزدیک اس کے مرادی معنیٰ	۹۶۸
قالب کے ساتھ ہمیشہ جہاد کرنے کا بیان اور اُسے باقی رکھنے کے فوائد اور اسلام حقیقی کا مقام اور حقیقتِ اعمال	۹۷۰
جاننا چاہیئے کہ شریعت کی صورت و حقیقت میں فرق نفس کی وجہ سے ہے۔ اور جسم کی حیثیت سے کمالات ولایت اور کمالات نبوت میں فرق	
حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے شیطان کے اسلام کا بیان اور اس امر کا بیان کہ جس طرح شیطان آفاق میں ہے انفس میں بھی ہے۔ اور یہ اطمینان اجزائے قالب میں اعتدال کے بعد ہوتا ہے۔	.....
سوال: جب قالب کے اجزاء بھی حدِ اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ اور اطمینان و سرکشی سے باز آ جاتے ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہوتی ہے اور نفس مطمئنہ کی طرح ان سے جہاد مرتفع ہو جاتا ہے اس کا جواب۔	۹۷۱
یہاں کوئی شخص غلطی نہ کرے اور نہ کہے کہ اس مقام میں صورتِ شریعت اور اس کی حقیقت سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ اور احکامِ شرعیہ کے بجا لانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کے جواب میں ہم کہیں گے۔	۹۷۲

==========
==========
=========

تَمَّتْ فہرست مکتوبات ..... دفتر دوم حصّہ اَوّل

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اُردو ترجمہ مکتوبات امام ربّانی قدس سرّہ

دفتر دوم.....حصّہ اوّل

اللہ ہی کے لئے ہے بے شمار ایسی حمد و تعریف جو طیب ہو۔ اور جس میں برکت اور جس پر برکت ہو اور ایسی حمد جو ہمارے رب تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہو۔ اور اکمل و اتم صلوٰ و سلام اس کے حبیب حضرت محمد اور آپ کی آل' آپ کے اصحاب اور آپ کے اہل بیت اور آپ کے کامل وارثوں اور تمام ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین پر جو اُن کی بلندی شان اور مرتبہ کے لائق ہو۔

اَمَّا بَعۡدُ: یہ وہ مکتوبات ہیں۔ جو علوم غریبہ' معارف عجیبہ' اسرار لطیفہ اور دقائق شریفہ پر مشتمل ہیں۔ عارفوں میں سے کوئی عارف بھی ایسے مضامین نہیں لکھ سکتا۔ اور نہ ہی اولیاء میں سے کسی ولی نے ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہ علوم و معارف انوار نبوت کے سینہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور یہ بلند ہمت والے امام علماء راسخین کے پیشوا' پیغمبروں کی بزرگیوں سے مشرف' ولایت اصلی کے صاحب' اسرارِ الٰہی کے مخزن' قرآنی متشابہات کی باریکیوں کو جاننے والے' رحمانی نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی مجدّد الف ثانی' ہمارے شیخ اور ہمارے امام شیخ احمد فاروقی کے مکتوبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ جہاں والوں کے سروں پر آپ کی سلامتی کو تادیر قائم رکھے۔

جب مکتوبات کی جلد اوّل تین سو تیرہ مکتوب کے عدد کو پہنچی۔ تو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ وسلّمہٗ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس جلد کو اسی عدد پر ختم کر دیں کہ یہ عدد پیغمبراں مرسل صلوات اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہم کے عدد کے موافق ہے۔ نیز اہل بدر رضوان اللہ تعالیٰ نے علیہم اجمعین کے عدد کے موافق ہے۔ تبرکاً اور تیمناً اسی عدد پر جلد اول کو ختم کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے مکتوبات قدسی آیات جو صادر ہوئے۔ معارف آگاہ' حقائق دستگاہ' مظہر فیض الٰہی' مظہر اسرارِ لامتناہی' ظاہری و باطنی علوم کے جامع' حضرت مخدوم زادہ شیخ مجد الدین خواجہ محمد معصوم اللہ تعالیٰ انہیں سالم اور باقی رکھے اور انہیں اپنی تمناؤں کی نہایت تک پہنچائے اس بات کے باعث ہوئے کہ یہ بعد میں صادر

ہونے والے مکتوبات بھی جمع ہوں۔ چنانچہ آپ کے اشارہ شریف کے موافق اس درگاہ کا کمترین خاکروب اللہ خالق کائنات کے بندوں میں سے کمترین بندہ عبدالحی بن خواجہ چاکر حصاری (اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخشے اور اس کے عیوب کو چھپائے اور اس کے خاتمہ کو اچھا کرے) ان مکتوبات کے جمع کرنے کے درپے ہوا۔ اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا اور اسی پر بھروسہ ہے۔

مکتوب نمبر (۱)

شیخ عبدالعزیز جونپوری کی طرف صادر فرمایا۔

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرّہ کے مذہب کی تحریر کے بیان۔ نیز اس مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانی سلمہٗ اللہ تعالیٰ کے مسلکِ مختار کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے امکان کو وجود کا شیشہ بنایا اور عدم کا وجود کا مظہر قرار دیا۔ وجوب اور وجود اگرچہ اس ذات سبحانہٗ کے لئے دو صفت کمال ہیں تاہم وہ بلند ذات ان دونوں سے وراء ہے۔ بلکہ تمام اسماء اور صفات اور تمام شیون اور اعتبارات اور ظہور و بطون اور بروز (ظاہر ہونا) و کمون (پوشیدہ ہونا) تجلیات و ظہورات اور ہر ملی ہوئی اور جُدا چیز اور مشاہدات و مکاشفات سے اور ہر محسوس اور معقول چیز اور ہر موہوم اور متخیل سے بھی وراء ہے۔ پس وہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ہے۔ پھر وراء لوراء پھر وراء پھر وراء الوراء ہے۔[1]

چہ گویم باتو از مرغے نشانہ کہ باعنقا بود ہم آشیانہ
[2]عنقا ہست نامے پیش مردم زمرغ بود آں نام ہم گم

تو کسی حمد کرنے والے کی حمد اس کی ذاتِ قدس کی جناب تک نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ تمام حمدوں کی نہایت اس کی عزت کے پردوں سے نیچے ہی رہتی ہے۔ تو وہ خود ہی اپنی ذات کی ثنا کر سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کی حمد خود اپنی ذات سے ہی کر سکتا ہے۔ پس وہ سبحانہٗ وتعالیٰ خود ہی حمد کرنے والا ہے اور حمد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا ماسوا با مقصد حمد کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔ کیوں عاجز نہ ہو۔ حالانکہ اس سبحانہٗ کی حمد سے وہ ہستی بھی عاجز رہی جو قیامت کے روز لواءُ الحمد کو اٹھائے گی۔ اور آدم اور سب لوگ اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ ہستی ظہور میں تمام مخلوق سے افضل اور اکمل ہے اور مرتبے میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور کمال میں سب سے زیادہ جامع اور جمال میں سب سے بڑھ کر اور حسن و جمال کا اور حسن و کمال کا چاند ہونے میں سب سے مکمل تر ہے اور قدر میں سب سے

---

[1] میں تجھے اس پرندے کا نشان کیا بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہو۔

[2] عنقا کا کم از کم لوگوں کو نام تو معلوم ہے۔ لیکن میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں۔

اونچی اور بزرگی اور شرف میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اور دین کے لحاظ سے سب سے مضبوط تر اور ملت کے اعتبار سے سب زیادہ عادل۔ حسب میں سب سے باعزّت' نسب میں سب سے اشرف' خاندان میں سب سے مشہور تر' اگر وہ ہستی نہ ہوتی۔ تو اللہ سبحانہٗ مخلوق کو پیدا نہ کرتا اور ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ اور وہ ہستی اس وقت نبوت سے سرفراز ہو چکی تھی۔ جب آدم پانی اور مٹی کی شکل میں تھے۔ اور جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو وہ ہستی نبیوں کا امام اور خطیب اور صاحبِ شفاعت ہوگی وہ ہستی جس نے ارشاد فرمایا'' ہم سب سے آخر ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہونگے۔ اور مَیں بغیر فخر کے یہ بات کہتا ہوں اور مَیں اللہ کا حبیب ہوں اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں اور کوئی فخر نہیں اور جب لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا اور جب لوگ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو میں اُن کا قائد ہوں گا اور جب لوگوں پر خاموشی اور سکوت چھایا ہوگا۔ تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب لوگ روک لئے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت کروں گا۔ اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں انہیں خوشخبری دوں گا۔ عزت اور بزرگی اور ہر چیز کی چابیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔

[1] اے قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

اللہ سبحانہٗ کی رحمتیں اور اس کی تسلیمات اور بلند ذات کے فیض کے تحفے اور برکتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر اور آپ کے بھائیوں یعنی تمام انبیاء اور مرسلین اور تمام مقرب فرشتوں پر اور تمام اہل طاعت پر وہ صلوٰۃ و سلام اور وہ تحفے اور برکتیں جن کے آپ اہل ہیں۔ اور جن کے وہ اہل ہیں' نازل ہوتے رہیں جب تک آپ کا ذکر کرنے والے آپ کے ذکر میں مشغول رہیں اور جب تک غفلت والے آپ کے ذکر سے غافل رہیں۔

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات وارسالِ تحیات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جو اس فقیر کے نام لکھا تھا۔ اخوی' اعزی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ یہ مکتوب چونکہ اربابِ کشف وشہود کے حقائق و معارف پر مشتمل تھا۔ فرحت پر فرحت کا موجب ہوا۔ اللہ سبحانہٗ تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔

یہ فقیر بھی آپ کے صحیفے کی موافقت میں اس بلند گروہ کے ذوق وشوق کی باتیں درمیان میں لاتے ہوئے چند کلمے لکھ کر آپ کی دردِ سری کا باعث بنتا ہے۔

مخدوم ومحترم یہ بات آپ کے علم شریف میں ہے کہ وجود ہر چیز وکمال کا مبدأ ہے اور عدم ہر نقص و شرارت اور زوال کا منشا ہے۔ پس وجوب واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے لئے ثابت ہے۔ اور عدم ممکن کا حصّہ۔ تا کہ ہر خیر وکمال واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ اور ہر طرح کا سر ونقص ممکن سے منسوب ہو۔ ممکن کے لئے وجود ثابت کرنا اور خیر وکمال کو اس سے منسوب کرنا فی الحقیقت ممکن کو حق جل سلطانہ کی ملک اور مُلک میں شریک کرنا ہے۔ اور اسی طرح ممکن کو عین واجب تعالیٰ شانہ کہنا نیز ممکن کی صفات اور افعال کو اس بلند ذات کی صفات وافعال کا عین قرار دینا سوء ادب اور کجروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں ایک کمینے جاروب کش کی جو نقص اور

[1] میں جانتا ہوں کہ جس قافلے میں وہ ہے۔ میں اس میں نہیں پہنچ سکتا۔ یہی کافی ہے کہ دور سے ٹلی کی آواز پہنچتی رہے۔

خبث ذاتی سے داغدار ہے۔ کہ مجال ہے کہ اپنے آپ کو سلطان عظیم الشان کا عین جانے جو خیرات وکمالات کا منشا ہے۔ اور اپنی بُری صفات اور افعال کو اس کی بہترین صفات اور افعال کا عین جانے جو خیرات وکمالات کا منشا ہے۔ اور اپنی بُری صفات اور افعال کو اس کی بہترین صفات اور افعال کا عین ہونے کا وہم کرے۔ علمائے ظواہر نے ممکن کے لئے وجود ثابت کیا ہے اور واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کے افراد میں سے شمار کیا ہے۔ غایۃ مافی الباب کلی مشکک کے طور پر واجب تعالیٰ کے وجود کو ممکنات کے وجود سے اولیٰ اور اقدم کہا ہے۔ اور یہ معنی ممکن کے واجب کے ان کمالات وفضائل میں جو اس کے وجود سے پیدا ہوئے ہیں۔ میں شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِی وَالْعَظْمَۃَ اِزَارِیْ۔ بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہہ بند ہے۔

اگر علمائے ظواہر اس باریکی سے آگاہ ہو جاتے تو ہرگز ممکن کے لیے وجود ثابت نہ مانتے۔ اور جو خیر و کمال خدائے جل وعلا سے مخصوص ہے۔ وجود کی خصوصیت کے اعتبار سے ممکن کے لئے اس کا اثبات نہ کرتے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۔ ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں تو ہمیں نہ پکڑنا۔ ("آیۃ کریمہ")

اور اکثر صوفیہ خاص کر ان کے متاخرین ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ممکن کی صفات و افعال کو واجب تعالیٰ کی صفات وافعال کا عین گمان کرتے اور کہتے ہیں۔

ہمسایہ[1] و ہمنشین ہمرہ ہمہ اوست در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
[2] در انجمن فرق و نہان خانہ جمع باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

اگرچہ ان بزرگوں نے وجود کو شریک کرنے سے گریز کیا ہے۔ اور دوئی سے دور بھاگے ہیں۔ لیکن غیر وجود کو وجود سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور نقائص کو کمالات کہہ دیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کسی بھی شئی کی ذات میں شرارت اور نقص نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف نسبی اور اضافی ہے۔ زہر قاتل بھی انسان کی نسبت سے زہر قاتل ہے۔ کہ اس کی زندگی ختم کرتا ہے۔ لیکن اس جاندار کی نسبت آبِ حیات ہے جس میں یہ زہر پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے تریاق نافع ہے۔

اس بارے میں ان بزرگوں کا مقتداء اور پیشوا ان کا کشف وشہود ہے۔ ان بزرگوں پر جو کچھ ظاہر ہوا ہے

---

[1] مسلم شریف بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حدیث کے باقی الفاظ یہ ہیں ''فمن نازعنی واحداً منہما ادخلتہ النار'' تو جو مجھ سے ان دونوں میں سے ایک کو بھی چھینے گا۔ میں اس کو آگ میں ڈالوں گا۔

[1] ہمسایہ اور ہمنشین اور ساتھی سب وہی (خدا) ہے۔ گدا اگر گودڑی اور شاہی لباس میں بھی وہی (خدا) ہے۔

[2] فرق کی انجمن اور نہاں خانہ جمع سب میں اللہ کی قسم وہی ہے پھر اللہ کی قسم سب وہی ہے۔

وہی ان کے علم میں آیا ہے۔ اے اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقتیں اس اصل حالت میں دکھا جیسی کی وہ ہیں۔

اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے یہ فقیر اسے تفصیل سے ظاہر کرتا ہے۔ پہلے شیخ محی الدین ابن عربی جو متاخرین صوفیہ کا نام اور پیشوا ہے۔ کا اس مسئلے میں مذہب بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے۔ تحریر میں لاتا ہے۔ تا کہ دونوں مذہبوں کے درمیان مکمل طریقہ سے فرق معلوم ہو جائے اور باریکی اور خفا کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہ ہو۔

شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جلّ وعلا کے اسماء وصفات ذات واجب تعالیٰ وتقدس کا بھی عین ہیں۔ ایک دوسرے کا بھی عین ہیں۔ پس اس مقام میں کسی بھی اسم اور نسان کے اعتبار سے تعدد وتکثر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تمائز اور تبائن ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ ان اسماء وصفات اور شیون و اعتبارت نے حضرت علم میں تمائز اور تبائن واجمالاً اور تفصیلاً پیدا کیا ہے۔ اگر اجمالی تمیز ہے تو اُسے تعین اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اگر تفصیلی تمیز ہے تو اس کا نام تعین ثانی ہے۔ تعین اوّل کا نام وحدت رکھتے ہیں۔ اور اسے حقیقت محمدی جانتے ہیں۔ اور تعین ثانی کو واحدیّت کہتے ہیں۔ اور تمام ممکنات کے حقائق گمان کرتے ہیں۔ اور اِن حقائق ممکنات کو اعیانِ ثابتہ جانتے ہیں۔ اور اِن دو علمی تعینوں یعنی وحدت اور واحدیت کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں۔

یہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ اِن اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کو بُو بھی نہیں پائی۔ اور خارج میں احدیّت مجرّدہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ اور یہ کثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ اعیان ثابتہ کو عکس ہے۔ جو ظاہر وجود جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں ہے کے شیشوں میں منعکس ہوا ہے۔ اور خیالی وجود پیدا کیا ہے۔ جس طرح ایک شخص کی صورت آئینے میں منعکس ہو۔ اور اس شیشے میں خیالی وجود پیدا کرے۔ اس عکس کا وجود صرف خیال میں ثابت ہے۔ اور آئینے میں کسی شئی سے حلول نہیں کیا ہے۔ اور اس شیشے میں کوئی چیز منقش نہیں ہوئی۔ اگر انتقاش ہے تو صرف خیال میں ہے۔ جو شیشے کی سطح پر وہم میں آتا ہے۔ اور یہ خیالی اور وہمی شے خداوند جل سلطانہٗ کے فعل سے پیدا ہوئی۔ جو درست اور ٹھیک شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ وہم اور خیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتی۔ آخرت کا دائمی اور ابدی ثواب وعذاب اسی پر مرتّب ہوتا ہے یہ ثرت جو خارج میں دکھائی دیتی ہے۔ تین قسم پر منقسم ہے۔ قسم اوّل تعین روحی ہے اور قسم دوم تعین مثالی اور قسم سوم تعین جسدی جو عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان تینوں تعینات کو تعیناتِ خارجیہ کہتے ہیں اور مرتبہ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ تنزلات خمسہ ان ہی پانچ تعینات سے عبارت ہے اور ان تنزلات خمسہ کو حضرات خمس میں بھی کہتے ہیں۔

اور جب علم اور خارج میں سوائے ذات باری تعالیٰ اور سوائے واجب جل سلطانہٗ کی اسماوصفات کے جو عین ذات تعالیٰ وتقدس ہیں۔ ان کے نزدیک اور کوئی چیز ثابت نہیں۔ اور انہوں نے صورتِ علمیہ کو ذی صورت کا

عین گمان کیا ہے۔ شے کا شبیہ و مثال گمان نہیں کیا۔ نیز اسی طرح اعیانِ ثابتہ کی صورت منعکسہ کو جس نے ظاہر وجود میں نمود پیدا کیا ہے۔ ان صورتوں کا عین تصوّر کیا ہے۔ نہ ان کا شبہ تو لازماً اتحاد کا حکم لگا دیا۔ اور ہمہ اوست کا نعرہ بلند کیا۔

یہ مسئلہ وحدت وجود میں شیخ محی الدین ابن عربی کے مذہب کا اجمالی بیان یہی علوم ہیں۔ اور اسی طرح کے دیگر علوم جنہیں شیخ موصوف خاتم الولایۃ کے ساتھ مخصوص جانتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ خاتم النبوت یہ علوم خاتم الولایۃ سے اخذ کرتا ہے۔ اور فصوص[1] کے شارحین اس قول کی توجیہہ میں تکلفات کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شیخ موصوف سے پہلے اس گروہ صوفیہ میں سے کسی نے اِن علوم و اسرار کیساتھ لب کشائی نہیں کی۔ اور اس بات کو اس طریقہ پر کسی نے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ غلباتِ سُکر مین ان سے توحید و اتحاد کی باتیں ظہور میں آئی ہیں۔ اور ''اَنا الحق'' اور ''سبحانی'' کے الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حضرات اتحاد کی وجہ سے معلوم نہیں کر سکے اور منشا کو نہیں پا سکے۔ پس شیخ اس گروہ کے متقدمین کی برہان اور اس گروہ کے متاخرین کی حجت اور دلیل بنے ہیں۔ تاہم ابھی تک اس مسئلہ کے بہت سے دقائق پوشیدہ ہیں اور نہ ہی اس باب میں مشکل راز ابھی تک منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ البتہ فقیر کو ان کے اظہار کی توفیق ملی ہے۔ اور انکی تحریر سے مبشر ہوا ہے۔ اللہ ہی حق کو حق ظاہر کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدائت دیتا ہے۔

مخدوم گرامی! واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات ثمانیہ جو اہل حق (اہلسنت) شکر اللہ سعیہم کے نزدیک خارج میں موجود ہیں۔ ضرور خارج میں ذات تعالیٰ و تقدس بے چونی اور بے چگونی کی صفت کیساتھ متمیز ہونگی نیز یہ صفات آپس میں بھی بے چونی کی صفت کے ساتھ ایک دوسری متمیز اور جدا ہوں گی۔ بلکہ بے چون تمیز مرتبہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں بھی ثابت ہے۔ کیونکہ واجب تعالیٰ مجہول الکیفیہ وسعت کیساتھ واسع ہے۔ اور وہ تمیز جو ہمارے فہم و ادراک میں آ سکتا ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ کیونکہ بعض ہونا اور جُزو جُزو ہونا وہاں متصور نہیں ہو سکتا اور تحلیل و ترکیب کو حضرت جلّ سلطانہٗ میں کچھ دخل نہیں اور حالیت (اس کا کسی میں سرات کرنا) اور محلیت (اس میں کسی کا سرات کرنا) کی بھی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔

مختصر یہ کہ۔ ممکن کی صفات و اعراض میں سے ہے۔ اس جناب قدس سے مسلوب ہے۔ اس کی طرح کوئی اس کی مثل نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ اس بے چونی تمیز اور اس بے کیف وسعت کے باوجود واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانۂ علم میں بھی تفصیل و تمیز رکھتے ہیں اور منعکس ہوئے ہیں اور ہر اسم و صفت تمیزہ کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور ایک نقیض ہے۔ مثلاً صفت علم کا مرتبہ عدم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔ جو عدم علم ہے اور جسے جہل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور صفتِ قدرت کا ایک مقابل ہے یعنی عجز جو قدم

[1] فصوص سے شیخ ابن العربی کی مشہور کتاب فصوص الحکم مراد ہے۔

قدرت کا نام ہے۔علی ہذا القیاس۔اور اِن عدمات متقابلہ نے بھی علم واجبی جل شانہٗ میں تفصیل وتمیز پیدا کیا ہوا ہے۔اور اپنی مقابل صفات واسماء کا آئینہ بنے ہوئے ہیں۔اور ان کے عکسوں کے ظہور کے شیشے بنے ہوئے ہیں۔

فقیر کے نزدیک وہ عدمات اسماء وصفات کے ان عکوس کے ساتھ ممکنات کے حقائق ہیں۔غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔کہ وہ عدمات ان ماہیات کے لئے اصول اور مواد کی طرح ہیں۔اور وہ عکوس ان مواد میں حلول کرنے والی صورتوں کی طرح ہیں۔پس شیخ محی الدین کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں مرتبہ علم میں وہی متمیز اسماء اور صفات ہیں۔اور فقیر کے نزدیک ممکنات کی حقیقتیں وہ عدمات ہیں۔جو اسماء اور صفات کی نقیض ہیں۔اسماء اور صفات کے اِن عکسوں کے ساتھ جو ان عدمات کے آئینوں میں خانہ علم میں ظاہر ہوئے ہیں۔اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔اور قادر مختار جل سلطانہٗ نے جب چاہا کہ ان ملی ہوئی ماہیتوں میں سے وجودِ ظلی کے ساتھ جو حضرت وجود کا پرتو ہیں۔متصف کر کے وموجود خارجی بنا دیا۔مختصر یہ کہ حضرت وجود سے اس ملی ہوئی ماہیت پر پَرتو ڈال کر اُسے خارجی آثار کا مبداء بنا دیا۔پس ممکن کا وجود علم میں اور خارج میں ممکن کی باقی صفات کی حضرت وجود کا پرتو اور اس کے کمالات کا تابع ہے۔پس ممکن علم واجب تعالیٰ وتقدس کے علم کا پرتو اور ظل ہے۔جو اپنے مقابل منعکس ہوا ہے۔اور ممکن کی قدرت بھی ظل ہے کہ عجز میں جو اسے کا مقابل ہے منعکس ہوا ہے۔اور اسی طرح ممکن کا وجود حضرت وجود کا ظل ہے۔جو عدم کے آئینوں میں کہ اسے کے مقابلے میں منعکس ہوا ہے۔

نیا[1] ور دم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

لیکن فقیر کے نزدیک شے کا ظل اس کا عین نہیں ہے۔بلکہ اس کا شِبہ اور مثال ہے اور ایک کا ثبوت دوسرے کیلئے ممتنع ہے۔پس فقیر کے نزدیک ممکن واجب کا عین نہیں ہے۔اور ممکن اور واجب کا ایک دوسرے پر حمل کرنا ثابت نہیں ہے۔کیونکہ ممکن کی حقیقت عدم ہے۔

اور اسماء وصفات کا جو عکس اس عدم میں منعکس ہوا ہے۔ان اسماء وصفات کا شِبہ اور مثل ہے۔نہ کہ ان صفات کا عین۔لہذا ہمہ اوست کا مقولہ درست نہیں ہوگا۔بلکہ ہمہ از وست (درست ہے)۔کیونکہ جو چیز اپنی ذات میں ممکن ہے۔وہ عدم ہے۔اور شرارت' نقص اور خبث کا منشا ہے اور کمالات کی جنس سے جو کچھ ممکن سے پیدا ہوا ہے۔جیسے وجود اور اس کے توابع۔وہ سب کا سب اس حضرت ذات جل سلطانہٗ سے اُسے حاصل ہوا ہے۔اور اس ذات سبحانہٗ کا پرتو ہے۔اس لئے لازماً وہی ذات سبحانہٗ وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔اور اس کے ماسوا سب ظلمت اور تاریکی ہے کیونکر ظلمت اور تاریکی نہ ہو۔حالانکہ عدم تمام ظلمتوں سے بڑھ کر ظلمت ہے۔اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی کہ چاہیے۔اس مکتوب میں تلاش کریں۔جو میں نے اپنے مرحوم ومغفور فرزن اعظم کے نام تحریر کیا ہے۔جس میں وجود کی حقیقت کا بیان اور ماہیات ممکنات کی تحقیق سپرد قلم کی ہے۔

---

[1] میں اپنے گھر سے کوئی چیز لے کر نہیں آیا۔تو نے ہی تمام چیزیں دی ہیں۔اور میں خود تیری ایک چیز ہوں۔

پس عالم سارے کا سارا شیخ محی الدین کے نزدیک اسماء اور صفات سے عبارت ہے۔ جنہوں نے خانہ علم میں تمیز پیدا کیا ہے۔ اور خارج میں ظاہر وجود کے آئینے میں نمود اور ظہور حاصل کیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک عالم عدمات سے عبارت ہے۔ کہ واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے اسماء و صفات خانہ علم میں اس میں منعکس ہوئے ہیں۔ اور خارج میں حق سبحانہٗ کی ایجاد سے وہ عدمات اس عکوس کے ساتھ وجود ظلّی کے ساتھ موجود ہیں۔ پس عالم میں خبث ذاتی ثابت ہو گیا۔ اور طبعی شرارت ظاہر ہو گئی۔ اور خیر و کمال سب کا سب جناب قدس جلّ و علا کی طرف رجاع ہو گیا۔ آیہ کریمہ:

مَآ[1] اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ ط

(اے بندے) تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ تو اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے ہے۔ اور جو تجھے برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

اس معرفت کی موید ہے۔

تو اس تحقیق سے معلوم ہو گیا۔ کہ عالم خارج میں موجود ہے۔ لیکن ظلّی وجود کے ساتھ جس طرح حق سبحانہ خارج میں وجود اصلی کیساتھ موجود ہے۔ بلکہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے۔ کہ یہ خارج بھی وجود و صفات کی طرح اس خارج کا ظل ہے۔ لہٰذا عالم کو حق جلّ و علا سلطانہٗ کا عین نہیں کہہ سکتے۔ اور ایک کا حمل دوسرے پر جائز نہ ہوگا۔ ظل شخص کو عین شخص نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ خارج میں دونوں کے درمیان تغایر موجود ہے۔ کیونکہ دو چیزیں آپس میں متغائر ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی شخص ظل شخص کو عین شخص کہے تو وہ بر سبیل تسامح (چشم پوشی) اور مجاز ہوگا۔ جس کا ہماری اس بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

کوئی شخص اگر یہ سوال کرے کہ شیخ محی الدین اور اس کے پیروکار۔ بھی عالم کو حق تعالیٰ کا ظل ہی مانتے ہیں تو پھر فرق کیا ہوا۔ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ وہ اس ظل کے وجود کو وہم میں ہی گمان کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں وجود خارجی کی بُو بھی جائز نہیں مانتے۔ مختصر یہ کہ کثرتِ موہوم کو وحدت موجودہ کے ظل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور خارج میں صرف اس ایک ذات تعالیٰ کو ہی موجود جانتے ہیں۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس اصل پر ظل کے حمل کے منشا اور اس حمل کا نہ ہونا ظل کے لئے وجود خارجی کا اثبات ہوا۔ اور اس وجود کا عدم اثبات وہ لوگ جب کہ ظل کے لئے وجود خارجی ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے لازماً اصل پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہ فقیر چونکہ ظل کو خارج میں موجود جانتا ہے۔ اس لئے حمل میں جلدی نہیں کرتا۔ ظل سے وجود اصلی کی نفی میں فقیر اور وہ شریک ہیں۔ اور وجودِ ظلّی کے اثبات میں بھی متفق ہیں۔ لیکن یہ فقیر وجود ظلّی کو خارج میں ثابت تسلیم کرتا ہے۔ اور وہ وجود

[1] سورۃ النساء پارہ ۵ والمحصنٰت۔

ظِلّی کو صرف وہم اور تخیل میں گمان کرتے ہیں۔ اور خارج میں احدیّت مجرّدہ کے سوا موجود نہیں جانتے۔ اور صفات ثمانیہ کو بھی جن کا وجود اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء کے مطابق خارج میں ثابت ہو چکا ہے۔ صرف علم میں ثابت کرتے ہیں۔ ظاہری علماء اور وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے میانہ روی کی دو طرفوں کو اختیار فرمایا ہے اور ان دونوں کے درمیان حق کا درمیانہ درجہ اس فقیر کو نصیب ہوا ہے۔ اور توفیق ملی ہے۔ اگر وہ لوگ بھی اس خارج کو اس خارج کا ظل پاتے۔ تو عالم کے وجود خارجی کا انکار نہ کرتے اور وہم اور تخیل پر کفایت نہ کرتے۔ اور واجب الوجود کی صفات کے وجود خارجی کا بھی انکار نہ کرتے۔ اور اگر ظاہری علماء بھی اس راز سے آگاہ ہو جاتے۔ تو ہرگز ممکن کے لئے وجود اصلی کا اثبات نہ کرتے۔ اور وجود ظلّی پر اکتفا کرتے۔ اور وہ جو فقیر نے بعض مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ ممکن پر وجود کا اطلاق بطریق حقیقت ہے۔ نہ بطریق مجاز۔ تو یہ بات اس تحقیق کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن خارج میں وجود ظلّی کے ساتھ بطریق حقیقت موجود ہے۔ نہ وہم اور تخیل کے طور پر۔ جیسا کہ ان کا گمان ہے۔

سوال: صاحب فتوحیات مکیہ نے اعیانِ ثابتہ (صور علمیہ) کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہا ہے۔ پس اس کے طور کے مطابق عدم بھی حقائق ممکنات میں داخل ہے۔ پس اس تحقیق اور اس ..... قول کے درمیان کیا فرق ہوگا؟

جواب: برزخ اس اعتبار سے کہا کہ صور علمیہ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ثبوت علمی کے واسطہ سے وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ایک جہت عدم خارجی کے واسطہ سے عدم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اعیان نے اس کے نزدیک وجود خارجی کی بُو بھی نہیں سونگھی۔ اور وہ عدم جو اس تحقیق میں درج ہوا ہے۔ دوسری حقیقت رکھتا ہے۔ اور اسی طرح وہ جو بعض بزرگوں کی عبارتوں میں جن میں عدم کا اطلاق ممکن پر ہوا ہے۔ اس سے معدوم خارجی مراد ہے۔ نہ وہ عدم جس کی تحقیق مندرجہ بالا عبارت میں ہوئی ہے۔ اور وہ بلند ذات ان اسماء و صفات سے جنہوں نے علم میں تفصیل اور تمیز حاصل کیا ہے۔ اور عدمات کے آئینوں میں منعکس ہو کر حقائق ممکنات قرار پائے ہیں۔ ''وراء الوراء'' ہے۔ پس عالم کے ساتھ اس ذات سبحانہٗ کی کسی طرح بھی کوئی مناسبت نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ اس ذات سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد قرار دینا بلکہ منسوب کرنا اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے۔

آں[1] ایشانند و من چو ایشانم یارب

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

وَسَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ ط

---

[1] یارب وہ تو وہ ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

مکتوب نمبر۲

میر شمس الدین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس کی بلند ذات کا مرتبہ اور اس ذات سبحانہٗ کی صفات کا مرتبہ وجود اور وجوب کے اعتبار سے اوپر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے محبت اور اخلاص کے ساتھ ارسال فرمایا تھا۔ پہنچا۔ اور بہت فرحت کا باعث ہوا۔ دینی بھائیوں کی کثرت آخرت میں میں بہت سی امیدوں کا ذریعہ ہے۔" اسے اللہ ہمارے دینی بھائیوں کو زیادہ کر اور ہمیں اور ان کی سیّد المرسلین علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت رکھ۔

از ہر چہ مے رود سخن دوست[2] خوشتر است

اے محبت کے نشانات والے! واجب تعالیٰ اور واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی سات یا آٹھ صفات مختلف آرا کے مطابق جو صفات حقیقہ ہیں۔ خارج میں موجود ہیں اور اہل حق شَکَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَعْيَهُمْ کے سوا مخالف فرقوں میں سے کوئی ایک بھی واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی صفات کے وجود کا قائل نہیں ہے۔ حتّٰے کہ اہل حق میں سے متاخرین صوفیہ بھی وجود صفات کے منکر ہوئے ہیں اور صفات کی زیادتی کو علم کی طرف لوٹاتے ہوئے کہتے ہیں۔

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات[1] باذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

اور حق یہ ہے کہ اہل حق کی بات ہی برحق ہے۔ اور نبوت کے سینہ سے حاصل کی ہوئی چیز ہے۔ اور کشف وفراست کے نور سے اس کی تائید ہو چکی ہے۔ غائت مافی الباب' اتنی بات ہے کہ صفات کو موجود' ماننے کی صورت میں مخالفین جو اعتراض کرتے ہیں۔ وہ بڑا قوی ہے۔ کیونکہ صفات اگر موجود ہوں گی۔ تو خالی نہیں ہیں۔ یا ممکن ہوں گی یا واجب لذاتہٖ۔ امکانِ حدوث اور فنا کو مستلزم ہے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ہر ممکن حادث ہے۔ اور بہت سے واجب لذاتہٖ تسلیم کرنا توحید کے منافی ہے۔ اور نیز امکان کی صورت میں صفات کا ذات تعالیٰ وتقدس سے جواز انفکاک لازم آتا ہے۔ اور یہ معنی واجب تعالیٰ وتقدس کے لئے' جہل اور عجز کے جواز کا موجب ہے۔ اس اشکال کا حل جو اس فقیر پر ظاہر کیا گیا۔ یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے۔ نہ کہ وجود

---

[2] دوست کی بات جس طرف سے بھی سنائی دے۔ بہت اچھی لگتی ہے۔

[1] تعقل اور علم کی رو سے تمام صفات ذات کا غیر ہیں اور تحقق کی رُو سے سب عین ہیں۔

کے ساتھ۔ چاہے وجود عین ذات ہو یا ذات سے زائد۔ اور واجب تعالیٰ کی صفات اس کی بلند ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ وجود کے ساتھ۔ کیوں کہ وجود کی اس مقام میں گنجائش نہیں۔

شیخ علاؤ الدین نے اس مقام کی طرف اشارہ فرمایا۔ جہاں آپ نے فرمایا۔ کہ ملک ودود (ذاتِ حق) کا عالم عالم وجود سے اوپر ہے۔ لہٰذا امکان و وجوب کی نسبت بھی اس مقام میں متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ امکان اور وجوب ماہیّت اور وجود کے درمیان نسبت کا نام ہے۔ تو جہاں وجود ہی نہ ہو۔ وہاں نہ امکان ہوگا اور نہ وجوب۔ یہ معرفت نظر و فکر کے مقام سے وراء ہے۔ عقل کی رسی میں بندھے ہوئے ہو۔ لوگ اس معرفت کو کیا پا سکتے ہیں۔ اور انکار کے سوا ان کے حصے میں کیا آ سکتا ہے۔ مگر جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ محفوظ رکھے۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ سیادت پناہ میر سیّد محب اللہ کچھ عرصہ تک یہاں رہے ہیں۔ اب آپ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان کی صحبت اور خدمت کو غنیمت جانیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ۔

مکتوب نمبر (۳)

مخدوم زادہ حقائق و معارف آگاہ مظہرِ فیض الٰہی خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ آفاق و انفس (یعنی انسان کی اندرونی اور بیرون دنیا) کا معاملہ ظلال میں داخل ہے۔ اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کا بیان اور کمالات نبوت اور تجلّی افعال کی حقیقت جس کے متعلق بعض صوفیہ کے نزدیک قرار پا چکا ہے کہ وہ ظلِ فعل حق کا ظل ہے نہ عین فعل۔ صفات و ذات تعالیٰ تک اس کی کہاں رسائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

جو کچھ آفاق اور انفس کے آئینوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ داغِ ظلّیت سے داغدار ہے۔ اس لئے وہ نفی کرنے کے لائق ہے۔ تا کہ اصل کا اثبات کیا جا سکے۔ اور جب معاملہ آفاق اور انفس سے آگے گزر گیا۔ تو ظلّیت کی قید سے چھوٹ گیا۔ اور تجلی فعل و صفت میں شروع ہونا میسر آ گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اس قبل جس تجلی نے بھی ظہور کیا تھا۔ آفاقی اور انفسی سیر میں اگرچہ اُسے تجلی ذات ہی خیال کریں۔ سب فعل اور صفت کے ظلال سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ کہ نفسِ فعل و صفت کے ساتھ۔ ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچا کجا۔ اس لئے کہ ظلّیت کا دائرہ انفس کی نہایت کے ساتھ منتہی ہو جاتا ہے۔ پس جو کچھ آفاق اور انفس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس دائرے میں داخل ہے۔ اور صفات بھی اگرچہ حقیقت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے ظلال ہیں۔ تاہم دائرہ اصل میں داخل ہیں۔ اور اس مرتبے کی ولایت اصلی ہے بخلاف مرتبہ سابق کی ولایت کے۔ جو آفاق اور انفس سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ظلی

ولایت ہے۔ دائرہ ظل کے منتہی لوگوں کیلئے تجلی برقی جو مرتبہ اصل سے پیدا ہوتی ہے حاصل ہے۔ جو ایک گھڑی بھر کیلئے آفاق اور انفس کی قید سے آزاد کر دیتی ہے۔ اور وہ جماعت جو دائرہ آفاق اور انفس سے آگے نکل گئی۔ اور ظل سے اصل تک پہنچ گئی۔ یہ تجلی برقی ان کے حق میں دائمی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی جائے سکونت اور جائے پناہ دائرۂ اصل ہے۔ جس سے تجلی برقی پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کا معاملہ تجلیات اور ظہورات سے اوپر ہے۔ اس لئے کہ ہر تجلی اور ظہور جس مرتبے سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ شائبہ ظلیت سے باہر نہیں ہے۔ اور اصل الاصول کی گرفتاری نے ان کو ظل سے فارغ کر دیا ہے۔ اور یہ لوگ نگاہ کی کجی سے چھوٹ گئے ہیں۔ ولایت ظلی میں جو ولائیت صغریٰ ہے۔ نہایت کمال تجلی برقی کا حاصل ہونا ہے۔ اور یہ تجلی برقی ولائت کبریٰ میں پہلا قدم ہے۔ جو ولائیت انبیاء ہے۔ (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور ولائیت صغریٰ ولائیت اولیاء ہے۔ (قدس اللہ تعالیٰ اسراہم) یہاں سے ولائیت اولیاء اور ولائیت انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ سُبحانہ علیہم کے درمیان فرق' معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ اس ولایت کی نہایت اس ولائیت کی ابتدا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نبوت کے کمالات کے بارے میں کیا لب کشائی کرے۔ جب کہ نبوت کی ابتدا ولایت کی انتہا ہے۔ شاید حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی ولائیت سے حصہ پایا تھا اسی بناء پر آپ نے فرمایا کہ ہم نہایت کو ہدایت میں درج کرتے ہیں۔ یہ فقیر اس قدر جانتا ہے۔ کہ نقشبندی نسبت اور حضور جب کمال کو پہنچتا ہے۔ تو ولایت کُبریٰ سے مل جاتا ہے۔ اور اس ولایت کے کمالات سے وافر حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے کہ ان کے کمال کی نہایت تجلی برقی تک ہے۔

جاننا چاہیے۔ کہ جو سیر آفاقی اور انفس کی سیر کے بعد میسر آتی ہے۔ وہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کی اقربیت میں سیر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس بلند ذات کا فعل ہم سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے۔ اسی طرح اس بلند ذات کی صفت ہم سے اور اس بلند ذات کے فعل سے ہمارے زیادہ نزدیک ہے۔ اور اس کی بلند ذات ہم سے اور اس ذات سبحانہٗ کا فعل اور اس کی صفت ہمارے زیادہ نزدیک ہے۔ ان مراتب میں سیر اقربیت میں سیر ہے۔ تجلی فعل' تجلی صفت اور تجلی ذات کی حقیقت اسی مقام میں ثابت ہوتی ہے۔ اور وہم کی سلطنت اور دائرہ خیال سے اسی جگہ آ کر نجات حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہم خیال کی سلطنت کے لئے آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر حکومت اور تصرف میسر نہیں ہے۔ وہم کی نہایت ظل کی نہایت تک ہے۔ جس جگہ ظل نہیں ہوگا۔ وہاں وہم بھی نہیں ہوگا۔

پس ناچار ولائیت ظلی میں وہم سے خلاصی اور نجات موت کے بعد میسر آتی ہے۔ کیونکہ وہم عدم کی طرف رُخ کر لیتا ہے۔ اور ولائیت اصلی میں جو ولایت کبریٰ ہے' وہم وخیال کی قید سے اسی دنیا میں نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہم کے ہوتے ہوئے بندہ اس کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جو کچھ پہلے گروہ کو دارِ آخرت میں حاصل ہوگا۔ اس دوسرے گروہ کو اسی جگہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ولائیت ظلی میں اس دنیا کے اندر اپنے وہم وخیال

سے تراشی ہوئی باتوں کے سوا مطلوب کا حصول نہیں ہوتا۔ اور ولایت اصلی میں مطلوب وہم کی تراش کے نقص سے منزہ اور مبرا ہے۔

شائد مولینا روم قدس سرہٗ حیطہ وہم اور قید خیال سے تنگ آ کر موت کی آرزو کرتا ہے۔ تا کہ مطلوب کو وہم وخیال کے لباس میں سے بالکل برہنہ اپنی آغوش میں کھینچ سکے۔

اور موت کے بارے میں کسی کو اپنے متعلق دعا عافیت سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں [1]

من شوم عُریاں ز تن و از خیال تا خرامم در نہایات الوصال

یہ بات سنو' کہ وہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ آفاق وانفس ہی افعال اور صفات کے ظلال کی تجلیات ہیں۔ نہ نفس افعال وصفات کی تجلیات۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ تکوین صفات حقیقیہ میں سے ہے جیسا کہ علماء ماتریدیہ کا مذہب ہے۔ (شکر اللہ تعالیٰ سعیہم) صفاتِ اضافیہ میں سے نہیں جیسا کہ شاعرہ کا گمان ہے۔ اس صفت میں دوسری صفت کی نسبت چونکہ رنگ اضافت غالب ہے۔ اس بناء پر انہوں نے اسے صفاتِ اضافیہ میں سے گمان کر لیا۔ لیکن حقیقۃً بات یہ نہیں۔ بلکہ یہ صفت صفاتِ حقیقہ میں سے ہے۔ جس کے ساتھ رنگِ اضافت کی ملاوٹ ہو چکی ہے۔ اور یہ صفت تکوین جو سب سے نچلی صفت ہے۔ صفات عالیہ کا رنگ رکھتی ہے۔ مثلاً کچھ حصہ علم اور حیات سے رکھتی ہے۔ اور کچھ قدرت وارادہ سے بھی رکھتی ہے۔ اور اس صفت تکوین کی جزئیات ہیں۔ جو فی الحقیقت اس کے ظلال ہیں۔ جیسے' تخلیق' ترزیق' احیاء واماتت' انعام اور ایلام وغیرہ اور یہ جزئیات افعال میں داخل ہیں۔ جو حقیہ اس صفت کے ظلال ہیں۔ اور صفات حقیقہ کے دائرہ سے باہر ہیں۔ اور اس فعل کے دو رُخ ہیں ایک رُخ فاعل سے متعلق ہے۔ اور دوسرا مفعول سے۔ اور یہ دونوں جہتیں نظر کشفی میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں۔ پہلی جہت بلند ہے اور دوسری پست۔ نیز جہت اوّل دیکھنے میں اصل کی طرح ہے۔ اور دوسری جہت اس اصل کے لئے ظل کی طرح دکھائی دیتی ہے۔

نیز پہلی جہت وجوب کا رنگ رکھتی ہے۔ اور دوسری جہت امکان کا رنگ۔ یہ دوسری جہت غیر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات یعنی اولیاء کرام اور ساری مخلوق کے تعینات کے مبادی ہیں۔

حق جل سلطانہ کا یہ فعل چونکہ دو جہتوں کے اعتبار سے وجوب کا رنگ بھی رکھتا ہے۔ اور امکان کا رنگ بھی اس لئے بہر صورت ممکن ہوگا۔ کیونکہ واجب اور ممکن سے ترکیب پانے والی شئی ممکن ہوتی ہے۔ اور نیز یہ فعل جب کہ جہت فوقانی کے اعتبار سے قدم کی طرف رُخ رکھتا ہے۔ اور جہت تحتانی کے اعتبار سے حدوث میں بھی قدم رکھتا ہے۔ لہٰذا لازماً حادث ہوگا۔ کیونکہ قدیم اور حادث سے مرکب حادث ہوتا ہے۔ اور وہ جماعت جس نے حق

---

[1] میں تن اور خیال سے برہنہ ہو جاؤں۔ تو پھر ہی وصال کی نہائتوں میں ٹہل سکتا ہوں۔

جل شانہٗ کے فعل کو قدیم کہا ہے۔ وہ جہت اولیٰ کی رُو سے ہے۔ اور جس دوسری جماعت نے اُسے حادث جانا ہے۔ ان کا یہ خیال دوسری جہت کے اعتبار سے ہے۔ پہلی گروہ کی نظر بلند ہے۔ اور دوسرے گروہ کی پست۔ اگرچہ دونوں گروہ اس بارے میں حق سے ہٹ کر دو طرفوں میں ہو گئے ہیں۔ اور حق متوسّط وہ ہے۔ جس کے ساتھ اس فقیر کو ممتاز کیا گیا ہے۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

اسی طرح کی تحقیق صفات حقیقہ کے متعلق بعض مکاتیب میں بیان ہو چکی ہے۔ وہاں سے مطالعہ کر لیں۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فعل میں جہت ثانی خلقِ خاص سے عبارت ہے۔ جس نے زید سے تعلق پکڑا ہوا ہے۔ اور یہ زید کا پیدا کرنا مطلق جزئیاتِ خلق کی گویا ایک جزئی ہے۔ اور یہ خلق خاص جو زید سے متعلق ہے۔ اس کی بھی بہت سی جزئیات ہیں۔ جیسے ذاتِ زید کی پیدائش۔ صفاتِ زید اور افعالِ زید کی پیدائش۔ اس کی بھی بہت سی جزئیات ہیں۔ جیسے ذاتِ زید کی پیدائش۔ صفاتِ زید اور افعالِ زید کی پیدائش۔ اور خلقِ زید کی یہ جزئیاتِ مطلق ذاتِ زید کی جو گویا کلّی ہے۔ ظلال ہیں۔ اور فعلِ زید کی خلق کیلئے بھی ایک ظل اور مظہر ہے۔ اور وہ کسبِ زید ہے جس نے فعل سے تعلق پکڑا ہے۔ زید اس کسب کو اپنے باپ کے گھر سے نہیں لایا۔ بلکہ اس کا کسب خلق حق جل وعلا کا پرتو ہے۔ پس ان معارف سے معلوم ہو گیا کہ ظل کا فعل تکوین ہے۔ اور فعل کی جہت ثانی جہت اُولیٰ کا ظل ہے۔ جیسا کہ تحقیق کی جا چکی ہے۔ اور جہت ثانی کا بھی ایک ظل ہے۔ جسے خلقِ زید کہتے ہیں۔ اور خلقِ زید کا پھر ایک ظل ہے۔ جو خلقِ فعل زید ہے۔ اور اس ظل کا پھر ایک ظل ہے۔ جو کسبِ زید ہے۔ جب یہ علوم تو نے جان لئے تو یہ بھی جان لے۔ کہ سلوک کے وقت سالکوں کو نظر میں مثلاً کسب زید کی نسبت جب زید سے منتفی ہو جاتی ہے۔ اور اس کی اضافت زید سے زائل ہو جاتی۔ تو سالک حضرات ناچار اس فعل کا فاعل حق تعالیٰ وتقدس کا جانتے ہیں۔ بلکہ مخلوق کے افعال متکثرہ متباینہ کو ایک فاعل کا فعل پاتے ہیں۔ اور اس معنی کے ظہور کو تجلّی افعال گمان کرتے ہیں۔

انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ تجلّی' فعل حق تعالیٰ سُبحانہٗ کی تجلّی ہے۔ یا اس فعل کے ظلال میں سے کسی ظل کی تجلّی ہے۔ جس نے کئی مراتب تنزّل کر کے ظلّیت کا اسم پایا ہے۔ فعل کی تجلّی پر دوسری تجلیات (ذات وصفات کی تجلیات) کو قیاس کرنا چاہیئے۔ کہ ظلال میں سے ایک ظل پر کفایت کرتے ہوئے اصلِ اصل گمان کر لیا ہے۔ اور لوگ اکھروٹ ومنقا (حقیر چیزوں) کے ساتھ آرام پکڑ چکے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ وجوب وجود چونکہ ایک نسبت واضافت ہے۔ اس لئے اس کا وجود لازماً مرتبہ فعل میں ہی ہوگا۔ اور جب کہ یہ نسبت عالم کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ بلکہ صانعِ عالم تعالیٰ وتقدّس کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے فعل کی وجہ اُولیٰ کے ساتھ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ مناسب ہے۔

اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ وجوب مرتبہ ذات وصفات تعالیٰ وتقدس میں ثابت نہ ہو۔

اور اس بلند اور پاک ہستی کی ذات وصفات کو واجب نہ کیا جائے۔ پس حضرت ذات اور اس کی صفات سے وجود مسلوب ہوگا۔ جس طرح کہ امکان اور امتناع اس بلند ذات سے مسلوب ہے لہٰذا ایک چوتھی قسم وجوب' امکان اور امتناع کے سوا پیدا ہوگئی۔ حالانکہ ان مذکور تین اقسام میں حصر عقلی ثابت ہو چکا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ انحصار ماہیّت کے لئے اس کے وجود کی نسبت سے ہے۔ تو جب ماہیت کی وجود کی طرف نسبت ثابت نہیں۔ تو انحصار بھی ثابت نہ ہوا۔ جس طرح کہ ذات واجب تعالیٰ اور اس پاک ذات کی صفات میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی بلند ذات بذاتہٖ موجود ہے۔ وجود کے ساتھ موجود نہیں وجود کو عین ذات کہیں یا زائد علی الذات۔ اور اس کی صفات بھی اس کی ذات سُبحانہ کے ساتھ موجود ہیں۔ بغیر اس بات کے کہ ان میں وجود دخل انداز ہو۔ تو اس سُبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات اور صفات اِن تینوں منحصر اقسام سے بلند و بالا ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جب اس کی بلند ذات اور اس پاک ہستی کی صفات کا مختلف وجوہ اور اعتبارات سے تصور اور تعقّل کیا جائے۔ کہ اس کی نفس حقیقت کے تصور کا کوئی راستہ نہیں۔ تو اس کی ذات سُبحانہٗ کے لئے وجود تصور ظلّی میں وجوب عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کی بے نیاز ذات کے لئے وہی مناسب اور لائق ہے۔ اور اس سبحانہٗ کی صفات کی وجود ذہنی میں امکان عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُن کے لئے مناسب ہے۔ کیونکہ وہ ذات کی طرف محتاج ہیں۔ تو اس بلند ہستی کی ذات اور اس کی صفات اپنی حد ذات میں مرتبہ وجوب اور امکان سے بلکہ مرتبہ وجوب سے بھی اوپر ہیں۔ اور وجود تصوری ظلّی کے اعتبار سے وجوب اس کی بلند ذات کے لئے مناسب ہے۔ اور امکان اس ذات تعالیٰ وتقدّس کی صفات کے مناسب۔ تو اس کی بلند صفات وجود خارجی کی حیثیت سے نہ واجب ہیں اور نہ ممکن۔ بلکہ وہ وجب اور امکان سے اوپر ہیں۔ اور وجود ذہنی کے اعتبار سے ممکن ہیں۔ لیکن اس امکان سے حدوث لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ امکان ان کی ذوات کے لئے نہیں جیسا کہ ممکنات کے لئے ہے۔ بلکہ صفات کے وجوداتِ ظلّیہ کے لئے ہے۔

اور اس معرفت کے مناسب ہے۔ وہ بات جو ارباب معقول نے کہی ہے۔ اور کلّیت اور جزئیت ماہیّت کو وجود ذہنی کی خصوصیّت کے اعتبار سے عارض ہوتی ہے۔ لہٰذا وجود خارجی کی حالت میں ماہیّت کو ان دونوں کے ساتھ موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ پس زید جو خارج میں مثلاً تعقّل سے پہلے موجود ہے۔ جزئی نہیں ہے۔ جس طرح وہ کلّی بھی نہیں ہے۔ بلکہ جزئیت اُسے وجود ذہنی ظلّی کے بعد عارض ہوئی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ تمام نسبتیں' اضافتیں احکام اور اعتبارات جو اس کی بلند ذات پر محمول ہوتے ہیں جیسے اُلوہیّت' ربوبیت' اوّلیت' اور ازلیّت یعنی وہ تمام چیزیں جو آٹھ موجود صفات کے علاوہ ہیں۔ وہ اس ذات سُبحانہٗ پر تصور اور تعقّل کے اعتبار سے صادق آتی ہیں۔ ورنہ ذاتِ مِنْ حَیْثُ ذات کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں۔ اور نہ کسی اسم کے ساتھ موسوم ہے۔ اور نہ کسی حکم کی محکوم ہے۔ پس صاحب شرع نے اس کی ذات پر جن اسماء اور احکام کا اطلاق کیا ہے۔ وہ تناسب اور تشابہ کے

اعتبار سے ہے۔ تا کہ مخلوق کے افہام کے قریب ہو جائے۔ اور ان کی عقل کے مطابق ان کے ساتھ گفتگو ہو۔ جس طرح زید کے لئے جو خارج میں موجود ہے۔ بغیر ذہن میں وجود ملاحظہ کرنے کے بیشک وہ تشبیہہ اور تنظیر کے لحاظ سے جزئی ہے۔ اور ان کا زید کے لئے جزئیت کا حکم کرنا ان کے حکم کے ساتھ بہت مناسب اور بہت مشابہ ہے۔ کہ وہ کلّی ہے۔ تو اسی طرح غنی اور بلند ذات پر وجوب کا حکم کرنا۔ امکان اور امتناع سے بہت اولیٰ اور مناسب ہے۔ ورنہ اس کی جناب قدس کی طرف نہ وجوب پہنچ سکتا ہے اور نہ وجود۔ جس طرح کہ اس کی بلند اور منزہ ذات کے لئے امکان اور امتناع بھی لائق نہیں اس شریف اور پاک معرفت کو سمجھ لے۔

کیونکہ اس کی بلند ور پاکیزہ ذات وصفات کے علم کا خلاصہ ہے۔ اور عظیم اور بڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی یہ باتیں بیان نہیں کیں۔ اس معرفت کے ساتھ اللہ سُبحانہ نے اِسی بندے کو برگزیدہ فرمایا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مکتوب نمبر (۴)

سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، جیسے بعض صوفیہ نے بیان کیا ہے۔ یہ تینوں اقسام فی الحقیقت علم الیقین کے تین اجزاء کے دو جزو ہیں۔ اور علم الیقین کا ایک جزو بھی تک باقی ہے۔ تو عین الیقین اور حق الیقین تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔ اور اس امر کا بیان کہ ان عُلوم والا اس ہزار سال کا مجدد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

مدت ہوئی ہے۔ کہ آپ نے اپنے حالات خیر مآل سے مطلع نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے تمہاری سلامتی اور استقامت کی دُعا ہے۔

یہ بات جان لیں۔ کہ علم الیقین علاماتِ قدرت کے مشاہدہ سے عبارت ہے۔ جن سے یقین علمی کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ شہود فی الحقیقت استدلال ہے اثر سے موثر کی طرف۔ پس آفاق وانفس کے آئینوں میں جو کچھ بھی تجلیات اور ظہورات دکھائی دیتے ہیں۔ سب اثر سے مؤثر کی طرف استدلال کے قبیلہ سے ہیں۔ اگر چہ ان تجلّیات کا تجلیات ذاتیہ نام رکھ لیں۔ اور ان ظہورات کو بے کیف کہیں۔ اس لئے کہ شے کا کسی آئینے میں ظہور اس شئی کے آثار میں سے کسی اثر کا ظہور ہے۔ نہ کہ عین اس شے کا حصول۔ اس لئے پوری کی پوری سیر آفاقی اور انفسی علم الیقین کے دائرہ سے قدم باہر نہیں نکال سکتی۔ اور اس کا حصہ صرف اثر سے مؤثر کی طرف استدلال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

[1] سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (آیۂ کریمہ)

عنقریب ہم انھیں آفاق اور ان کے انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

دوسرے صوفیہ نے سیر آفاقی کو علم الیقین سے خیال کیا ہے۔ اور عین الیقین اور حق الیقین کو سیر انفسی میں ثابت کیا ہے اور انفس سے باہر کسی سیر کا ذکر نہیں کیا۔

آں[1] ایشانند من چنیم یارب

(میر محمد لقمان صاحب) یہ جان لیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ خود بندے سے بھی بندے کے زیادہ نزدیک ہے۔ پس بندے سے حق جلّ وعلا تک جانب اقربیت میں ایک اور سیر درکار ہے۔ کہ وصول اس سیر کے طے کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ تیسری سیر بھی فی الحقیقت علم الیقین کو ثابت کرتی ہے۔ یہ اگرچہ دائرہ ظلّیت سے باہر ہے۔ تاہم شائبہ ظلّیت سے پاک اور مبرّا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسماء وصفات واجب جلّ سلطانہٗ فی الحقیقت حضرت ذات تعالت وتقدست کے ظلال ہیں۔ اور جس جگہ بھی ظلّیت کی ملاوٹ ہو وہ آثار وآیات میں داخل ہے۔

پس انہوں نے علم الیقین کی تین سیروں میں سے صرف ایک سیر کو علم الیقین کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس کی سیر دوم کو عین الیقین اور حق الیقین کا حاصل کرنے والا قرار دیا ہے۔ اور تیسری سیر کے بارے میں لب کشائی نہیں کی۔ تاکہ علم الیقین کا دائرہ مکمل ہو۔ عین الیقین اور حق الیقین ابھی درپیش ہیں۔

قیاس[1] کن ز گلستانِ من بہار

(اور یہ فقیر) عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے۔ اور کچھ عرض کرے بھی تو اُسے کون سمجھے گا۔ اور کون پائے گا اور کیا پائے گا۔ یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں۔ ارباب ولائت علماء ظواہر کی طرح ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ علوم انوارِ نبوت علی اربابہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کے سینہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ جو دوسرے ہزار کے آغاز کے بعد تبعیت ور وراثت کے طور تازہ ہوئے۔ اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مُجدّد ہے۔ جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات وصفات اور افعال سے تعلق رکھتے۔ اور جو احوال، مواجید، تجلیات اور ظہورات سے متعلق ہیں، دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تو ماحبِ نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم علماء کے عُلوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں۔ بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکائیں۔ اور وہ معارف اِس چھلکے کا

---

[1] پارہ الیہ یرد، سورہ حم سجدہ

[2] یارب وہ تو اُس طرح ہیں۔ لیکن میں تو اس طرح بھی نہیں۔

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

مغز ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

اور جان لیں۔ کہ ہر سو سال پر ایک مجدّد گزرا ہے۔ لیکن سو سال کا مجدّد اور ہے۔ اور ہزار سال کا مجدّد اور جس طرح سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ان دونوں مجدّدوں میں بھی اسی طرح فرق ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ۔ اور مجدّد وہ ہوتا ہے۔ کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے۔ اس کے واسطے سے پہنچتا ہے۔ اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں۔ اور ابدال و نجبا ہوں ۔

خاص[۲] کند بندہ مصلحتِ عام را

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَجْمَعِيْنَ ٥

مکتوب نمبر (۵)

میر شمس الدّین علی خلخالی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس بلند ذات کی صفات کے دو اعتبار ہیں۔ اعتبار اوّل ان کا حصول فی انفسہا ہے۔ اور دوسرا اُن کا ذات ساتھ قیام ہے۔ اور دونوں اعتبار خارج میں متمیز ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

مخدوم و محترم! واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی صفات جو موجود ہیں۔ اور اس بلند اور پاک ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ دو اعتبار رکھتی ہیں۔ اعتبار اوّل یہ کہ وہ اپنی ذات کی حد میں موجود ہیں۔ اور دوسرا اعتبار یہ کہ واجب تعالیٰ و تقدّس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اعتبار اوّل سے عالم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ اور تعینات کے مبادی ہی ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے عالم سے بے نیاز ہیں۔ اور عالم اور عالم والوں کی طرف ان کی کچھ توجہ نہیں۔

نیز نظر کشفی میں اعتبار اوّل کے لحاظ سے ذات تعالیٰ و تقدّس سے جُدا دکھائی دیتی ہیں۔ اور ذات تعالیٰ و تقدّس کا اثبات ان کے سوا دکھائی دیتا ہے اور دوسرے اعتبار سے اس طرح نہیں ہیں اور نہ ذات سے ان کا الگ ہونا متصور ہو سکتا ہے۔

اور نیز اعتبار اوّل کے لحاظ سے صفات ذات تعالیٰ و تقدّس کا حجاب ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے اُن کے حجاب ہونے کی حیثیت نہیں پائی جاتی۔ جس طرح سفیدی جو کپڑے کے ساتھ قائم ہے۔ کپڑے کے لئے

---

[۲] مصلحتِ عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔

حجاب نہیں ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ سفیدی حصول نفسی اور حصول قیامی دونوں اعتبار سے کپڑے کی ذات کے لئے حجاب نہیں ہے۔ اگرچہ محسوس سفیدی ہوتی ہے۔ لیکن حجاب ہونے کی صفت نہیں پائی جاتی بخلاف واجب تعالیٰ وتقدس کی صفات کے۔ کہ وہ پہلے اعتبار سے حجاب بنتی ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے حجاب نہیں بنتیں۔ اوران دونوں اعتباروں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑا خیال نہ کریں۔ اس فقیر نے جذب قوی اور تیز سیر کے باوجود ان دونوں اعتباروں کے درمیان کی مسافت کو تقریباً پندرہ سال کے عرصے میں طے کیا علمائے متقدمین نے اِن دونوں اعتباروں کے درمیان فرق کا راستہ نہیں پایا۔ اور کہا ہے کہ عرض کا فی نفسہٖ حصول وہی ہے۔ جو جوہر کے ساتھ اس کے قیام کا حصول ہے۔ اور علمائے متاخرین میں سے بعض ان دو دو اعتباروں کے فرق پر مطلع ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے تحقیق کی ہے۔ کہ عرض کا حصول نفسی اور چیز ہے اور حصول قیامی امر دیگر۔ اس لئے کہ عرض کے حق میں کہا جاتا ہے۔ کہ بیشک وہ پایا گیا۔ اور قائم ہوا۔ تو وجود قیام کا غیر ہے۔

متاخرین کی یہ تحقیق جو انہوں نے عرض کے متعلق کی ہے۔ گویا ضرورت مند کے عروج کے لئے ایک زینے اور حاجت کی معرفت کے لئے ایک ذریعے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سیر وسلوک میں بہت سی کلامی اور فلسفی تحقیقات نے مدد کی ہے۔ اور معارف الٰہی جل شانہ کا واسطہ بنی ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ؕ

مکتوب نمبر (٦)

علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع' مخدوم زادہ' مجد الدین' خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

بعض مخفی اسرار کے بیان میں۔ اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ آتی ہے۔ کہ ہمارے پیغمبر علیہ السّلام کو حضرت ابراہیم علیہا الصلوٰۃ والسّلام کی ملّت کی پیروی کا حکم کیوں دیا گیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

میرا گمان ہے۔ کہ میری پیدائش ہے مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی' ولایت ابراہیمی علیہا الصلوات والتحیات کے رنگ سے رنگین ہو جائے۔ اور اس ولایت کا حسنِ ملاحت اس ولائت کے جمالِ صباحت کے ساتھ مل جائے حدیث شریف میں وارد ہے کہ "میرے بھائی یوسف صبیح ہیں اور میں ملیح ہوں" اور اس رنگ اور ملاوٹ کے ساتھ محبوبیت محمدیہ کا مقام درجہ عُلیا تک پہنچ جائے۔ شاید کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ملّت کی اتباع کا حکم اسی دولتِ عظمیٰ کا حصول ہے۔ اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی صلوات اور برکات

کے برابر صلوات اور برکات کی طلب اسی غرض کیلئے ہے۔ ملاحت اور صباحت دونوں صفات کی ملاوٹ کے بغیر اس بلند ذات کے حُسن سے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن حسنِ صفات اور حسنِ افعال آثار سب کا سب کثیر البرکۃ حسنِ صباحت سے حاصل کیا گیا ہے۔ حسن ملاحت حضرت اجمال کے زیادہ مناسب ہے۔ گو ملاحت حسنِ مطلق کا مرکز ہے۔ اور صباحت اس مرکز کا دائرہ۔ اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس میں جس طرح وحدتِ محضہ ہے۔ فراخی اور کشادگی بھی ہے۔ لیکن وہ وحدت محضہ اور وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکتی ہے۔ اور نہ ہی وہ اجمال وتفصیل ہمارے ادراک میں آسکتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ط — آنکھیں اُس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اور وہ لطیف اور خبیر ہے۔

بساطت ووسعت جو حضرت ذات تعالیٰ میں ہم ثابت کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ ایک عین نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے۔ لیکن اِن دونوں کے درمیان فرق وامتیاز جوان کے اندر اس مرتبہ میں ثابت ہے۔ ہمارے احاطہ ادراک سے خارج۔ اور ہمارے افہام کے دائرہ سے باہر ہے۔ پس ملاحت اور صباحت بھی مرتبہ ذات میں متمیز ہیں۔ اور احکام میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور کمالات جوان سے متعلق ہیں۔ وہ بھی ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے۔ میرے علم میں پورا ہوگیا ہے۔ اور ہزار سالہ تجدید کی دُعا مقبول ہوگئی ہے۔ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں۔ جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان رابطہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا۔ ہر حال میں بہت کامل حمد وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ الْاَنَامِ وَعَلٰى اِخْوَانِهِ الْكِرَامِ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ الْعِظَامِ ط

اور جب کہ صباحت بھی ملاحت کے رنگ کے ساتھ رنگین ہوچکی ہے۔ اس بناء پر لازماً خلّتِ ابراہیمی کے مقام نے بھی وسعت پیدا کرلی ہے۔ اور محیط نے بھی مرکز کا حکم اختیار کرلیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ محبت کا مقام مرتبہ ملاحت سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور مقامِ خلّت مرتبہ صباحت سے۔ محبت میں محبوبیت صرف صرف حضرت خاتم المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا حصہ ہے۔ اور محبیت خالص حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دوستی اور ہمنشینی کی نسبت رکھتے ہیں۔ محب اور محبوب اور ہوتا ہے۔ اور یار وہمنشین اور۔ ہر ایک الگ نسبت رکھتا ہے۔

اور یہ فقیر چونکہ ولایت محمدی اور ولائیت موسوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ دونوں کا پروردہ ہے۔ اس مقام ملاحت میں اقامت اور سکونت رکھتا ہے۔ اور ولائیت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی

ا سورۃ الانعام پارہ ’وَاِذَا سَمِعُوا‘ نمبر

محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوبیت کی نسبت غالب ہے۔اور محسبیت کی نسبت مغلوب و مستور۔

اے فرزند! اس معاملے کے باوجود جو میری پیدائش سے وابستہ کیا گیا ہے۔ایک اور عظیم کام میرے سپرد کیا گیا ہے۔ مجھے پیری مریدی کے لئے (دنیا میں) نہیں لایا گیا۔میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل و ارشاد نہیں۔ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے۔(دنیا میں) نہیں لایا گیا۔میری پیدائش سے مقصود مخلوق کی تکمیل وارشاد نہیں۔ایک دوسرا کام اور معاملہ ہے۔ جو شخص (مجھ سے) مناسبت رکھتا ہوگا۔وہ اس دوسرے کام کے ضمن میں فیض حاصل کریگا۔اگر مناسبت نہ رکھتا ہوگا تو فیض نہ پا سکے گا۔

اس عظیم کام کی نسبت ارشاد و تکمیل کا کام اس طرح معمولی ہے۔جس طرح راستے میں پڑی ہوئی چیز (جیسے تنکا وغیرہ) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت ان کے باطنی معاملات کی نسبت یہی حیثیت رکھتی ہے۔اگرچہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے۔لیکن تبعیت و وراثت کے طور پر نبوت کے کمالات و خصائص سے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے ان کے کامل پیروکاروں کو بھی حصہ ملتا ہے۔

مکتوب نمبر (۷)

مکتوبات شریف کی اس جلد ثانی کے جامع فقیر حقیر عبدالحی کی طرف صادر فرمایا:

مراتب پنجگانہ محبوبیت[1]، محسبیت[2]، محبت[3]، حُبّ[4]، اور رضا[5]، اور ان سے اوپر مرتبہ کے بیان میں۔نیز اُن سے ہر ایک کی ایک پیغمبر کے ساتھ خصوصیت اور اُن کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. حمد و ثنا اُس اللہ کے لئے جس نے ہم پر انعام فرمایا ہمیں دین اسلام کی ہدایت فرمائی۔اور ہم کو اپنے حبیب پاک حضرت محمد مصطفےٰ علی وعلیہ آلہ الصلوۃ والسلام کی امت میں بنایا۔

جان لے۔(اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدائت عطا کرے) کہ محبت ذاتی کے جس کے ساتھ خداوند تعالیٰ و تقدس اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے۔تین اعتبار ہیں۔محبوبیت، محسبیت، اور محبت۔محبوبیت ذاتیہ کے کمالات کا ظہور خاتم الرّسل علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات کے لئے مسلم ہے۔غایت مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جانب محبوبیت میں دو کمال ہیں۔فعلی اور انفعالی۔فعل اصل ہے اور انفعال اس کے تابع۔لیکن انفعال فعل کے لئے علّت غائی ہے۔کیونکہ انفعال اگرچہ وجود میں موخر ہے۔تاہم تصور میں مقدم ہے۔

اور کمالات محسبیت کا ظہور حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کا حصّہ ہے۔

اور تیسرا اعتبار کہ نفسِ محبت ہے۔ابوالبشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام اولاً اس مقام میں مشہور ہوئے دوسرے نمبر پر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی اسی مقام پر مشہود ہوئے۔تیسرے نمبر

پر حضرت نوح بھی اسی مقام میں اسی اعتبار سے دکھائی دیئے۔ حقیقتِ حال اللہ سُبحانہٗ کو معلوم ہے۔

اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس جس طرح اپنی ذات کو دوست رکھتی ہے۔ اپنے کمالات اسمائی وصفاتی اور افعال کو بھی دوست رکھتی ہے۔

اور اسماء وصفات کے ساتھ حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس کی محبت کا ظہور حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں بروجہ اتم ہے۔ اور اسمائی وصفاتی اور افعالی محبوبیت کا ظہور دوسرے انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات میں متحقق اور موجود ہے۔ جس طرح ان اسماء وصفات وغیرہ کی محبوبیت کا ان میں ظہور ہے۔ اور جب اسماء وصفات اور افعال کے لئے ظلال بھی ہیں۔ تو ان ظلال کی محبوبیت کا ظہور ان کے اصولوں کے واسطہ سے مراد اور محبوب اولیاء کا حصّہ ہے۔ جس طرح ان ظلال محبوبیت کہ مُریدین اور محبین اولیاء کا حصّہ ہے۔ اور محبت ذاتیہ کے مقام سے اوپر حُب کا مقام ہے۔ جو تینوں اعتبارات کا جامع اور اُن کا اجمال ہے۔ اور رضا کا مقام مقامِ محبت وحب سے بھی اوپر ہے۔ کیونکہ رضا کا مرتبہ محبت کے مرتبہ سے اوپر ہے۔ کیونکہ محبت میں اجمالاً اور تفصیلاً نسبت کا وجود ہے۔ اور مقام رضا میں جو حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس کے مناسب ہے۔ نسبت حذف ہے۔ اور مقامِ رضا سے آگے کسی کا قدم نہیں بڑھ سکتا۔ مگر خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا۔ شاید اُسی مقام سے خبر دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے۔

لِیْ[1] مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَّ لَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ (حدیث قدسی)

مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص وقت نصیب ہوتا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی مرسل نبی گنجائش نہیں رکھتا۔

اور ایک حدیث قدسی میں شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وارد ہوا ہے۔

یَامُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوَاکَ خَلَقْتُ لِاَجْلِکَ فَقَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَمَا اَنَا وَمَا سِوَاکَ تَرَکْتُ لِاَجْلِکَ (حدیث قدسی)

اے محمد (ﷺ) میں اور تو اور جو کچھ تیرے سوا ہے تیرے لئے پیدا کیا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی۔ اے اللہ تو ہی ہے اور میں نہیں ہوں۔ اور جو کچھ تیرے سوا ہے۔ میں نے سب تیرے لئے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اس دنیا میں لوگ کیا پا سکتے ہیں۔ اور آپ کی عظمت و

[1] تاریخ الخمیس للعلامہ البکری

بزرگی کو اس جہان میں کیا پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ اس دارِ ابتلاء میں سچا اور جھوٹا باہم ملا ہوا ہے۔ (امتیاز نہیں ہوتا) اور حق باطل کے ساتھ مخلوط ہے۔ قیامت کے روز آپ کی عظمت و بزرگی معلوم ہوگی۔ جب آپ پیغمبروں کے امام بنیں گے۔ اور ان کے صاحب شفاعت ہوں گے۔ آدم اور آدم کی ساری اولاد سب آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاءِ والمرسلین من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

جائز ہے۔ کہ اس خاص مقام میں کہ مقام رضا سے اوپر ہے۔ خادموں پس خوردہ کھانے والے) میں سے کسی خادم کو وراثت اور تبعیت کے طور پر جگہ دے دیں اور طفیلی کی حیثیت سے اس بارگاہ کا محرم کر دیں۔

بر[2] کریماں کا رہا دشوار نیست

یہ معنی غیر انبیاء کی انبیاء پر فضیلت کو مستلزم نہیں۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔ کیونکہ خادم کی مخدوم کے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ مساوات کیسے ہوسکتی ہے۔ اور تابع کی متبوع کے ہمسروں کے ساتھ کیا نسبت۔ اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور تابع طفیلی زیادہ سے زیادہ فضیلت جزئی تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور اُس میں کوئی استحالہ نہیں۔ کیونکہ ہر بافندہ اور حجام اپنے پیشے اور حرفت کے لحاظ سے صاحب ہنر دانشمند پر فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن اس فضیلت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمارا کلام اشارات و رموز اور بشارات و خزانے میں۔ اکثر لوگوں کے لئے ان اشارات وغیرہ سے کچھ نہیں۔ مگر یہ کہ وہ حُسنِ ظن سے ان کی تصدیق کریں۔ تو ان کی یہ تصدیق ایسے ثمرات ان کے سامنے رکھ دے۔ جو انہیں نفع دیں۔ واللہ سُبحانہٗ الموفق۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی جَمِيْعِ اِخْوَانِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ۔

مکتوب نمبر (۸)

خانخاناں کی طرف صادر فرمایا:

اخص خواص، عوام اور متوسط لوگوں کے ایمان بالغیب میں فرق کے بیان میں.....

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

[1] از ہر چہ مے رود سخن دوست خوشتر است

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[2] کریم لوگوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

[1] دوست کی بات جس طرف سے جاری ہو اچھی لگتی ہے۔

[2] وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط

جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے دریافت کریں تو میں قریب ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[3] مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَ لَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ج

نہیں ہوتی تین افراد کی سرگوشی مگر چوتھا ان کا خدا ہوتا ہے اور نہ پانچ افراد کی سرگوشی مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم اور زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں بھی وہ ہوں۔

اس بلند ذات کی معیت اور اس کا قرب اس سبحانہٗ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ اس لئے کہ چوں کے لئے بے چون تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ لہٰذا قرب و معیت کا جو معنی بھی ہمارے عقل و فہم میں آئے یا ہمارے کشف و شہود سے معلوم ہو۔ وہ بلند ذات اس سے منزہ و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ مجسمہ میں قدم رکھنے والی بات ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے۔

اس عالم دنیا میں کاملین کا بھی انتہائی اس بلند ہستی کی ذات و صفات کے ساتھ ایمان بالغیب ہے۔

[1] دور بنیا بارگاہِ الست بیش ازین پے نبردہ اند کہ ہست

اخص خواص کا ایمان بالغیب عوام کے ایمان بالغیب کی طرف نہیں۔ کیونکہ عوام نے سماع یا استدلال سے ایمان حاصل کیا ہوتا ہے۔ اور اخص خواص غیب الغیب کے جمال و جلال کے ظلال کے پردوں اور تجلیات و ظہورات کے پردوں کے اندر مطالعہ کر کے ایمان بالغیب حاصل کرتے ہیں۔ اور متوسط لوگ ظلال کو اصل گمان کرتے ہوئے اور تجلیات کو عین تجلیات جانتے ہوئے ایمان شہودی کے ساتھ خوش ہیں۔ اور ان کے حق میں ایمان بالغیب دشمنوں کا حصہ ہے۔

کُلُّ [2] حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ط

تکلیف دینے کا ایک سبب یہ ہے۔ کہ مولانا عبدالغفور و مولانا حاجی محمد خاص دوستوں میں سے ہیں۔ اِن دونوں پر آپ کی طرف سے جو احسان بھی ہوگا۔ وہ دراصل فقیر پر احسان ہوگا۔

[3] بر کریماں کارہا دشوار نیست والسّلام

---

[2] سورۃ بقرہ پارہ دوم [3] سورۃ مجادلہ پارہ قد سمع اللہ ۔

[1] بارگاہِ اَلست کے دوربین اس سے زیادہ کچھ سراغ نہیں لگا سکے کہ وہ ہے۔

[2] ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے [3] کریم لوگوں پر کوئی کام دشوار نہیں

مکتوب نمبر (۹)

مُلا محمد عارف ختنی کی طرف صادر فرمایا:

کلمہ طیبہ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کے فضائل اور مقام تنزیہہ کی تحقیق' اور اس امر کے بیان میں کہ ایمان بالغیب اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ معاملہ اقربیت تک پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ معاملہ دائرہ وہم و خیال سے باہر ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔

مولانا محمد عارف ختنی کو چاہیئے کہ پہلے باطل آلہوں کی نفی کرتے ہوئے معبود بحق جل سلطانہ' کا اثبات کرے۔ اور جو کچھ چونی و چند کے داغ سے داغدار ہے۔ اُسے لا کے نیچے لا کر خدائے بے چوں جل شانہ' پر ایمان لائے۔

غیر کی نفی اور حق تعالیٰ کے اثبات میں کامل اور جامع ترین عبارت کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ط۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ افضل الذکر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ' کہ سب سے افضل ذکر کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے اللہ سُبحانہ' کی طرف نقل کرتے ہوئے فرمایا۔

لَوْ اَنَّ[1] السَّمٰوٰت السَّبع و عامر هن غيرِىْ وَالْاَرْضِيْن السبع و ضعَن فِے كَفَّةٍ وَلَا اِلٰه اِلَّا اللّٰهُ فِىْ كَفَّةٍ لَمَا لَثْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا ان کو آباد کرنے والی ہر چیز اور ساتوں زمین ایک پلے میں رکھی جاءیں اور کلمہ طیبہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ ط دوسرے پلے ہیں۔ تو کلمہ طیبہ والا پلّہ بھاری ہو جائیگا۔

کلمہ طیبہ کا پلّہ کیوں افضل اور راجح نہ ہو۔ جب کہ اس کا ایک کلمہ تمام ماسوا کی نفی کرتا ہے۔ چاہے آسمان ہوں یا زمین' عرش ہو یا کرسی' لوح ہو یا قلم' عالم ہو یا آدم اور دوسرا آدم اور دوسرا کلمہ معبود بحق جل برہانہ' کو ثابت کرتا ہے۔ کہ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ اور حق جل وعلا کے ماسوا آفاق وانفس میں سے جو کچھ ہے۔ سب کا سب چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ پس جو کچھ بھی آفاق وانفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہوگا۔ بطریق اولیٰ چونی و چندی سے داغدار ہوگا۔ جو نفی کرنے کے لائق ہے۔ لہٰذا ہمارا معلوم' موہوم' اور ہمارا مشہود محسوس سب چونی اور چگونی کے ساتھ موصوف اور حدوث وامکان کے عیب کے ساتھ معیوب ہے۔ کیونکہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا تراشا ہوا اور ہمارا کسب کیا ہوا ہے۔ وہ تنزیہہ جس کے ساتھ ہمارا علم تعلق رکھتا ہے۔ عین تشبیہ ہے اور وہ

[1] شرح سنۃ

کمال جو ہمارے اندازہ فہم میں آتا ہے عین نقص ہے۔ پس جو کچھ ہم پر متجلی اور مکشوف و مشہود ہوتا ہے۔ سب غیر حق سبحانہ ہے۔ اور وہ بلند ذات وراءُ الوراء ہے۔ حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔

[1] اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ کیا ان چیزوں کو پوجا کرتے ہو۔ جنہیں تم نے خود تراشا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں بھی اور تمہارے اعمال کو بھی پیدا کیا ہے۔

ہمارا تراشا ہوا خواہ ہم نے اُسے ہاتھ سے تراشا ہو یا عقل و وہم سے سب حق سبحانہ' کا مخلوق ہے۔ اور لائق عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق وہ خدائے تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے۔ جس کے دامن ادراک سے ہمارے عقل و وہم کا ہاتھ کوتاہ ہے۔ اور ہمارے کشف اور شہود کی آنکھ سے اس سبحانہ' کی عظمت و جلال کے مشاہدہ سے شرمندہ و بدحال ہے۔ لہٰذا اس طرح کے خدائے بے چون و بے چگون جلّ شانہ' کے ساتھ ایمان نہیں آسکتا مگر بطریقہ غیب' کیونکہ شہودی ایمان اس بلند ذات کے ساتھ ایمان نہیں۔ بلکہ اپنی تراشی ہوئی چیز کے ساتھ ایمان لانا ہے۔ جو اس کی بلند ذات کی مخلوقات سے بلکہ اس کے غیر کے ساتھ ایمان کو اس کے ساتھ ایمان میں شریک کرنا ہے بلکہ سراسر غیر پر ایمان ہے۔ اللہ سبحانہ' ہمیں اس سے بچائے۔

ایمان بالغیب اس وقت میسر آتا ہے۔ جب کہ تیز رفتار وہم کے لئے وہاں گھومنے کی گنجائش نہ رہے اور اس کی کوئی چیز بھی قوتِ خیالیہ میں منقش نہ ہو۔ اور یہ معنی اس کی اقربیّت میں متحقق ہوتا ہے۔ جو دائرہ وہم و خیال سے باہر ہے۔ کیونکہ شے جس قدر دور ہوگی۔ وہم کی گردش وہاں زیادہ ہوگی۔ اور سلطنتِ خیال میں بہت جلد داخل ہوگی۔ یہ دولت انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ایمان بالغیب ان بزرگوں علیہم الصلوات والتسلیمات کا حصہ ہے۔ اور تبعیّت و وراثت کے طور پر ان کے علاوہ جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

اور وہ ایمان بالغیب جو عام مومنوں کو حاصل ہے۔ دائرہ وہم سے خارج ہیں۔ کیونکہ وراءُ الوراء عوام کے نزدیک بہت دور ہے۔ جو وہم کی جولانگاہ ہے۔ اور ان بزرگوں علیہم الصّلوات والتسلیمات والتحیات کے نزدیک وراءُ الوراء جانبِ قرب میں ہے کہ وہم کی وہاں کچھ گنجائش نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور بندہ مومن دنیا کی زندگی میں موجود ہے۔ ایمان بالغیب سے چھٹکارا نہیں۔ کیونکہ ایمان شہودی یہاں پر غیر معقول ہے۔ اور جب آخرت کی زندگی پر تو انداز ہوگی اور وہم و خیال کی تیزی کو توڑ دے گی۔ تو ایمان شہودی مقبول ہو جائیگا۔ اور بنانے اور تراشے کے نقص سے مبرّا ہو جائیگا۔

میرا گمان ہے۔ کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وسلم دنیا میں رویت خداوندی سے مشرف

---

[1] سورۃ والصّافات' پارہ وَمَالِیَ ۱۲'

ہوئے۔ اگر ایمان شہودی آپ کے حق میں علیہ وعلیٰ آلہ والصلوات والتسلیمات یہاں ثابت کریں تو اچھی بات ہے۔ اور یہ بنانے اور ترشتے کے نقص سے آزاد ہے۔ کیونکہ جس چیز کا دوسروں کے لیے کل قیامت کو ملنے کا وعدہ ہے۔ آپ کے لئے وہ سب کچھ یہیں دینا میں حاصل ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہ والصلوٰۃ والسلام۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

جاننا چاہیئے کہ کلمہ نفی کو حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکمل کر دیا۔ اور شرک کے دروازوں سے کوئی دروازہ ایسا نہ چھوڑا جس کو آپ نے بند نہ کیا ہو۔ اس لئے آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امام قرار پائے۔ اور ان کے پیش رو ہوئے۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات۔ کیونکہ اس دنیا میں نہایت کمال اس نفی کے پورا کرنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لئے کہ کلمہ طیبہ کی جزو اثبات کے کمالات آخرت کی زندگی پر موقوف ہیں۔

غایت مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ جب خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اسی دنیا میں حق تعالیٰ کے دیدار کی دولت سے مشرف ہوئے۔ تو کلمہ طیبہ کی جزو اثبات سے بھی اسی دنیا میں آپ نے وافر حصہ پا لیا۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ کلمہ اثبات اس جہان کے اندازے کے مطابق آپ کی تشریف آوری سے مکمل ہو گیا۔ علیہ علیٰ آلہ والصلوٰۃ والسلام۔ ہو سکتا ہے کہ اسی معنی کی بناء پر تجلی ذات آپ کے حق میں اسی دنیا میں ثابت کرتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا ط

مکتوب نمبر (۱۰)

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے برادرِ حقیقی خالق آگاہ میاں محمد مودود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان کہ ظہور عرشی کے علاوہ کوئی ظہور بھی شائبہ ظلیت سے خالی نہیں۔ اور جب قلب اپنی نہایت کو پہنچتا ہے تو عرش کے انوار سے کچھ روشنی اخذ کرتا ہے اور اس کے مناسب امور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عرش اور جو کچھ عرش میں ہے۔ عارف کے دِل کے ایک کونے میں رکھ دیں۔ تو بھی عارف کو دل کی فراخی کے باعث اس کا کچھ احساس نہ ہوگا۔ شیخ جنید اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ اور اُسے دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حادث جب قدیم سے مل جاتا ہے۔ اور اس کا کچھ اثر نہیں رہتا۔ یعنی عرش اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب حادث ہے۔ عارف کا دل جو انوارِ قدم کے ظہور کا

محل ہے۔ جب اس حادث کا اس دل کے ساتھ اتصال واقع ہوتا ہے۔ تو وہ حادث مضمحل ولاشے ہو جاتا ہے۔ تو محسوس کیسے ہو۔

اکابر صوفیہ پر چاہے۔ وہ سلطان العارفین اور سیّد الطائفہ ہی ہوں۔ ہزار بار تعجب ہے۔ کہ جب یہ اس طرح کہتے ہیں۔ اور عرش مجید کو قلبِ عارف کے سامنے کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ اور عرش کو انوارِ قدم کے ظہورات سے خالی جانتے ہوئے حادث کہتے ہیں۔ اور قلب کو انوارِ قدم کے ظہور کے واسطہ سے قدیم کا نام دیتے ہیں۔ تو دوسروں کے متعلق کیا کہے اور کیا لکھے۔

اس فقیر کے نزدیک جو جذباتِ الٰہی جلّ سلطانہٗ کا پروردہ ہے۔ یہ کہ قلبِ عارف جب اپنی استعدادِ خاص کے تقاضا سے نہایۃ النہایۃ کو پہنچتا ہے۔ اور کمال حاصل کرتا ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی کمال متصور نہیں ہو سکتا تو اس کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ کہ انوارِ عرشی کے بے نہایت انوار میں کسی نور کا ظہور اس پر فائض ہو۔ اور یہ نور ان انور کی نسبت قطرہ ہے۔ دریائے محیط کے مقابلے میں بلکہ اس سے بھی کم۔ عرش وہ ہے۔ جس کو حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عظیم فرماتا ہے۔ اور استوا کے راز کو اس جگہ ثابت فرماتا ہے عارف کے دِل کو جامعیت کی وجہ سے تشبیہ اور تمثیل کے طور پر عرش اللہ کہہ دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح عرش مجید عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان واسطہ اور خلق اور امر کے دونوں طرف کا جامع ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں قلب بھی عالم خلق اور عالم امر میں برزخ اور واسطہ ہے۔ اور عالمِ صغیر کی دونوں طرفوں خلق اور امر کا جامع ہے۔ پس قلب کو بھی بر سبیلِ تشبیہ عرش کہا جا سکتا ہے۔ سُنو اور پھر سنو! انوارِ قدم کے ظہور کی وہ قابلیت جو شائبہ ظلّیت سے منزہ ہے۔ عرشِ مجید کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی چیز بھی عالم خلق اور عالم امر اور عالم کبیر اور عالمِ صغیر میں سے اس کی قابلیت نہیں رکھتی۔ ایسے ظہور کی قابلیت صرف عرش میں ہے۔

اور عارف کامل کا قلب جامعیّت اور برزخیت کے علاقہ کے واسطے سے ان انوار سے کچھ نہ کچھ روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور سمندر سے ایک چلّو اُٹھا لیتا ہے۔ عرش اور عارف تام المعرفت کے سوا جہاں بھی ظہور ہے۔ داغِ ظلّیت سے داغدار ہے۔ اور اصل سے اس نے کوئی بُو نہیں پائی۔ بایزید سُکر کی وجہ سے اگر ایسا کہے۔ تو اس کے لئے گنجائش ہے۔ لیکن جنید سے جو صحو کا مدعی ہے۔ یہ بات زیب نہیں دیتی۔ یہ حضرات کیا کریں۔ کیونکہ حقیقت معاملہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ اور دریائے ظلّیت کے گرداب سے ساحل کی طرف نہیں آ سکے۔ یہ بات اگرچہ آج اکثر لوگوں کی نگاہ میں بعید دکھائی دیتی ہے۔ لیکن آج کے لئے کل کا دن نزدیک ہے۔ جلدی نہ کریں۔ اللہ کا حکم آ رہا ہے۔ تو جلدی نہ کرو۔ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ پاک ہے۔ ان سے جن کو وہ شریک ٹھہرتے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ الْعُلٰی وَعَلٰی جَمِيعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَی الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الصَّالِحِيْنَ وَعَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اَجْمَعِيْنَ ط

مکتوب نمبر (۱۱)

حقائق و معارف آگاہ مظہر فیضِ الٰہ مخدوم زادہ مجد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ ربہ کی طرف صادر فرمایا:

فوق عرش ظہور کے بعض خصائص کے بیان میں۔ اور آیۃ کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلٰی آخرہٖ کے معنی تاویل اور انسان کے بعض خاص کمالات اور جزو ارضی کے فضائل اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْکِرَامِ

عالم کبیر وسعت اور تفصیل کے باوجود چونکہ ہیئت وحدانی نہیں رکھتا۔ اس لئے بسیط حقیقی کے ظہور کی جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی اور تفصیل اور شیون وصفات سے معرا ہے قابلیت نہیں رکھتا۔

عالم کبیر کی اجزاء میں سے سب اعلیٰ حضرت رحمان کا عرش ہے۔ جو ذات جامع الصفات جل سلطانہٗ کے انوار کا محل ہے۔ اور عرش کے ماسوا عالم کبیر میں جس قدر بھی ظہورات ہیں۔ شائبہ ظلیت سے خالی نہیں ہیں۔ اس لئے رب العلمین نے عالم کبیر کے اجزاء میں سے رازِ استوار کیلئے عرشِ مجید کو مخصوص فرمایا۔ جو عالم کبیر کے اجزاء میں سے افضل جزء ہے۔ اس لئے کہ ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور فی الحقیقت اس بلند ذات کا ظہور نہیں ہے۔ تا کہ اُسے عبارت استوا سے تعبیر کیا جائے۔ نیز جو ظہور عرش مجید میں ہے۔ اس کو پوشیدگی لاحق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دائمی ہے اگر چہ آسمانوں اور زمین کا نور وہی حق تعالیٰ ہے۔ لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے۔ ظلیت کے واسطہ کے بغیر ظہور نہیں فرمایا ہے۔ اور یہ سب حاصل کردہ ظہورات ظہور عرشی کے انوار ہیں۔ جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں چھپ کر ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ اور جس طرح بڑی مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغ جلاتے ہیں۔ اور ان چھوٹے چھوٹے چراغوں سے اطراف واکناف کو روشن کرتے ہیں۔ شائد کہ آیۃ کریمہ:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط

(سورۃ النور پارہ قد افلح)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کا حال ایک طاق کی طرح ہے۔ جس مین ایک چراغ ہو۔ چراغ شیشہ میں ہو۔ شیشہ گویا ایک چمکنے والا ستارہ ہے۔ جو بابرکت درخت سے روشن کیا گیا۔ جس کو زیتون کہتے ہیں۔ وہ نہ جانب مشرق میں اور نہ جانب مغرب میں۔ قریب ہے اس کا تیل روشنی دے اگر چہ اس تک آگ نہ پہنچی ہو۔ روشنی پر روشنی

میں انہیں معارف کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ آیت مذکورہ میں تمثیل اس بناء پر اختیار کی گئی تا کہ آسمانوں اور زمین میں اس نور کے ظہور کو بے واسطہ نہ سمجھ لیں اور ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کر لیں۔ اور نور ظل کو نور اصل سے لیا ہوا اور روشن کیا ہوا جانیں۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ ط اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے۔ اور ہم اپنے مکاشفے کے مطابق اس کی تاویل کرتے ہیں۔ تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی مدد اور اس کے حسنِ توفیق سے کہتے ہیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

نور اسے کہتے ہیں۔ جس سے اشیاء ہوں۔ تمام آسمان اور زمین اسی بلند ذات کے ساتھ روشن ہیں کیونکہ اس سبحانہٗ نے ان کو عدم کی تاریکیوں سے باہر نکالا ہے۔ اور وجود اور تابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو کہ وہ جس نور سے روشن ہوئے ہیں۔ ایک بڑے طاق کی طرح تصور کرنا چاہیئے۔ اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہیے۔ جو اس طاق میں بطور امانت رکھا گیا۔ اور مشکوٰۃ پر کاف تمثیل کا داخل ہونا اس بناء پر ہے۔ کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے۔ اور شیشے سے اسماء اور صفات کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نور اسما و صفات سے ملا ہوا ہے۔ شیون و اعتبارات سے معرّا نہیں ہے۔ اور صفات عز سلطانہا کا شیشہ حسن وجوب اور جمال قدم کے ساتھ ایک درخشاں ستارے کی طرح ہے۔ اور چراغ جو اس طاق مین رکھا ہوا ہے۔ وہ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے۔ اور یہ جامع ظہور عرشی سے کنایہ ہے۔ کہ استواء اس ظہور سے رمز و اشارہ ہے۔ اس لئے کہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ظہور جامع کے لئے اجزاء کی مانند ہیں۔ اور جب وہ ظہور جامع لامکانی اور بے جہت ہے۔ انہیں لاشرقیہ اور لاغربیۃ کہا جا سکتا ہے۔ اور يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اس شجرہ مبارکہ کی صفت ماوحہ ہے۔ اور اس درخت ممثل بہ کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے۔ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ یعنی شیشے کا پردہ صفائی اور درخشندگی کی جہت سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اور اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ صفات کے کمالات ذات تعالیٰ و تقدّس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں۔ اور صفات کا حسن ذات تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ کئی گناہ زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ہاں۔ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کے لئے کچھ روشنی اور نہیں۔

یہ جامع ظہور جو عرش سے متعلق ہے۔ تمام مشاہدات' معاینات اور مکاشفات کا منتہی ہے اور تجلّی ذات اور تجلّی صفات' غرض ہر طرح کی تجلّیات و ظہورات کی نہایت ہے۔ اس کے بعد معاہد جہل کے ساتھ قرار پذیر ہو

جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا سا حصہ فقیر انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریگا۔ اور جامع ظہور اگرچہ ذات کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن صفات اس مقام میں ذات کیلئے حجاب نہیں ہیں۔ صفات کا ذات تعالیٰ وتقدس کیلئے حجاب بننا ظہورات ظلیہ کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے کہ ظہورات ظلیہ مرتبہ علم میں ہیں۔ اور اصل کا ظہور مقام عین میں ہے۔ اور صفات درجہ علم میں حجاب ہیں نہ درجہ ذات میں تم نہیں دیکھتے کہ زید کا مرتبہ علم میں جب تعقّل وتصور کرتے ہو تو علم میں اس کا ظہور صفات کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ دراز قد ہے یا کوتاہ قامت ہے۔ عالم ہے یا جاہل ہے۔ چھوٹا ہے یا بڑا ہے۔ شاعر ہے یا نثر نگار ہے۔ یہ تمام صفات جن کا تم تعقل وتصور کرو گے۔ زید کی ذات کا حجاب بنیں گی۔ اور یہ تمام تقیداتِ کلیہ اس کے تشخص کا فائدہ نہیں دیں گی۔ اور وہی زید جب علم سے عین کی طرف سامان باندھتا ہے اور صفات کے باوجود مشہود ہوتا ہے۔ اور معاملہ ظلیّت سے اصالت میں قار پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ زید کی صورت علمی خارج میں موجود زید کا ظل ہے جو اس کا اصل ہے۔ یہاں اس کی صفات اس کی ذات کے لئے حجاب نہیں بنیں گی۔ اور محسوس ایک جامع الصفات شخص ہوگا۔ اور اسی طرح صفات کی حضرت ذات تعالیٰ وتقدس سے مفارقت مراتب ظلال اور مثال کی تصویروں میں ہے۔ اور جب اصل کے ساتھ وصول میسّر آ گیا۔ تو صفات ذات تعالیٰ سے جُدا نہیں ہوں گی اور ذات کا شہود صفات کے شہود سے جُدا نہیں ہوگا۔ صفات کی تجلّی کو ذات کی تجلّی سے جوا لگ کہا گیا ہے۔ اور تجلّی افعال کو جو علیحدہ خیال کیا گیا ہے۔ سب مقامِ ظلال میں ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد صرف ایک تجلّی ہے۔ جو تینوں تجلیوں کو شامل ہے۔ مثلاً زید کو جب کوئی دیکھے تو اس ذات کا شہود اس کی صفات سے الگ نہیں ہے۔ بلکہ اسی وقت جب کہ دیکھنے والا زید کو دیکھتا ہے عین اسی وقت اُسے عالم اور فاضل بھی پاتا ہے۔ علم وفضل جس طرح اس کے دیدار کے لئے حجاب نہیں ہیں۔ ہاں اگر زید کا تصور کریں۔ اور ظلی صورتوں کے ساتھ اس کا ادراک کریں۔ تو صفات کو ذات سے الگ پائیں گے اور صفات اس کی ذات کیلئے حجاب بنیں گی جیسا کہ پیچھے گزرا۔

تم نہیں دیکھتے کہ آخرت میں ذات جامع الصفات تعالیٰ وتقدس کا دیدار ہوگا۔ نہ کہ اسماء اور صفات سے خالی ذات کا۔ جو محض اعتبار ہے۔ اس لئے کہ ذات صفات سے ہرگز خالی نہیں ہوسکتی۔ اور صفات سے ہرگز جُدا نہیں ہوسکتیں۔ تجرد اس اعتبار سے کہتے ہیں۔ کہ عارف کامل پر جب ذات تعالیٰ وتقدس کی گرفتاری غالب آتی ہے۔ تو اسماء وصفات کا ملاحظہ اس کی نظر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور احدیّت تعالیٰ کے سوا اُسے کچھ مشہود ہوتا۔ لہٰذا ذات تعالیٰ وتقدس کا صفات سے خالی ہونا عارف کی نظر کے اعتبار سے ہوا۔ نہ خارج اور نفس الامر کے اعتبار سے۔ جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب اس کی تحقیق آئے گی۔

اور نیز یہ جامع ظہور مثالی تصویروں کا منتہیٰ ہے۔ جو کمال ظہور عرشی کے بعد سامنے آتا ہے۔ وہ تصویر کی مثال کے آئینے میں نہیں پایا جاسکتا۔ کیونکہ مثال میں ایک چیز کو ایسی تصویر میں سامنے لاتے ہیں۔ جو خارج کے

ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتی ہو۔ اگر وہ وہ اسم میں ہی مشابہت ہو۔ اور وہ چیز جو کسی چیز کس ساتھ کسی طریقہ سے بھی خارج میں مشابہت نہ رکھتی ہو۔ اس کی تصویر مثال میں محال ہے۔ اور ظہور عرشی سے اوپر کے کمالات اسی قبیلہ سے ہیں۔ کہ کوئی چیز بھی کسی طریقہ سے ان کے مشابہہ نہیں ہے۔ تا کہ مثال میں اس کی تصویر سامنے لائی سکے۔

یہیں سے ہے کہ اس مقام میں ہمہ وقت جہالت دامن گیر رہتی ہے۔ اور ادراک کا نشانہ عدم ادراک ہوتا ہے۔ اس دنیا میں اگر چہ اس مقام سے علم یافت کے جہل سے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے۔ لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایسی قوت اور ایسا دل دیں گے۔ جو نور کے پرتو غلبہ سے لاشے نہیں ہوگا۔ اور حقیقت معاملہ سے آگاہ ہو جائے گا۔

[1] تو مرا دل دہ و دِلبری بین رُو بہ خویش خواں و شیری بین

آگاہ ہو کہ عرش کے اوپر کا ظہور اس وہم میں مبتلا نہ کرے۔ کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ عرش سے اوپر قرار پذیر ہے۔ اور مقام اور جہت اس کے لئے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ہر ایسی شے سے جو اس کی جناب قدس تعالیٰ کے لائق نہیں۔ پاک اور منزہ ہے۔ زید کی صورت کا شیشے میں ظہور شیشے میں قرار پذیر ہونے کو مستلزم نہیں۔ اگر چہ بے عقل لوگ وہم میں پڑ جاتے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے بلند صفت ہے۔

صاحب ایمان لوگ آخرت میں حضرت حق سُبحانہ وتعالیٰ کو بہشت میں دیکھیں گے۔ حالانکہ بہشت اور غیر بہشت حضرت حق سبحانہٗ کی نسبت برابر ہے۔ اور اس بلند ذات کی مخلوق ہیں اور وہ تجلی جو کہ طور پر پڑی تھی۔ حالیت اور محلیت کا شائبہ تک نہیں رکھتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے۔ کہ بعض جگہیں ظہور کی قابلیت رکھتی ہیں۔ اور بعض دوسری جگہوں کے لئے یہ قابیت نہیں ہوتی۔ صورتوں کے ظہور کی قابلیت شیشہ رکھتا ہے۔ گھوڑوں کے نعل اس کی قابلیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ دونوں لوہے سے بنے ہیں۔ پس فرق مظہر میں ہے۔ ظاہر میں نہیں۔ اور ظاہر کی نسبت سب مظاہر برابر ہیں۔ قابل ہوں یا نا قابل۔ اور اسی طرح وہ الفاظ جو کلیت اور جزئیت کا وہم ڈالتے ہیں۔ با حالت اور محلیت ان سے سمجھ آئی ہے۔ ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں۔ اور اس بلند ذات کی جناب قدس کے لائق نہیں ہیں۔ تنگی عبارت کی وجہ سے یہ الفاظ اختیار کئے گئے ہیں۔ [2]

ایں قاعدہ یاد داد کآنجا کہ خُدا است نے جزو نہ کل و نہ ظرف نے مظروف است

اور جب انسان کا دل عالم صغیر کا عرش ہے۔ اور عالم کبیر کے عرش کے مشابہہ ہے۔ تو وہ تجلّی جو وہاں ہے۔ نورِ ظلیت کے شائبے کے بغیر ہے۔ اسی طرح کی تجلّی ظلیت کے شائبہ کے بغیر دل کا بھی حصّہ ہے۔ اگر چہ

---

[1] تو مجھے دل عطا کر۔ پھر میری دلبری دیکھ۔ اور مجھے اپنی لومڑی کہہ۔ پھر میرا شیر ہونا دیکھ

[2] یہ قاعدہ یاد رکھ کہ جہاں خدا ہے۔ وہاں نہ جزو ہے نہ کُل۔ اور نہ برتن ہے اور نہ برتن میں پڑنے والی چیز

آسمانوں اور زمین میں بھی وہی تجلی پہنچتی ہے۔ لیکن ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں ہے۔ مگر دِل جو عرش کی طرح ہے۔ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے۔ اگرچہ چھوٹے اور بڑے ظہور کے اعتبار سے فرق ہے۔

[1] بقدر آئینہ حسن تو مینماید رُو

پس عرش مجید کے بعد ظیت کے شائبہ کے بغیر تجلی کامل انسانوں کے دِل کا حصّہ ہے اور دوسروں کو ظلیت دامن گیر ہے۔

جاننا چاہیے۔ کہ ظہور عرشی اگرچہ شائبہ ظلیت سے مبرّا ہے۔ لیکن وہاں صفات ذات تعالیٰ تقدّس کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور شیون اور اعتبارات اس بلند ذات میں ثابت ہیں۔ اگرچہ اس مرتبہ میں صفات اور شیونات ذات کے لئے حجاب نہیں ہیں۔ لیکن دید و دانش میں شریک ہیں۔ اور محبت و گرفتاری میں بھی شریک ہیں۔ احدیّت مجرّدہ تعالت و تقدّست کے گرفتارِ ان محبت کسی امر کی شرکت سے راضی نہیں ہیں۔ اور مطابق آیۃ کریمہ:

فَاَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ط سُن لو! کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے۔

دین خالص کے خواہاں ہیں۔

صفات کی عدم شرکت درجات کے فرق کے مطابق انسان کی ہیئت وحدانی کا حصّہ ہے۔ اور ہیئت وحدانی کا حصّہ انسان کا دِل ہے۔ اور جزو ارضی کا حصّہ انسان ہے۔ اور اِن سب سے اوپر انسان کی وہ ہیئت وحدانی ہے۔ جو اس کی جزو ارضی کی صورت میں سامنے آئی ہے اور اس کا رنگ پکڑا ہے۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ کا عمدہ حصّہ جزو ارضی ہے۔ دوسرے امور تحسینات زائدہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسان میں دو چیزیں ایسی ہیں۔ جو عرش میں اور عالم کبیر کے لئے بھی اِن دو چیزوں سے کوئی حصہ نہیں۔ انسان میں ایک تو جزو ارضی ہے۔ جو عرش میں نہیں ہے۔ اور ایک ہیئت وحدانی ہے۔ جو عالم کبیر میں نہیں ہے۔ اور وہ شعور جو ہیئت وحدانی سے تعلق رکھتا ہے۔ نورٌ علیٰ نُور ہے۔ جو عالم اصغر (قلب) کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس انسان ایک اعجوبہ ہے۔ جس نے خلافت کی لیاقت کی پیدا کی ہے اور امانت کے بوجھ کو اُٹھایا ہے۔

انسان کے نادر اور عجیب خصائص کے متعلق سن۔ کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچتا ہے۔ کہ حضرت احدیّت مجرّدہ کا آئینہ ہونے کی قابلیت پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات و شیونات کے اقتران و اتصال کے بغیر ہی ذات احد تعالیٰ شانہٗ کا مظہر بن جاتا ہے۔ حالانکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدّس ہمہ وقت اپنی صفات و شیونات کی جامع ہے۔ ذات تعالیٰ کے لئے کسی وقت بھی صفات و شیونات سے علیحدگی نہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ انسان کامل جب ذات احدیت تعالیٰ و تقدّس کے ماسوا کی گرفتاری سے

---

[1] بقدرِ آئینہ تیرا حُسن دکھائی دیتا ہے۔

آزاد ہو جاتا ہے۔ تو ذات احد جلّ سلطانہ کے ساتھ گرفتاری پیدا کر لیتا ہے۔ اور صفات وشیونات میں کچھ بھی اس کا ملحوظ' منظور' مقصود' اور مطلوب نہیں ہوتا۔ مطابق اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ''انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے اس کو محبت ہو'' اس کے لئے حضرت احدیّت مجرّدہ کے ساتھ ایک مجہول الکیفیۃ اتصال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ گرفتاری جو اُسے ذاتِ احد جلّ سلطانہ' کے ساتھ حاصل ہوئی تھی۔ ایک بے چون قرب کی نسبت بے چون ذات کے ساتھ اس میں ثابت کر دیتی ہے۔ اس وقت انسان کامل ذات احد کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انسان کامل میں صفات وشیونات میں سے کوئی چیز بھی اس میں مشہود اور دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ اس میں احدیّت مجرّدہ تعالت وتقدس ست ظاہر اور جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم''

وہ ذات جو صفات سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتی تھی۔ انسان کامل کے شیشہ میں تجرد کی حیثیت سے ظاہر اور جلوہ گر ہو گئی۔ اور حسن ذاتی حسنِ صفاتی سے متمیز اور جدا ہو گیا۔ اس طرح کی آئینہ داری اور مظہریت انسان کامل کے سوا کسی کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس' صفات وشیونات کے بغیر انسان کے سوا کسی چیز میں جلوہ گر نہیں ہوا۔

عرشِ مجید عالم کبیر میں حضرات ذات جامع الصفات تعالیٰ وتقدس کا مظہر ہے۔ اور انسان کامل عالم صغیر میں حضرت ذاتِ احد کا جو صرف اعتبارات سے ہے' مظہر ہے۔ یہ آئینہ داری انسان کے عجائبات میں سے ہے۔ اور اللہ سبحانہ' عطا کرنے والا ہے۔ جو وہ عطا کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو اللہ روک لے۔ اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الصَّلَوٰاتِ وَالتَّحِيَّاتِ الْعُلٰى ط

مکتوب نمبر (۱۲)

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے برادرِ حقیقی معارف آگاہ میاں غلام محمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ فرشتہ اگرچہ اصل کو دیکھتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن اس دولت شہود کو انسان میں کالجزء کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اُسے بقا بخشی گئی ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

ملائکہ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اصل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اصل کی طرف متوجہ اور اصل کے ساتھ گرفتاری رکھتے ہیں۔ اور ظلیت کا شائبہ ان کے حق میں مفقود ہے۔ اس دنیا میں کم ہی ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان

بیچارہ دائرہ ظلیت سے باہر قدم رکھتا ہو۔ اور آفاق وانفس کے آئینوں کے بغیر شہود دائمی پیدا کرتا ہے۔ اصل کے ساتھ وصول کے بعد انوار اصل کے غلبہ کا پرتو اس کے قلب کے آئینہ میں جلوہ گر کر کے اسے عالم کی طرف واپس کر دیتے ہیں۔ اور ناقصوں کی تربیت اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس رجوع میں اس کی بھی تربیت ہے۔ اور دوسروں کی بھی۔ کیونکہ انوار اصل کا پرتو جو انسان میں جزء کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدتِ رجوع میں دوسری اجزاء کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اپنے رنگ سے رنگین بنا لیتا ہے۔ جس طرح کہ دوسروں کو نقص سے کمال کی طرف لاتا ہے۔ اور غیب سے شہود کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور جب دعوت اور رجوع کی مدت مکمل ہو جاتی ہے۔ اور تحریر اپنی میعادِ معین کو پہنچ جاتی ہے۔ تو اصل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رفیقِ اعلیٰ کی ندا اس کی طبیعت سے بلند ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور پراگندہ تعلقات سے نجات حاصل کرتے ہوئے سامانِ غیب سے شہادت کی طرف اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اور معاملے کو گوش سے آغوش تک لے آتا ہے۔ اور ''موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے'' یہاں صادق آتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ فرشتہ اگرچہ اصل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور انسان کا شہود انفس کے آئینہ میں ہے لیکن شہود کی اس دولت کو اس میں جزء کی طرح رکھا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ بقا بخشی گئی ہے اور اس کے ساتھ بقا بخشی گئی ہے اور اس کے ساتھ تحقق کیا گیا ہے۔ بخلاف فرشتہ کے کہ اس میں یہ دولت جزء کی طرح نہیں رکھی گئی۔ وہ باہر سے نظارہ کرتا ہے۔ اور اُسے اس کے ساتھ بقا اور تحقق حاصل نہیں ہوتا۔ اصل کے ساتھ رنگین ہونا جو انسان کو میسّر ہوا ہے فرشتہ کو میسّر نہیں۔ اور وہ اختصاص جو خاکیوں کو نصیب ہوا ہے۔ قدسیوں کو حاصل نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ اندر رہنے اور باہر رہنے میں فرق ہے۔ اگرچہ اندرونی دولت جزء کی طرح ہے۔ اور بیرونی کل کی طرح۔ لیکن اندر اندر ہے اور باہر باہر۔ ہمارا کلام اشارہ اور بشارت ہے۔ اس لئے خواص بشر خواص ملک سے افضل ہیں۔ اور خواص ملک کے ہوتے ہوئے انہوں نے ہی خلافت کا استحقاق پیدا کیا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ط

از مین زادہ برآسمان تافتہ زمین وزمان راپس انداختہ[1]

انسان کو یہ دولت جزو ارضی کے واسطہ سے میسّر ہوئی ہے۔ اور قلب جو عرش اللہ بنا ہے۔ اسی عنصر خاص کی وجہ سے بنا ہے۔ جو کل کا جامعہ اور دائرہ امکان کا مرکز ہے۔ ہاں زمین نے پستی اور کمزوری کی وجہ سے ہی یہ سب بلندی اور رفعت پیدا کی ہے۔ اور عاجزی نے اس کے سر کو بلند کیا ہے۔ کیونکہ ''جو اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ کے لئے نیچے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بلند کرتا ہے۔''

[1] زمین سے پیدا شدہ انسان پر چلا گیا۔ زمین وزبان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے۔

اور جب انسان کامل دعوت اور رجوع کی مدت کے مکمل ہونے کے بعد اور اصل کے رنگ سے رنگین ہونے کے بعد اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جناب قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اُسے ایک رابطہ اور انبساط میسّر آتا ہے۔ یقین ہے کہ دوسرے کو میسّر نہیں آ سکتا۔ اور جو قرب و مرتبہ اُسے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اصل میں فانی ہو چکا ہے۔ اور اصل کے ساتھ بقا پیدا کر لی ہے اور اصل کے رنگ کے ساتھ رنگین ہو گیا ہے۔ دوسرے کو کیا مجال کہ اُس کے ساتھ برابر ہو سکے۔ اس لئے کہ دوسروں کا رنگین ہونا تجرّد و تنزّہ کے اعتبار سے اگرچہ اکمل اور اتم ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ باہر سے آیا ہے اس لئے عارضی شے کا حکم رکھتا ہے۔ اور انسان کا رنگین ہونا چونکہ اندر سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ذاتی کا حکم رکھتا ہے۔ اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ کمال انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ کہ خواص بشر سے یہی حضرات مراد ہیں۔ اور وراثت و تبعیت کے طور پر جس کو چاہیں۔ اس دولت عظمیٰ کے ساتھ مشرف فرما دیں۔ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے صحابہ میں یہ دولت ان کی صحبت کی برکت سے پائی جاتی تھی۔ اور غیر اصحاب کرام میں سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں اگرچہ تھوڑے بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اگر[1] بادشاہ بروِ پیر زن' بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اے پروردگار بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات اکملہا واتمہا' ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل فرما۔ اور ہمیں بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳)

مرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا:

اس کے خط کے جواب میں۔ اور اس بیان کہ علمائے ظواہر کا حصّہ کیا چیز ہے اور بلند گروہ صوفیہ کا حصّہ کیا۔ اور علمائے راسخین کا جو انبیاء کے وارث ہیں۔ کیا حصہ ہے۔ اور اُس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

بعد الحمد والصلوۃ وتبلیغ الدعوات' فقیر کہتا ہے۔ کہ آپ کا صحیفہ شریف جو آپ نے ازروئے کرم صادر فرمایا ہے۔ اخوی اعزّی شیخ محمد طاہر نے پہنچایا۔ اور خوش وقت کیا۔ اس میں درج تھا۔ کہ زمانہ ملاقات کے حاصل ہونے تک ان مکتوبات سے مشرّف اور یاد فرمائیں۔ جو نصیحت کی باتوں پر مشتمل ہوں۔ میرے مخدوم و مکرّم ''اَلنَّصِیْحَۃُ ھِیَ الدِّیْنُ وَمُتَابَعَتُہٗ'' سیّد المرسلین علیہ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا ''یعنی نصیحت ہی ہے کہ دین پر چلو اور حضور سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اختیار کرو۔

[1] اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ تو حد سے اپنی مونچھیں نہ اُکھیڑے۔

تصحیح عقائد کے بعد دین و متابعت سے علمائے ظواہر کا حصہ شرائع و احکام کا علم اور اس علم کے تقاضا کے مطابق عمل ہے۔ بلند گروہ صوفیا جو کچھ علماء رکھتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ احوال و مواجید اور علوم و معارف سے بھی حصہ پاتے ہیں۔ اور علمائے راسخین کا حصہ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ علمائے ظواہر کے علم و عمل اور صوفیا کے احوال و مواجید کے علاوہ اسرار و دقائق بھی ہیں۔ جو متشابہات قرآنی میں پائے جاتے ہیں۔ جن کی طرف رمز و اشارہ ہو چکا۔ اور بر سبیل تاویل انہیں درج کیا جا چکا ہے پس یہ علمائے راسخین ہی متابعت میں کامل اور وراثت کے ساتھ موصوف ہیں۔ یہ حضرات تبعیت اور وراثت کے طور پر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دولت خاص میں شریک ہیں۔ اور بارگاہ کے محرم راز ہیں۔ اس لئے ''عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیل ''یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں'' کے شرف سے مشرف ہوئے ہیں۔ تو تم پر علماء' عملاً' حالاً اور وجداً سیّد المرسلین اور حبیب ربّ العالمین علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین واہل الطاعۃ اجمعین الصلوات والتحیات کی متابعت ضروری ہے۔ تا کہ حصولِ وراثت کا وسیلہ بنے۔ جو درجات سعادت کی انتہا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۴)

مولٰنا احمد برکی کی طرف صادر فرمایا:

اس کے اس استفسار میں۔ کہ صاحبِ منصب ولی اپنے منصب کا علم رکھتا ہے یا نہیں۔ اور دوسرا استفسار کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوا۔ اور اپنے احوال کی عدم اطلاع کے متعلق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی.

آپ کے دو خط یکے بعد دیگرے موصول ہوئے۔ ہمارے مصائب پر ماتم پرسی کے متعلق آپ نے لکھا تھا۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ''یاروں اور دوستوں کو فرمائیں کہ ستر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر فرزند مرحوم خواجہ محمد صادق اور اس کی ہمشیرہ مرحومہ اُمِّ کلثوم' کی روح کو بخشیں اور ستر ہزار بار کا ثواب ایک کو بخشیں اور دوسرے ستر ہزار بار کا ثوب دوسرے کی روح کو بخشیں۔ دوستوں سے دُعا اور فاتحہ کی درخواست ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ مکتوبات میں درج ہے کہ صاحبِ منصب اپنے منصب کا علم رکھتا ہے میرے مخدوم' قطب الاقطاب صاحب علم ہوتا ہے۔ اور مختلف جگہوں کے قطب اس کے اجزاء کی طرح ہیں۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں ہوتے ہیں۔ بعض کو اپنے قطب مدار ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اور بعض کو نہیں۔ آپ نے لکھا تھا۔ کہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ اب تک حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کیا جائے آپ صحبت میں بہت کم رہے ہیں۔ اور اتنی دیر بھی نہیں ٹھہرے کہ تمہیں تمہارے بعض احوال کے حاصل ہونے کی اطلاع دی جاتی۔ میں اب ہندوستان میں بیٹھا ہوا تمہاری فنا اور

بقا کو دیکھ رہا ہوں۔ اور یہ دو کمال جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ میں تمہارے اندر اُن کا احساس کر رہا ہوں۔ اور تم اس معنی کا انکار کرتے ہو۔ درمیان میں بڑا فاصلہ حائل ہے۔ جب تک ظاہری ملاقات میسّر نہ ہو۔ مخفی احوال پر مطلع کرنا دشوار ہے۔

مشائخ نے فنا اور بقا میں گفتگو کی ہے۔ جو سب رمز و اشارہ کے طور پر ہے۔ اپنے آپ کے متعلق کیا پا سکتا ہے۔ اور حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر ایک کو احوال کو علم عطا نہیں فرماتا۔ بلکہ ایک شخص کو احوال کا علم عطا کر کے پیشوا بنا دیتا ہے۔ اور پھر ایک گروہ کو اس کے ساتھ وابستہ کر کے مرتبہ کمال و تکمیل تک پہنچایا ہے۔

خاص کند[1] بندہ مصلحت عام را

کاش کہ شیخ حسن کو چند روز اور نگاہ رکھ کر اس کے بعض احوال پر اطلاع کر کے تمہاری خدمت میں ہم بھیج سکتے۔ تمہارا آنا مشکل ہے۔ تمہارے سمجھ دار اور قابل دوستوں میں سے اگر کوئی آتا۔ اور چند روز یہاں ٹھہرتا اور بات بھی سمجھتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ تا کہ ضروری چیزیں اُسے بتا دی جاتیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ احوال حاصل ہوں۔ احوال پر اطلاع ایک دوسری چیز ہے۔ باقی بوقتِ ملاقات انشاء اللہ تعالیٰ والسّلام۔

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ علوم کے درس و تدریس سے اپنے آپ کو کبھی معاف نہ رکھنا۔ بلکہ تمہارا کام وقت درس میں ڈوبا ہوا ہونا چاہیئے۔ ذکر و فکر کی ہوس نہ کریں۔ رات کی گھڑیاں ذکر و فکر کے لئے بہت ہیں۔ شیخ حسن کو بھی سبق دیتے رہیں۔ اور بیکار نہ چھوڑیں۔ اور جب کہ وہ علاقے علم سے بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ تو وہاں علوم شرعیہ کو زندہ کریں۔ زیادہ بار بار کیا تاکید کروں۔

خواجہ اویس کے مکشوفات کے اوراق موصول ہوئے۔ اکثر جگہیں نظر سے گزریں۔ یہ دراصل حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے بشارتیں ہیں۔ اُمیدوار رہیں تا کہ یہ باتیں قوت سے فعل میں آ جائیں۔

مکتوب نمبر (۱۵)

قصبہ سامانہ کے سادات عظام اور اس قصبہ کے باشندگان اور نامور بزرگوں کے نام صادر فرمایا:

اُس خطیب کی مذمّت میں جس نے عید قربان میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر ترک کر دیا اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى"

بلدہ سامانہ کے سادات عظام اور وہاں کے باشندگان اور نامور بزرگوں کے باعزت خادموں کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے۔ کہ سننے میں آیا ہے۔ کہ اس شہر کے خطیب نے عید قربان کے خطبہ میں خلفاءِ راشدین رضی

[1] مصلحتِ عام کی خاطر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو چن لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ترک کیا ہے۔ اور ان کے متبرک اسماءِ گرامی نہیں لئے۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے۔ کہ جب کچھ لوگوں نے اس بارے میں میں اس سے دریافت کیا تو وہ بھول اور نسیان کا عذر کرنے کی بجائے سرکشی سے پیش آیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کیا ہو گیا اگر خلفاءِ راشدین کے نام مذکور نہیں ہوئے نیز یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے اکابر اور باشندگان نے اس بارے میں سُستی کی ہے۔ اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش نہیں آئے۔

وائے[1] نہ یکبار کہ صد بار وائے

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکرِ پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے۔ لیکن اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے شعائر میں سے ضرور ہے۔ ان کے ذکر مبارک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کریگا۔ جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا۔ تاہم "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (جس نے کسی قوم سے مشابہت پیدا کی وہ انھیں میں شمار ہوگا) کی وعید کا کیا جواب ہوگا اور تہمت کی جگہ سے کیسے خلاصی ملے گی۔ حالانکہ فرمانِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے "اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ" تہمت کی جگہ سے بچو۔ اور اگر یہ شخص حضرات شیخین کی تقدیم و تفضیل میں توقف کرتا ہے۔ تو اہل سنت کے طریقے کا تارک ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت علی و عثمان رضی اللہ عنہم) کی محبت میں شک رکھتا ہے۔ تو بھی اہل حق سے خارج اور دُور ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس بے حقیقت خطیب نے جو کشمیری ہونے کے ساتھ منسوب ہے۔ اس خبث و پلیدی کو کشمیر کے بدعتیوں، رافضیوں سے اخذ کیا ہو۔ اُسے سمجھانا چاہیئے کہ حضرات شیخین کی افضلیت اجماع صحابہ اور تابعین کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس اجماع کو اکابر آئمہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ ان آئمہ میں سے ایک حضرت امام شافعی ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

شیخ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ تَفْضِيْلَ اَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلٰى بَقِيَّةِ الْاُمَّةِ قَطْعِيٌّ ۔	بیشک ابوبکر پھر عمر کا باقی امت پر افضل ہونا قطعی ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

وَقَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِيْ خِلَافَتِهٖ وَكُرْسِيِّ فَلْكِهٖ وَبَيْنَ الْجَمِّ الْغَفِيْرِ مِنْ شِيْعَتِهٖ اَنَّ اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَفْضَلُ اُمَّةِ	بیشک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت اور کرسی سلطنت میں اور بہت بڑے مجمع کے سامنے اور آپ کے ماننے والوں کے رُوبرو تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

[1] افسوس صد افسوس

ثُمَّ قَالَ وَرَوَاهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نیف و ثمانون نفسا وعد مِنْهُمْ جماعة ثُمَّ قَالَ فقبح اللّٰهُ الرافضة مَااَجْهَلُهُمْ ط

کہ بے شک حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام اُمّت سے افضل ہیں اور اس بات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسّی سے کچھ دیر امراء نے نقل کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ رافضیوں کو ذلیل کرے۔ کتنے جاہل ہیں یہ لوگ۔

اور روایت کیا ہے امام بخاری نے جن کی کتاب اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کہ نبی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہتر ابوبکر ہیں۔ پھر عمر۔ پھر ایک اور آدمی تو ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا پھر آپ ہونگے۔ تو حضرت علی نے فرمایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے علاوہ دوسرے اکابر صحابہ اور تابعین سے اس قسم کی بہت اور مشہور روایات موجود ہیں۔ جن کا انکار نہیں کریگا مگر جاہل یا ضِدّی۔

اور اس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہیئے۔ کہ ہمیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تمام صحابہ کرام کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے۔ اور ان سے بُغض رکھنا اور انہیں تکلیف دینا ممنوع ہے۔ آپ کے دونوں داماد (حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اکابر صحابہ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصّلوٰت والتسلیمات کے رشتہ داروں میں سے ہیں۔ اس لئے محبت اور دوستی کے بہت حقدار ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط

آپ فرمادیں۔ میں نہیں مانگتا ہوں تم سے اس پر اُجرت مگر دوستی قریبیوں کے ساتھ۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا۔

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ۔

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اُن کو میرے بعد طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ۔ تو جس نے ان سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی بناء پر ان سے محبت کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو اس نے میرے ساتھ دشمنی کی بناء پر ان سے دشمنی کی بناء پر ان سے دشمنی کی۔ اور جس نے انہیں تکلیف دی بیشک اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ تو قریب ہے کہ اللہ اُسے پکڑے۔

اس قسم کا بدبُودار پھول ابتدا سے لیکر اس وقت معلوم نہیں۔ کہ ہندوستان میں کھلا ہو۔ قریب ہے کہ یہ معاملہ پورے شہر سامانہ کو متہم کردے بلکہ ہندوستان پر سے اعتماد اُٹھ جائے۔ بادشاہ وقت (اللہ سبحانہ اُسے دشمنانِ اسلام پر فتح ونصرت عطا کرے) اہلسنت سے ہے۔ اور حنفی مذہب ہے۔ اس کے دور حکومت میں اس طرح کی بدعت کا مرتکب ہونا بڑی دلیری ہے۔ بلکہ فی الحقیقت بادشاہ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور اولی الامر کی اطاعت سے نکلنے والی بات ہے۔ اس کے باوجود تعجب ہے۔ کہ وہاں کے مخدومانِ عظام اس واقعہ میں اپنے آپ کو بے قصور خیال کرتے ہیں اور سُستی کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل کتاب کی مذمّت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ط

کیوں نہیں روکتے ان کو رب والے اور عالم گناہ کی بات کرنے اور حرام کھانے سے البتہ بہت سی بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ط (سورۃ المائدہ پ٦)

یہ لوگ برائی کرنے والوں کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ البتہ بہت ہی بُرا کام کرتے تھے۔

اس قسم کے واقعات کے رونما ہونے کے باوجود غفلت برتنا بدعقیدہ لوگوں کو دلیر کرنے والی بات ہے۔ کہ دین میں رخنہ انداز ہونے کے مترادف ہے۔ یہ بات بھی سُستیوں میں شمار ہوتی ہے۔ کہ مہدی کی جماعت وہاں کھلے بندوں اہل حق کو اپنے باطل مسلک کی طرف دعوت دیتی اور تھوڑی مدّت میں ایک دو افراد کو بھیڑیوں کی طرح ریوڑ سے اٹھا لیتے ہیں۔ زیادہ کیا تکلیف دے جبکہ یہ وحشت انگیز خبر سننے میں آئی۔ اور اس نے شورش پیدا کی اور میری رگِ فاروقی کو حرکت دی تو یہ کلمات لکھ دیئے۔ امید ہے کہ معذور قرار دیں گے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالْبَرَكَاتُ۔

مکتوب نمبر (١٦)

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا

اس کے استفسارات کے جواب میں برزخِ صغریٰ کے عجائب وغرائب کے بیان میں اور مرگِ طاعون اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى"

آپ کا صحیفہ شریف موصول ہوا۔ اس میں درج تھا کہ اس علاقہ میں دو بڑے زبردست حادثے رونما ہوئے ہیں۔ ایک طاعون کا حادثہ اور دوسرا قحط کا۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تم کو ان بلیات سے بچائے رکھے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ ان فتنوں کے باوجود دن رات عبادت و مراقبہ میں گزرتے ہیں۔ اور باطن معمور اور آباد ہے۔ اس حال پر اللہ سُبحانہٗ کی حمد اور احسان ہے۔ جو سوالات آپ کے مکتوب میں درج تھے۔ ان کا جواب حسبِ ذیل ہے۔ سنتوں میں اکثر اوقات چار قُل[1] کی تلاوت کرنی چاہیئے۔ اور مردوں کیلئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار قدرِ مسنون سے زائد ہے۔ ہم قدر مسنون پر کفائت کرتے ہیں۔ اور ہم عہد نامہ[2] نہیں لکھتے۔ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ اور علماءِ ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں۔ اور مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیض کی جگہ استعمال میں لائیں تو اس کی گنجائش ہے شہدائے کرام کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیّت کی تھی۔ کہ ''مجھے میرے ان دو کپڑوں میں ہی کفن دینا''

برزخ صغریٰ (قبر) جبکہ ایک جہت سے مقاماتِ دینوی میں سے ہے۔ اس لئے ترقی کا احتمال رکھتی ہے۔ اور عالم قبر کے احوال اشخاص کے تفاوت سے آپس میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔

اَلْاَنْبِیَاءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ ط انبیاء کرام قبور میں نماز ادا فرماتے ہیں۔

یہ حدیث آپ نے سُنی ہوگی۔

اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج جب حضرت کلیم علی نبیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک سے گزرے تو دیکھا کہ آپ قبر میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ اور اسی لحظہ میں جب آپ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم کو وہاں پایا۔ اس جگہ کا معاملہ بڑے عجائب و غرائب رکھتا ہے۔

ان ایام میں جب کہ میرے فرزند اعظم مرحوم کی وفات واقع ہونے کے باعث اس عالم قبر کی طرف توجہ اور نظر کرنے کا اتفاق زیادہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر بہت سے اسرارِ مدینہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کہ اگر ان کا تھوڑا سا حصہ بھی بیان کرے تو کئی فتنوں کا باعث بن جائے۔

اگرچہ عرش مجید جنّت کی چھت ہے۔ تاہم قبر بھی جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اگرچہ عقل کوتاہ اندیش اس کا تصور کرنے سے عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ ہے۔ جو ان عجائبات کا تماشا کرتی ہے۔ جس طرح کس طرح کر کے۔ اگرچہ صرف ایمان بھی موجب نجات ہے۔ لیکن کلمہ طیبہ کی قبولیت اور بلندی عمل صالح کے ساتھ۔

---

[1] یعنی قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ الخ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ال قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ الخ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ

[2] لیکن دُرِّ مختار میں ہے۔ اگر میت کی پیشانی یا اس کے عما سے یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے۔ تو امید ہے کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔

وابستہ ہے۔ اور موت وبا سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس طرح کفار سے جنگ کے دن مورچے سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو شخص وبا کی زمین میں صبر کے ساتھ رہے۔ اور وہیں مر جائے۔ شہداء مین سے ہے۔ اور فتنہ قبر سے محفوظ ہے۔ اور اگر صبر کرے اور نہ مرے تو غازیوں میں سے ہے۔

اِنْ قَالَ لِیْ مُتْ مُتُّ سَمْعًا وَّ طَاعَةً وَقُلْتُ لِدَاعِی الْمَوْتِ اَهْلاً وَّسَهْلاً

چند روز سے بلغم اور کھانسی نے نڈھال کر رکھا ہے۔ جسمانی ضعف لاحق ہے۔ اس مجبوری کے تحت صرف جوابات پر ہی کفائت کی ہے۔ والسّلام

مکتوب نمبر (۱۷)

مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

''اس بیان میں کہ اس عالم کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر زخم لگاتی ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ترقیات کا باعث اور مرہم ہیں۔ اور مرضِ طاعون کی فضیلت اور اُس کے مناسب امور کے بیان میں''

بعد الحمد والصّلوٰۃ و تبلیغ الدعوات۔ فقیر رنج دینے کا باعث بن رہا ہے۔ کہ آپ کا مکتوب شریف جو آپ نے دربارہ ماتم پُرسی ہمراہ شیخ مصطفےٰ ارسال کیا تھا۔ فقیر اس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ مصیبتیں بظاہر زخم ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بعنایت اللہ سُبحانہٗ ترقیات اور مرہم ہیں۔ وہ نتائج و ثمرات جو اس دنیا میں ان پر مرتب ہوتے ہیں۔ ان ثمرات و نتائج کا سوواں حصہ ہیں۔ جن کی حق تعالیٰ کی عنایات سے آخرت میں توقع اور امید ہے۔

پس فرزندوں کا ہونا عین رحمت ہے۔ ان کی زندگی میں منافع اور فوائد ہیں اور ان کی موت پر بھی نتائج و ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

امام اجل محی السنۃ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن بیر کے زمانہ خلافت میں تین دفعہ طاعون پڑا۔ اور اس طاعون میں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوات والتسلیمات کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے تراسی لڑکے فوت ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اُن کے حق میں دعا برکت کی تھی۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس لڑکے فوت ہو گئے۔ جب کہ حضرت خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام کے صحابہ کرام کے ساتھ یہ معاملہ فرماتے ہیں۔ تو ہم گناہ گار کس حساب اور شمار و قطار میں ہیں۔

حدیث میں وارد ہے۔ کہ پہلی امتوں کے لئے طاعون عذاب تھا۔ اور اس امت کیلئے شہادت کا ذریعہ ہے۔ بلاشبہ اس بلا میں بہت سے لوگ مرتے ہیں۔ بڑے حضور دِل اور توجہ اِلٰی الآخرت کی حالت میں مرتے

۱؎ مجھے اگر کہتا ہے کہ مر جا تو بخوشی مر جاتا ہوں اور داعی موت کا اہلاً وسہلاً کہتے ہوئے استقبال کرتا ہوں۔

ہیں۔خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کوئی دوسرا بھی اس بلا والی جماعت سے لاحق ہو جائے۔اور دنیا سے آخرت کی طرف سامان اُٹھالے جائے۔یہ بلا اس امت میں بظاہر غضب ہے۔لیکن باطن میں رحمت ہے۔

میاں شیخ طاہر نے نقل کیا تھا۔کہ لاہور طاعون کے ایام میں ایک شخص دیکھا گیا۔کہ جس کو ملائکہ کہتے ہیں۔جوان ایام میں نہیں مرے گا۔حسرت اور افسوس کرے گا۔ہاں جب بھی ان طاعون سے فوت ہونے والوں کے حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے۔تو احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں۔شاید شہدائے فی سبیل اللہ انھیں خصوصیات سے ممتاز ہوتے ہیں۔

میرے مخدوم! میرے فرزند عزیز (خواجہ محمد صادق) قدس سرہٗ کی وفات اعظم مصائب میں سے ہے۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص اس طرح کی مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہو۔لیکن اس مُصیبت میں جو صبر و شکر حضرت حق سُبحانہ و تعالیٰ سے اس قلب ضعیف کو عطا کیا گیا وہ بڑی نعمتوں اور اعظم انعامات میں سے ہے۔یہ ناچیز حق سُبحانہ وتعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ اس مصیبت کی جزاء آخرت کیلئے تیار رکھے۔اور دنیا میں اس کی کچھ بھی جزاء ظاہر نہ ہو۔اگرچہ فقیر جانتا ہو۔کہ یہ سوال بھی تنگی سینہ کے باعث ہے۔ورنہ وہ تعالیٰ واسع المغفرہ ہے۔اور اللہ ہی کے قبضہ میں دنیا و آخرت ہے۔اور دوستوں سے بھی درخواست ہے۔کہ وہ امداً اعانتً سلامتی خاتمہ کی دُعا کرتے رہیں اور انسانیت کو لازم لغزشوں اور بشریّت کی وجہ سے پیدا ہونے والی کوتاہیوں سے درگزر کریں۔اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش۔اور ہمارے کاموں میں ہماری زیادتیوں کو بھی بخش اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافر قوم پر ہماری مدد و نصرت فرما۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

مکتوب نمبر (۱۸)

شیخ جمال ناگوری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ علماء راسخین کا کیا حصہ ہے۔اور علماء ظواہر کا کیا۔اور صوفیہ کا کیا حصّہ ہے اور اُس کے التماس کو جواب جو اُس نے کہا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہی علماء عظام کی مدح وثنا کے لئے کافی ہے۔علم وراثت علم شریعت ہے جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا باقیماندہ ہے۔اور علم شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔

---

۱ احمد، ترمذی، ابوداؤد بروایت ابوالدرداء

صورت وہ ہے جو ظاہری علماء کا حصّہ ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ اور محکمات کتاب وسنّت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کی حقیقت وہ ہے۔ جو علماء راسخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حصہ ہے۔ جو کتاب وسنّت کے متشابہات ہیں۔ جو کتاب کے مقاصد ہیں۔ امہات حصول نتائج کے لئے وسائل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ پس کتاب کا لُبّ (مغز) متشابہات ہیں۔ اور محکمات ان کا چھلکا ہیں۔ متشابہات ہی ہیں۔ جو رمز اور اشارہ کے طور پر اصل کو بیان کرتی ہیں۔ اور اس معاملہ کی حقیقت کا نشان بتاتی ہیں۔ علماءِ راسخین نے چھلکے کو مغز کے ساتھ جمع کر لیا ہے۔ اور شریعت کی صورت وحقیقت کے مجموعے کو پالیا ہے۔ اور ان بزرگوں نے شریعت کو اس شخص کی طرح تصور کیا ہے۔ جس کا پوست اور مغز صورت اور حقیقت ہو۔ شرائع اور احکام کے علم کو انہوں نے صورت شریعت جانا ہے۔ اور حقائق اور اسرار کے علم کو حقیقتِ شریعت کہا ہے۔ اور ایک جماعت نے صورت شریعت میں گرفتاری ہو کر اس کی حقیقت سے انکار کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنا پیر اور مقتداء ہدایہ اور بزدوی کے کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ اور ایک دوسری جماعت اگر چہ حقیقت شریعت میں گرفتار ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے اس کو شریعت کی حقیقت نہیں جانا۔ بلکہ شریعت کو صورت میں منحصر رکھا ہے۔ اور اُسے پوست خیال کیا ہے۔ اور لُبّ ومغز کو اس کے ماسوا میں تصور کیا ہے۔ تو ناچار اس وجہ سے اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اور متشابہات سے کچھ حصہ نہ پا سکے۔ تو علماء راسخین ہی درحقیقت وارث ہیں۔ اللہ سُبحانہٗ ہمیں اور تمہیں ان کے محبّین اور ان کے نشانات پر چلنے والوں میں سے کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اخوی میاں شیخ نور محمد نے آپ کی طرف سے ظاہر کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمیں دوسرے سلاسل کے مشائخ سے اجازتیں ہیں۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی جانب سے بھی مَیں اجازت چاہتا ہوں۔

مخدوم ومکرم! پیری ومریدی طریقہ نقشبندیہ طریقہ کے سکھانے اور سیکھنے سے ہے۔ کلاہ اور شجرہ سے نہیں۔ جس طرح کہ دوسرے سلاسل میں متعارف ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے۔ اس بناء پر ان کی ہدایت میں دوسروں کی نہایت درج ہے اور اُن کا راستہ بالکل قریب ہے۔ ان کی نظر امراضِ قلبیہ کو شفا دیتی ہے۔ اور اُن کی توجہ باطنی بیماریوں کو دفع کرتی ہے۔

نقشبندیہ[1] عجیب قافلہ سالار اند کہ برند ازرہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اُمید ہے کہ معذور جانیں گے۔ نیک لوگ عذر قبول کرتے ہیں۔ والسّلام

---

[1] نقشبندی عجیب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ پوشیدہ قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۹)

میر مُحِبُّ اللہ کی طرف صادر فرمایا:

روشن سنت کی اتباع، ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ سیادت اپناہ اخوی واعزی میر محب اللہ کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ ان حدود کے فقراء کے حالات وکوائف تعریف کے لائق ہیں۔ اللہ سبحانہ سے درخواست ہے کہ وہ تمہیں سلامتی، ثابت قدمی اور استقامت عطا کرے۔

اس مدت میں آپ نے اپنے علاقہ کے حالات کی کیفیت سے مطلع نہیں کیا۔ بُعد مسافت رکاوٹوں میں سے ہے۔

نصیحت بس یہی ہے کہ دینی احکام کا التزام ہو۔ اور حضور سیّد المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی متابعت اختیار کی جائے۔ اور سنّت سنیہ کا بجالانا اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب اختیار کیا جائے۔ اگرچہ بدعت صبح کی روشنی کی طرف دکھائی دیتی ہو۔ کیونکہ بدعت میں فی الحقیقت کوئی نور اور ضیاء نہیں۔ اور بیمار کے لئے اس میں کوئی شفا نہیں۔ اور نہ کسی مرض کے لئے اس میں علاج ہے۔ یہ خوبیاں بدعت میں کیسے پائی جاسکتی ہیں۔ بدعت یا تو رافع سنت ہے یا اس سے خاموش اور بدعت ساکتہ ضروری ہے۔ کہ سنت پر زائد ہو۔ تو اس طرح وہ بھی فی الحقیقت سنّت کی رافع ہے۔ کیونکہ نَص پر زیادتی نَص کا نسخ ہے۔ لہٰذا جو بدعت بھی ہو وہ ضرور سُنّت کو مٹاتی ہے۔ اور اس کے مخالف ہوتی ہے۔ لہٰذا بدعت میں کوئی خیر اور حُسن نہیں۔ اور کاش کہ مَیں جان لیتا کہ دین کامل میں پیدا شدہ بدعت کا حَسَن کہنے والوں نے کیسے اُسے حسن کہنے کا فیصلہ کرلیا۔ حالانکہ دین کامل ہو چکا۔ اور پسندیدہ اسلام کی نعمت مکمل ہو چکی۔ اور انھیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دین کے اکمال اور اتمام کے بعد اس میں بدعت کا اجراء اور اس سے رضائے الٰہی کا حاصل ہونا درستی سے دور ہے۔ تو حق کے بعد نہیں مگر گمراہی اور اگر وہ جانتے کہ دین کامل میں کسی محدث (بدعت) کو حسن کہنا اور اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے۔ اور نعمت کے نامکمل ہونے سے خبر دیتا ہے۔ تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ اے اللہ! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَّدَيْكُمْ

مکتوب نمبر (۲۰)

مولانا محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

نماز کے فضائل میں اور اس امر کی ترغیب میں کہ اس کے ارکان، شرائط، آداب اور تعدیلِ ارکان کما

حقہ بجالانے چاہئیں اور اُس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

آپ کا وہ مکتوب شریف جو آپ نے جونپور کی طرف سے لکھا تھا موصول ہوا۔ چونکہ وہ کمزوری بدن کی خبر پر مشتمل تھا۔ اس لئے بے آرامی کا باعث ہوا۔ فقیر تندرستی کی اطلاع کا منتظر ہے۔ کسی آنے والے کے ذریعے اطلاع کرنا اور اپنے احوال کی کیفیات تحریر کرنا۔

اے محبت کر اطوار والے! جب کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اور دارِ جزاء دارِ آخرت ہے۔ اس لئے اعمال صالحہ کے بجالانے میں کوشش اور سعی کرنی چاہیئے۔ بہترین اعمال اور فاضلترین عبادات نماز کا قائم کرنا ہے۔ کیونکہ یہ دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس لئے اس کے ادا کرنے میں پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے اور احتیاط کرنی چاہیے کہ اس کے ارکان، شرائط، سُنّتیں، مستحبات پور پورے ادا ہوں۔ نماز میں اطمینان اور تعدیلِ ارکان کی تکرار کے ساتھ بار بار تاکید کی جاتی ہے۔ اس کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔ کیونکہ اکثر لوگوں نے نماز کو ضائع کر رکھا ہے۔ اور تعدیلِ ارکان کو درہم برہم کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے بہت وعیدیں اور ڈانٹ کے الفاظ وارد ہیں۔ جب نماز درست گئی تو بڑی امید ہے کہ نجات میر آ جائے کیونکہ دین قائم ہو گیا۔ اور عروج کا معراج اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

[1] برشکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کو رہی سودائیاں

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ الْعُلٰی

مکتوب نمبر (۲۱)

خواجہ محمد صدیق ملقب بہ ہدایہ کو صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ حدیثِ قُدسی لا یسعنی الخ میں قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے نہ کہ حقیقتِ جامعہ جس کی وسعت سے بعض مشائخ نے خبر دی ہے۔ لیکن گوشت کا وہ ٹکڑا مراد ہے۔ جس نے سلوک و جذبہ، تصفیہ و تزکیہ اور تمکینِ قلب اور اطمینانِ نفس کے بعد اجزاءِ عشرہ سے ترکیب پائی ہے۔ اور ہیت وحدانی پیدا کی ہے۔ اور گوشت کے اس ٹکڑے کی فضیلت حقیقت جامعہ پر چند وجہ سے ہے۔ اور اس بیان میں یہ تمام کمالات جو اس پارہِ گوشت کے لئے ثابت ہیں۔ مقامِ قاب قوسین میں ہیں۔ اور اَوْ اَدْنٰی کا معاملہ اس سے بھی وراء ہے۔

[1] اے صفراء کے مریضو! شکر پر لوٹ پوٹ ہو جاؤ۔ کیونکہ سودا کے مریض تو آنکھوں سے نابینا ہیں۔ (لہٰذا ان کا حصہ بھی تم ہی ہو)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

آپ نے پوچھا تھا کہ تو نے اپنے مکتوبات و رسائل میں لکھا ہے۔ ظہور قلبی ظہور عرشی کا لمعہ ہے۔ اور فضیلت کلی طرف ظہور عرشی کیلئے ہے اور حدیث قدسی میں آیا ہے۔

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ ط

نہیں وسعت رکھتے میری نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان۔ بلکہ میری وسعت میرے بندہ مومن کا دل رکھتا ہے۔

اس حدیث سے لازم آتا ہے۔ کہ ظہور قلبی اتم ہے۔ اور فضیلت بھی اسی کے لئے ثابت ہے۔ محبت کے نشانات والے اس سوال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اربابِ ولائت قلب بول کر اس سے انسان کی حقیقت جامعہ مراد لیتے ہی ہیں۔ جو عالم امر سے ہے۔ اور بزبانِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ قلب اس پارہِ گوشت سے عبارت ہے۔ جس کی درستی کے ساتھ بدن کی درستی اور اس کے فساد سے بدن کا فساد وابستہ ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتسلیمات میں وارد ہے۔ کہ۔

اِنَّ فِيْ جَسَدِ ابْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ط (بخاری شریف)

بیشک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے۔ تو سارا بدن درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ سُن لو کہ وہ قلب ہے۔

وسعتِ قلب اطلاقِ اوّل کو لازم ہے۔ یہیں سے ہے کہ جنید و بایزید قدس سرہما نے وسعت قلب سے خبر دی ہے۔ اور عرش و مافیہ کو عظمتِ قلب کے سامنے حقیر گمان کیا ہے۔ اور دل کی تنگی اطلاق ثانی کو لازم ہے۔ اس مقام میں قلب اس قدر تنگ ہے کہ جُو لا یتجزیٰ کی بھی جو تمام اشیاء سے اصغر اور حقیر چیز ہے۔ اس میں گنجائش نہیں۔ بعض اوقات جب تنگی قلب کو جز لا یتجزیٰ کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے۔ تو وہ حقیر جُو (جز یتجزیٰ) قلب کے مقابلے میں آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح عظیم دکھائی دیتا ہے۔ یہ معاملہ عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسے ذہن میں رکھو۔

جب یہ مقدمہ معلوم ہو گیا۔ تو جان لو کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ شک نہیں۔ کہ ظہور تام عرشی کی نسبت صرف ایک پر تو ہے۔ اس مقام میں فضیلت کلی صرف عرش کے لئے ہے۔ اور شیخ بایزید اور شیخ جنید جنہوں نے قلب کو سب سے کشادہ اور فراخ کہا ہے۔ اور عرش و مافیہ کو جامعیت قلب کے سامنے حقیر جانا ہے۔ یہ شئی کے نمونے کے شئی کے ساتھ مشتبہ ہونے کے قبیلے سے ہے۔ اور اس اشتباہ کے منشا کو فقیر نے اپنی

کتابوں اور رسالوں میں بار بار لکھا ہے۔ اور وہ جو حدیث قُدسی میں آیا ہے۔ وہ لسانِ انبیاء علیہم الصلوات و التسلیمات کے موافق ہے۔ اور اس قلب سے مراد یہی پارہ گوشت ہے۔ اور شک نہیں کہ ظہورِ اتم یہاں ہے۔ اور اس کی بلند ذات کی احدیّت مجرّدہ کا آئینہ بننا اس کے لئے مُسلّم ہے۔ عرش کے لئے اگرچہ ظہور تام سے جو ظہور اصل ہے۔ حصّہ وافر حاصل ہے۔ لیکن اس مقام میں صفات کی آمیزش ہے۔ اور جبکہ صفات فی الحقیقت حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس کے ظلال ہیں اس بنا' پر وہ ظہور ظلیّت کی ملاوٹ سے پاک اور مبرّا نہیں ہوتا۔ یہیں سے ہے کہ عرش کو ظہور انسانی سے جو اصل صرف سے تعلق رکھتا ہے۔ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ اور اس معاملے کا مرکز بھی انسان ہے۔

سوال: حدیث قدسی سے تو اس قلب کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ اور تو اُسے تنگ کہہ کر رہا ہے؟

جواب: اس کی تنگی ماسوائے حق' کی اس میں گنجائش نہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اور اس کی وسعت انوارِ قدم کے ظہور کے اعتبار سے ہے۔ ''بہت تنگ بہت وسیع بسطی بہت ہی بسیط۔ بہت چھوٹا بہت زیادہ''

سوال: فضیلت کے لائق تو حقیقت جامعہ ہے جو عالم امر سے ہے۔ پارہ گوشت نے جو عالم خلق سے ہے۔ اور عناصر سے مرکب ہے۔ یہ فضیلیت کہاں سے پالی؟

جواب: عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت ہے۔ لیکن اس فضیلت کے ادراک سے عوام کیا اکثر خواص بھی قاصر ہیں۔ اس معنی کو اس فقیر نے اپنے اس مکتوب میں جو اپنے فرزند مرحوم کے نام بیان طریقہ میں لکھا ہے۔ واضح کیا ہے۔ اگر تردّد اور شک باقی رہ جائے۔ تو وہاں سے تسکین کر لیں۔

اس پارہِ گوشت کی حقیقت (مجھ سے) سُن۔ عوام کا یہ پارہِ گوشت تو عناصر اربعہ کی ترکیب سے بنا ہے اور خواص بلکہ اخص خواص کا یہ پارہ گوشت وہ ہے۔ کہ سلوک وجذبہ' تصفیہ اور تزکیہ اور تمکینِ قلب اور اطمینان نفس کے بعد بلکہ محض فضل خداوندی جل سلطانہٗ سے اجزائے عشرہ سے ترکیب پا کر صورت اختیار کی ہے۔ چار جزء تو عناصر اربعہ ہیں۔ ایک جزء نفس مطمئنہ سے اور پانچ عالم امر سے ہیں۔ ان دس اجزاء کی آپس میں تضاد وتبائن کے باوجود قدرت کاملہ واجب الوجود تعالیٰ وتقدس سے ان کے تضاد وتبائن کی صورت زائل ہو چکی ہے۔ اور یہ آپس میں جمع ہو چکے ہیں۔ اور ایک ہیئت وحدانی پیدا کر لی ہے۔ اور اس طرح انہوں نے ایک اعجوبہ حاصل کیا ہے۔ اس معاملہ میں جزو اعظم عنصر خاک ہے۔ یہ وحدانی ہیئت بھی جزو ارضی کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور خاک کے سات قرار پکڑا ہے۔[1]

خاک شو خاک تا بر و دید گُل کہ بجز خاک نیست مظہر گُل

اے برادر! ارباب ولائت کا ہاتھ ان علوم و معارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ سینہ انوارِ

[1] خاک بن خاک' تا کہ پھول اگیں۔ کیونکہ پھول کا مظہر خاک کے سوا اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔

نبوت علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ سے حاصل کئے گئے ہیں۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

اور وہ دل جس کے لئے اطمینان کا سوال خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الملائکۃ المقربین الصّلوٰۃ والسّلام اتمّہا واکملہا نے کیا تھا یہی پارہِ گوشت ہے نہ کہ اس کی حقیقتِ جامعہ حضرت خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام تمکین سے پیوستہ اور اطمینان نفس تک پہنچ چکے تھے۔ اس لئے کہ یہ تمکین اور یہ اطمینان مرتبہ ولائیت میں جو زینہ نبوت ہے حاصل ہو جاتا ہے۔ علیٰ الانبیاء الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ۔ شانِ نبوت کے مناسب پارہِ گوشت میں تغیر وتبدّل ہے نہ کہ حقیقت جامعہ۔ کیونکہ وہ تو عوام کا حصہ ہے۔ اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ نے جو ثبات قلب طلب کیا ہے اور کہا۔

اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ[2] الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ۔ اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے۔ میرے دِل کو اپنی طاعت پر ثبات اور مضبوطی عطا فرما۔

تو اس سے مقصود اس پارہ گوشت کا ثابت ہے۔

اور بعض احادیث میں جو قلب کے تغیر وتبدّل کے متعلق وارد ہوا ہے امتیوں کے حالات پر نظر کرتے ہوئے وہاں قلب سے معنی عام بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جو پارہ گوشت اور حقیقت جامعہ دونوں کو شامل ہے۔

سوال: یہ پارہ گوشت جبکہ یعنی قلب عبدی المومن کے شرف سے ہو گیا ہو۔ اور حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو۔ تو پھر اس میں تقلب واضطراب کیوں ہوتا ہے۔ اور وہ مزید اطمینان کا کیوں محتاج ہوتا ہے۔

جواب: ظہور اگرچہ اتمیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور شیون اور صفات کے شائبہ سے آزاد کر دیتا ہے۔ لیکن جہل وحیرت زیادہ پیدا کرتا ہے۔ اور ناشناسی اور عدم وصول زیادہ تر حاصل کرتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس ظہور اور اس گنجائش کے باوجود کمال جہل وحیرت سے وجود صانع پر دلیل طلب کرتا ہے۔ اور عوام کی طرح استدلال یا تقلید کے بغیر صانع تعالیٰ کے وجود کا یقین پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا تقلب واضطراب اس کے حال کے مناسب ہوتا ہے۔ نیز طلب اطمینان ضروری ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ صاحب یقین عارف کو رجوع کے بعد استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس مقام میں معلوم ہوا کہ ہمیں حصول ووصول کے وقت بھی دلیل کی حاجت ہوتی ہے۔ یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے حال کے مناسب ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ۔ اور وہ مقام مرتبہ ولائت کے حالات کے مُناسب ہے۔ اور جب اس قلب والے کو دعوت

---

[2] ترمذی وابن ماجہ بروایت انس رضی اللہ عنہ۔ مشکوٰۃ

کی طرف رجوع واقع ہوتا ہے۔ تو بے قراری و اضطراب' دل کا تغیر و تبدّل اُسے زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ جبکہ عین وصول اور حصول کے وقت جہل و حیرت کی وجہ سے دلیل کا محتاج ہے۔ تو زمانہ' فرقت میں استدلال کا بطریقِ اولیٰ زیادہ محتاج ہوگا۔ تا کہ استدلال کے ذریعہ کچھ نہ کچھ اطمینان حاصل کرے۔

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ دولت چو چند روز کے لئے اس سے پوشیدہ کر لی گئی ہو اور اس کی داغ جُدائی کے ساتھ داغدار ہو چکا ہے۔ وہ اس کے لائق ہے۔ کہ ہمیشہ بے قراری اور اضطراب میں رہے۔ اور ہمیشہ غم و حزن کی حالت میں رہے۔

كَانَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ متواصل الحزن دائم الفِكر۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمناک اور متفکر رہتے تھے۔

اب فقیر بعض وجوہ کو بتاتا ہے۔ جو قلب کے ان دو اطلاق میں فرق کرتی ہیں۔ گوش ہوش سے سنیں۔ حقیقت جامعہ جو کہ عالم امر سے ہے۔ تصفیہ اور تزکیہ کے بعد اُسے تمکین تمام میسّر آ جاتی ہے بخلاف پارۂ گوشت کے کہ اس کا اطمینان ادراک حواس سے وابستہ ہے۔ جب تک کسی شے کو حواس سے ادراک نہ کرے بے قراری سے باہر نہیں آ سکتا۔ اسی لئے حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملٰئکۃ المقربین نے اپنے قلب کے اطمینان کا سوال کیا اور عرض کیا۔

رَبِّ[2] اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط اے میرے ربّ! مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا۔

فرق کرنے والی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ ذکر کا اثر قبول کرتی ہے۔ اور جب ذکر تک پہنچتی ہے۔ تو ذکر کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اور ذکر کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے۔ اور اس مقام کو صاحبِ عوارف قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے روشن تر مقام کہا ہے۔ اور قلب کے اس قیام کو ذکر ذات تعالیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ بخلاف پارۂ گوشت کے۔ کہ ذکر کے لئے اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اس کا اثر پذیر ہونا کجا اور ذکر کے ساتھ قیام کجا۔ وہاں بالاصالۃ مذکور کا ظہور ہے۔ نہ کہ ظلیّت کے ساتھ۔ ذکر کے عروج کی نہایت مذکور کی دہلیز تک ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ جب نہایۃ النہایۃ تک پہنچتی ہے۔ اور ولائیت خاصہ سے حصہ وافر حصہ حاصل کر لیتی ہے۔ اگر مطلوب کی آئینہ دار بن جائے۔ تو ظاہر اس میں ظل مطلوب ہوگا نہ عین مطلوب۔ جس طرح ظاہری شیشہ میں کہ اس شخص کی مثال ظاہر ہوتی ہے نہ کہ عین شخص۔ بخلاف پارۂ گوشت کے برعکس اس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ عین مطلوب ہے نہ کہ اس کا ظلِ۔ اسی لئے حدیث قدسی فرمایا ہے۔

---

[1] شمائل ترمذی

[2] پارہ تلک الرسل' سورۃ البقرۃ'

يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ۔ میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔

یہ معاملہ بھی نظر وفکر سے بلند ہے۔ اس سے ہرگز حلول اور مکان نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ کفر و زندقہ ہے۔ اگرچہ عقل معاش یقین نہیں کرسکتی کہ ایک شئی کا عین دوسری شئی میں ظاہر ہو۔ لیکن وہاں حلول اور ٹھہرنا نہ ہو۔ یہ عقل کی نارسائی کے باعث ہے۔ اور غائب کا حاضر پر قیاس ہے۔ اس لئے تو کوتاہ بین لوگوں سے نہ ہو۔

چوتھا فرق یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ عالم امر سے ہے۔ اور پارۂ گوشت عالم خلق سے۔ بلکہ عالم خلق وامر دونوں اس کے اجزاء ہیں۔ اور خلق اس کا جزو اعظم ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو۔ ان دونوں جزو کے اجتماع سے اس کی ہیئت وحدانی ایجاد ہوئی ہے۔ جو اعجوبہ روزگار بن کر سامنے آئی ہے۔ یہ اعجوبہ اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے ایک الگ شے ہے۔ اور کسی شے کیساتھ کسی طرح بھی اپنی ہیئت ترکیبی میں مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی۔ لیکن شمار عالم خلق میں ہوتی ہے۔ اس لئے جزو خاکی اس معاملہ میں ایک عمدہ شے ہے اور خاک کی پستی اس کی رفعت کا باعث بن گئی ہے۔

ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے۔ کہ حقیقت جامعہ کی وسعت اشیاء کی صورتوں کے اس میں ظہور کے اعتبار سے ہے اور پارۂ گوشت کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد سامنے آتی ہے۔ مطلوب کی گنجائش کے اعتبار سے ہے۔ جو نامحدود اور غیر متناہی ہے۔ اور وہ تنگی اس کی تنگ دہلیز ہے کہ ماسوا کے گھسنے سے رکاوٹ ہے۔ حتیٰ کہ ذکر کو بھی نہیں چھوڑتی کہ مذکور کے پردوں میں داخل ہو۔ اور شائبہ ظلیت کو بھی باقی نہیں رہنے دیتی کہ اس خانہ مقدس کے گرد گھومے۔

اور نیز اوّل (حقیقت جامعہ) کی فراخی جبکہ چوں کا شائبہ رکھتی ہے۔ اس لئے بے چون ذات کے لائق نہیں اور دوسرے کی فراخی سے بیچونی سے بھی حصہ پایا ہے۔ اس لئے چون کی اس میں گنجائش نہیں۔ عجائب کاروبار ہے۔ کہ اسی دِل کو دعوت کی طرف رجوع کے بعد ظلمت اور سیاہی طاری ہو جاتی ہے۔ یہیں سے ہے کہ حضرت سیّد البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات نے فرمایا ہے۔

[1] اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ۔ بیشک میرے دل میں بھی پردہ چھا جاتا ہے۔

کہاں تک فرق بیان کرے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اے برادر! اس پارہ گوشت کو معمولی شے خیال نہ کرنا۔ بلکہ یہ نہائت قیمتی جوہر ہے۔ جس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور عالم امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں وہ شے بھی ہے۔ جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں۔ اور وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں۔ جو اس کی ہیئت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پہلے دس اجزاء کو تصفیہ تزکیہ جذب وسلوک اور فنا وبقا کے ساتھ پاک اور

[1] ''مسلم وابوداؤد''

طاہر کرتے ہیں۔ اور ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف کرتے ہیں۔ مثلاً دل کو بیقراری سے گذار کر تمکین و اطمینان تک پہنچاتے ہیں۔ اور نفس کو بھی امارگی سے اطمینان کی طرف لاتے ہیں۔ اور ناری جزو کو سرکشی اور نافرمانی سے روکتے ہیں۔ اور خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اجزاء کو افراط اور تفریط سے حدِ اعتدال و توسط میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد محض فضل خداوندی سے ان اجزاء کو ترکیب دیکر شخص معین کو بنایا۔ اور انسان کامل کی تشکیل کی ہے۔ اس شخص کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کا مرکز ہے مضغہ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ہے مضغہ (پارہ گوشت) کی حقیقت جو باندازہ عبارت بیان کی جاسکتی ہے۔ اور اصل اختیار اللہ سبحانہٗ کے قبضہ میں ہے۔

اگر کوئی ناقص کہے کہ ہر انسان انہی دس اجزاء سے مرکب ہے اور انہی کی ترکیب سے ہیئت وحدانی رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب میں یہ دوں گا۔ کہ ہاں ہر انسان انہی اجزاء سے مرکب ہے۔ لیکن وہ اجزاء پاک اور مطہر نہیں ہوئے ہیں۔ اور جذبہ وسلوک کے ذریعہ ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف نہیں ہوئے ہیں۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے' کہ وہ فنا اور بقا کے ذریعہ پاک اور پاکیزہ ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ ابھی گذرا ہے۔ کہ ہر انسان میں چونکہ یہ اجزاء متبائن اور متمائز ہیں۔ اور ہر چیز کے بھی احکام و احوال' متمائز ہیں۔ اس بناء پر وہ ہرگز ہیئت وحدانی سے حصہ نہیں رکھتا۔ اور اگر ہیئت وحدانی رکھتا بھی ہے تو وہ محض اعتبار ہے۔ نہ کہ حقیقی۔ بخلاف انسان کامل کے اجزاء کے کہ وہ تبائن و تمائز سے نکل کر آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں۔ اور اس کے متمایز احوال و احکام زائل ہو کر ایک شے کا حکم اختیار کر چکے ہیں۔ پس لازماً اس میں ہیئت وحدانی حقیقی ہوگی نہ اعتباری۔ جس طرح ایک معجون کو مختلف ادویہ سے تیار کرتے ہیں۔ اور رگڑ رگڑ تمام اجزاء کو ایک دوسری کے ساتھ ملا کر ہیئت وحدانی ثابت کرتے ہیں اور متبائن احکام سے نکال کر ایک حکم کی طرف لاتے ہیں۔ اس نکتے کو سمجھ لو۔ وَاللہُ سُبحانہٗ اَعلم'

اے برادر! یہ تمام کمالات جو پارہِ گوشت کے لئے ثابت ہیں۔ مقام قوب قوسین بھی ہیں۔ کہ ظاہر میں مظہر کے رنگ کا وہم ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں ظاہر اصل ہے۔ نہ کہ اس کا ظل جو صورت ہے۔ لیکن ظاہر کا شخص آئینہ داری کے رنگ سے پاک اور مبرا نہیں۔ پس قوسین ثابت ہوں گے۔ اُس مقام سے اوپر اَوْ اَوْنیٰ کا مقام ہے۔ کہ ظاہر نے مظہر کا رنگ نہیں پکڑا ہے۔ اور کوئی امر زائد بھی اس میں تخیل میں نہیں آتا۔ پس قوسین وہاں مفقود ہوں گے۔ اور ایک رنگ کے سوا اس جگہ اور کچھ متصور نہ ہوگا۔ جو اَوْ اَدْنیٰ کے مقام کے مناسب ہو۔ اور اس مقام کا معاملہ علیحدہ ہے۔ بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔ تب جا کر قوسین سے اَوْ اَدْنیٰ تک وصول میسر آسکتا ہے۔ اور ہمارا کلام اشارات و رموز اور بشارات اور خزانے ہیں۔

'واللہ سبحانہ' الملھم وَصلے اللہ تعالیٰ علیٰ سیّدنا مُحمدٍ وَ صحبہٖ وسلم و بارک۔

مکتوب نمبر (۲۲)

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ' کے طفیل شہر سرہند کی اکثر شہروں پر فضیلت کے بیان میں۔ اور اپنی رہائش گاہ میں ایک نور کا مشاہدہ کرنا۔ کہ اس کی شان وصفت کی کسی کو بُو تک نصیب نہیں ہوئی۔ اور وہ زمین کچھ عرصہ بعد مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق قدس سرّہٗ کا روضہ مقدسہ بن گئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہٖ والصلوٰۃ والسّلام والتحیّۃ والبرکۃ' بلدہِ سرہند گویا میرے زندہ کرنے کا مقام ہے۔ کہ میرے لئے ایک گہرے کنویں کو پُر کر کے ایک بلند چبوترہ بنایا گیا ہے۔ اور اُسے اکثر بلاد اور جگہوں پر بلندی اور رفعت عطا کی ہے۔ اور ایک نور اس زمین امانت رکھا گیا ہے۔ جو بے صفتی اور بے کیفی کے نور سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس طرح بیت اللہ کی مقدس زمین سے نور روشن ودُرخشاں ہے۔

میرے بڑے فرزند کی وفات کے چند ماہ بعد ایک بُلند روشن نور دیکھا گیا۔ کہ کسی صفت وشان نے اس کی بُو کی طرف بھی راستہ نہیں پایا۔ اور وہ کیفیات سے مبرّا اور منزّہ ہے۔ مجھے یہ آرزو پیدا ہوئی کہ وہ زمین میرا مدفن بنے۔ اور وہ نور میری قبر پر روشن ہو۔ اس بات کو میں نے اپنے فرزند اعظم کے سامنے جو صاحب راز تھا' ظاہر کیا۔ اور اس نور اور اس آرزو سے مطلع کیا۔ اتفاق سے میرا بڑا فرزند ہی اس دولت کے ساتھ سبقت لے گیا۔ اور پردہِ خاک میں اس نور سے دریا میں غرق ہو گیا۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا[1]

وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ'

یہ بات بھی اس بلدہ معظّمہ کی فضیلت میں سے ہے۔ کہ میرے سب سے بڑے صاحبزادہ جو اکابر اولیاءِ اللہ میں سے ہے۔ یہاں آسودہ خاک ہے۔ اور ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا۔ کہ اس جگہ امانت رکھا ہوا نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کے نور کا لمعہ ہے۔ جسے یہاں سے لیکر اس زمین میں روشن کیا ہے۔ جس طرح ایک چراغ بڑی مشعل سے روشن کرتے ہیں۔

"آپ فرمادیں سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔"

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

---

[1] نعمت والوں کو نعمتیں گوارا ہوں۔ اور عاشق مسکین کے لئے وہی ہے جو وہ درد وغم کے گھونٹ پی رہا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۳)

مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ (اللہ اُسے سالم اور باقی رکھے اور اُسے اُس کی آرزو کی انتہا تک پہنچائے) کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عمدہ کام روشن سنّت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے اور اس امر کے بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کو دوسرے طریقوں پر فضیلت صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ والصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنے کیوجہ سے ہے۔ اور اس بُلند طریقہ نقشبندیہ کی مدح وثناء اور اُس کے مُناسب اُمور کے بیان میں۔

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى'' جو نصیحت فرزند عزیز اللہ سُبحانہٗ اُسے مناسب کاموں سے محفوظ رکھے۔ اور دوسرے تمام دوستوں کو' کی جاتی ہے۔ وہ روشن سنت علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام والتحیۃ کی اتباع اور ناپسندیدہ دعوت سے اجتناب ہے۔ اسلام اس زمانہ میں غریب ہو چکا ہے۔ اور مسلمان غریب ہو چکے ہیں۔ اور روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آ جائے گا۔ کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا نہ رہے۔ ''اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔''

سعادت مند وہ ہے۔ جو اس غریب اسلام کے زمانہ میں چھوڑی ہوئی سنتوں میں سے کسی سُنّت کو زندہ کرے اور مروّجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو مارے اور ختم کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت کو ایک ہزار برس گذر چکا ہے۔ اور قیامت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں۔ اور زمانہ نبوت کے دور ہونے کے باعث سنّت پوشیدہ ہو چکی ہے۔ اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کے باعث بدعت جلوہ گر ہو چکی ہے۔ کسی شہباز کی ضرورت ہے۔ جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا مروج ہونا دین کی ویرانی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کا تعظیم اسلام کا مٹانے کا باعث ہے۔ حدیث

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ۔ جس نے بدعتی کی تعظیم کی۔ اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی۔

سُنی ہوگی۔ پوری ہمت اور پورے ارادے کے ساتھ سنتوں میں سے کسی سُنّت کو رواج دینے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ہر وقت خصوصاً آج کل کہ ضعفِ اسلام کا زمانہ ہے۔ نشانات اسلام کا قائم کرنا' سُنّت کی ترویج اور بدعت کی تخریب سے وابستہ ہے۔ گذشتہ لوگوں نے بدعت میں حسن دیکھا ہوگا۔ تب ہی تو انہوں نے نے بدعت کی

---

۱ بیہقی فی شعب الایمان'

بعض افراد کو مستحسن کیا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں کہتا۔ اور اس میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ احساس نہیں کرتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور یہ فقیر یہ پاتا ہے۔ کہ اسلام کی سلامتی سنّت کے بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے۔ چاہے جو بدعت بھی ہو۔ یہ فقیر بدعت کو کبی کی طرح جانتا ہے۔ جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے۔ اور سنّت کو روشن تارے کی طرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح دکھائی دے کیونکہ شیطانی آرائشوں کو غیر سنّت میں غلبہ عظیم حاصل ہے۔ گذشتہ زمانوں میں جب کہ اسلام قوی تھا۔ بدعت کی تاریکیوں کو برداشت کرسکتا تھا۔ اور شاید کہ نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو بعض تاریکیاں نورانی محسوس ہوئی ہوں۔ اور اس وجہ سے اُن کے حسنہ ہونے کا حکم لگایا ہو۔ اگرچہ فی الحقیقت اس میں کچھ بھی حسن و نورانیت نہیں تھی۔ بخلاف اس وقت کے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے۔ بدعات کی تاریکیوں کے برداشت کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور یہاں متقدمین اور متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں ہوسکتا۔ کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔

اس وقت جہاں کثرت سے بدعت کے ظہور کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آتا ہے۔ اور اور سُنّت کا نور غربت اور قلّت کی بناء پر اس تاریک دریا میں جگنو کی طرح دکھائی دیتا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور زیادہ کرتا ہے۔ اور سُنّت کے نور کو کم کرتا ہے۔ اور سُنّت پر عمل اس تاریکی کے کم کرنے اور اس نور کی زیادتی کا باعث ہے۔ تو جو چاہے بدعت کی تاریکی کو زیادہ کرے اور جو چاہے وہ سُنّت کے نور کو زیادہ کرے۔ اور جس کا دِل چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جس کا دل چاہے اللہ کے گروہ کے اضافے کا سبب بنے۔ سُن لو۔ بیشک شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔ سُن لو۔ بیشک اللہ کا گروہ ہی فلاح و نجات پانے والا ہے۔

اور صوفیہ وقت بھی اگر انصاف کریں اور ضعفِ اسلام اور جھوٹ کے عام ہونے کا ملاحظہ کریں۔ تو چاہیئے کہ سُنّت کے سوا کسی بات میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں۔ اور مخترع اُمور کو مشائخ کے عمل کا بہانہ بنا کر اپنی عادت نہ بنائیں۔ اِتباع سنت ہی البتہ نجات دہندہ اور خیرات و برکات کی متمر ہے اور غیر سنت میں تقلید خطر در خطر ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ط قاصد پر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔

ہمارے پیروں کو ہماری طرف سے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ ہم پیچھے آنے

---

۲ مسلم شریف'

والوں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کا حکم نہیں دیا۔ اور اپنی تقلید سے ہلاک کن تاریکیوں میں نہیں ڈالا۔ اور متابعت سُنّت کے سوا کوئی راستہ ہمیں نہیں دکھایا گیا۔ اور صاحبِ شریعت علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور عزیمت پر عمل کے سوا اور کوئی ہدائت نہیں فرمائی۔ اس بناء پر لازماً ان بزرگوں کا سلسلہ بند ہے۔ اور ان کے وصول کا چبوترہ مرتفع واقع ہوا ہے۔ یہی ہیں جنہوں نے سماع ورقص کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ اور وجد اور تواجد کو انگلی شہادت سے دو ٹکڑے کر دیا ہے۔ دوسروں کا مکشوف ومشہود ان بزرگوں کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے۔ اور اُن کا معلوم ومتخیل نفی کے قابل ہے ان اکابر کا معاملہ دید و دانش سے ماوراء ہے۔ اور معلوم ومتخیل سے بھی ماوراء ہے۔ نیز تجلیات وظہورات اور مکاشفات ومعانیات سے بھی ماوراء ہے۔

دوسروں کا اہتمام اثبات میں ہے۔ اور ان بزرگوں کی ہمت نفی ماسوا میں صرف ہوتی ہے۔ دوسرے کلمہ طیبہ نفی واثبات کا تکرار اس لئے کرتے ہیں تاکہ اثبات کا دائرہ وسعت پیدا کرے۔ اور تمام جہان جو غیریت کے عنوان سے پیدا ہوا ہے۔ کلمہ توحید کے تکرار سے حقیقت کے عنوان سے منکشف ہو جائے اور سب کو حق پائیں۔ اور حق دیکھیں تعالیٰ وتقدس۔ بخلاف ان بزرگوں کے۔ کہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے ان کا مقصود دائرہ نفی کی وسعت ہے۔ تاکہ جو کچھ مشہود ومکشوف اور معلوم ومتخیل ہو سب لَا کے نیچے داخل ہو اور جانبِ اثبات میں کوئی شے ملحوظ ومنظور نہ ہو۔ اور اگر بر سبیل فرض جانب اثبات میں کوئی چیز ظاہر ہو تو اُسے بھی لَا کی طرف لوٹایا جائے۔ اور جانبِ اثبات میں کلمہ مستثنیٰ کے تکلم کے سوا کچھ حصے میں نہ آئے۔ پس دوسرے طریقوں میں نفی واثبات کا ذکر مبتدیوں کے حال کے مطابق ہے۔ اور ذکر اللہ جو محض کلمہ اثبات ہے۔ اس کے بعد مناسب ہوتا ہے۔ تاکہ اس کلمہ کے تکرار کے ساتھ مثبت، مکشوف، اثبات، استقرار اور استمرار پیدا کرے۔ بخلاف ان اکابر کے طریق کے۔ کہ یہ ان سے برعکس ہے۔ کہ اوّل اثبات ہے۔ اور پھر اس اثبات واستقرار کی نفی ہے پس اسم اللہ کا ذکر اس طریقہ میں ابتداء میں مناسب ہے اور نفی واثبات کی صورت بعد میں بنتی ہے۔

اگر کوئی ناقص سوال کرے کہ اس تقدیر پر اس طریقہ کے اکابر کو مقامِ اثبات سے کچھ حصہ نہ ہوگا۔ اور نفی کے سوا ان کا کچھ بھی نقد وقت نہیں ہوگا۔

جواب: مَیں کہتا ہوں کہ دوسرں کا اثبات ان بزرگوں کو اوائل حال میں مَیسر آ جاتا ہے۔ لیکن وہ بلند ہمتی کے باعث اس طرف متوجہ نہیں ہوتے بلکہ نفی کے لائق خیال کرتے ہوئے اس کی نفی کرتے ہیں اور مطلوب مثبت اس کے وراء الوراء میں جانتے ہیں۔ پس دوسروں کا اثبات بھی ان کو مَیسر ہے اور نفی بھی۔ وہ مقام جو مقام کبریائی کے مناسب ہے انھیں حاصل ہے۔ ہر بے سرانجام انسان ان کا سراغ نہیں لگا سکتا۔ اور ہر بوالہاس ان کے معاملہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ان اکابر کے عدم حصول کا شمّہ جو اس مقام میں نفسِ حصول ہے۔ بیان کر دیا ہے۔ اگر ان اکابر کے حصول کے متعلق لب کشائی کرے تو خواص بھی عوام سے ملحق ہو جائیں۔ اور مبتدیوں کی طرح الف وباء کا

سبق اختیار کریں۔ شعر

فریاد[1] حافظ این ہمہ آخر بہرزہ نیست
ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

ذات تعالیٰ وتقدّس کا مراقبہ جو دوسروں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ ان کے نزدیک محل اعتبار سے ساقط اور بے حاصل ہے اور مراقبہ کرنے والے کو اس مقام میں ظلال سے ایک ظل کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ ''اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے۔ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں'' اس کی ذات بلکہ اس کے اسماء وصفات بھی ہمارے احاطۂ فکر ومراقبہ سے باہر ہیں۔ اس مقام میں جہل وحیرت کے سوا کچھ حصہ نہیں۔ نہ وہ جہل وحیرت جسے لوگ جہل وحیرت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مذموم اور بُرا ہے۔ بلکہ اس مقام کا جہل وحیرت عین معرفت واطمینان ہے۔ نہ وہ معرفت واطمینان ہے۔ نہ وہ وہ معرفت واطمینان جو لوگوں کے فہم میں آ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ قبیلہ چون سے ہے۔ اور بے چون سے بے نصیب ہے۔ اس مقام میں ہم جو کچھ ثابت کریں گے وہ بے چون ہی ہوگا۔ خواہ اُسے جہل سے تعبیر کریں یا معرفت سے جس نے چکھا نہ ہو نہیں جان سکتا۔

اور نیز ان بزرگوں کی توجہ احدیّت ذات تعالیٰ وتقدس کی طرف ہے۔ اور یہ حضرات اس وصفت سے سوائے ذات تعالیٰ وتقدّس کے کچھ نہیں چاہتے۔ اور دوسروں کی طرف ذات سے صفات کی طرف نیچے نہیں آتے اور بلندی سے پستی کی طرف نہیں گرتے۔ عجب کاروبار ہے۔ اس گروہ میں سے ایک جماعت نے ذکر اسم اللہ اختیار کیا ہے۔ اور اس پر اکتفا کرتے ہوئے صفات کی طرف نیچے آتے ہیں۔ اور سمیع، بصیر اور علیم کا ملاحظہ کرتے ہیں۔ اور پھر بر سبیل عروج علیم، بصیر اور سمیع سے اسم اللہ تک جاتے ہیں۔ کیوں صرف اللہ پر کفایت نہیں کرتے۔ اور توجہ کا قبلہ ذات احدیّت تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں بناتے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ[1] بِکَافٍ عَبْدَہٗ ط — کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔

نص قاطع ہے۔ اور آیہ کریمہ:

قُلِ[2] اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ ط — کہہ اللہ۔ پھر اُن کو چھوڑ دے۔

مختصر یہ کہ اس بلند مرتبہ طریقہ کے بزرگوں کی نظر ہمت بہت بلند واقع ہوئی ہے۔ کسی ریاکار اور رقاص کے ساتھ یہ لوگ نسبت نہیں رکھتے۔ اسی لئے دوسروں کی نہایت ان کی ہدایت میں مندرج ہے۔ اور اس طریقے کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کا حکم رکھتا ہے۔ اور ان سفر ابتدا سے ہی وطن میں مقرر ہو چکا ہے۔ اور خلوت در انجمن ان کو حاصل ہو چکی ہے۔ اور دوام حضور ان کا نقد وقت ہے۔ یہی ہیں کہ طالبوں کی تربیت ان کی بلند صحبت

---

[1] حافظ کی یہ فریاد بے مقصد نہیں۔ بلکہ قصہ بھی حیران کن اور بات بھی عجیب ہے۔

[1] سورۂ زمر پارہ فَمَنْ اَظْلَمُ [2] سورۂ انعام پارہ وَاِذَا سَمِعُوْا

سے وابستہ ہے۔ اور ناقصوں کی تکمیل ان کی توجہ شریف سے متعلق ہے۔ ان کی نظر امراضِ قلب کو شفا بخشتی ہے۔ اور ان کا التفات معنوی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ ان کی ایک توجہ سو چلّوں کا کام کرتی ہے۔ اور ان کا ایک التفات سالہا سال کے ریاضات و مجاہدات کے برابر ہے۔

نقشبندیہ[1] عجب قافلہ سالار اند

کہ برند ازراہِ پنہاں بحرم قافلہ را

اے سعادت کے آثار والے! اس بیان میں سے کوئی وہم نہ کرے۔ کہ یہ اوصات و شمائل تو اُس بلند طریقہ نقشبندیہ کے تمام اساتذہ اور تلامذہ کو حاصل ہیں۔ ہرگز یہ بات نہیں بلکہ یہ شمائل و عادات اس بلند طریقہ کے اکابر کے اکابر کے ساتھ خاص ہیں۔ جنہوں نے کام کو نہایۃ النہایہ تک پہنچا دیا ہوا ہے اور مبتدیانِ رشید نے ان اکابر کے ساتھ نسبت ارادت درست کی ہوئی ہے۔ اور آداب کی رعائت کی ہے۔ نہایت کا ہدائت میں درج ہونا ان کے حق میں ثابت ہے۔

بخلاف اس طریقہ کے اس مبتدی کے جو اس طریقہ کے شیخ ناقص کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ کہ اس کے حق میں یہ اندراج ثابت نہیں۔ کیونکہ ان کا شیخ بھی نہایت کو نہیں پہنچا ہوا۔ تو مبتدی کے حق میں نہایت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔

از کوزہ بروں ہماں تراود کہ در دست

کوزہ سے وہی چیز ٹپکتی ہے۔ جو اس میں ہوتی ہے

اے نجابت آثار! ان اکابر کا طریقہ اصحاب کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے۔ اور یہ نہایت کا بدایت میں اندراج اس اندراج کا اثر ہے۔ جو صحبتِ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں میسر آیا۔ اس لئے کہ آنسرور علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والسلام کی اوّل صحبت میں وہ کچھ میسر آ گیا۔ جو بہت کم ہے کہ انتہا میں بھی دوسروں کو میسر ہو۔ اور یہ فیوض و برکات وہی فیوض و برکات ہیں۔ جو زمانہ صحابہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اگرچہ ظاہر میں آخر اوّل سے وسط کی نسبت دُور ہے۔ لیکن فی الحقیقت آخر وسط کی نسبت اوّل سے زیادہ نزدیک ہے۔ اور اس کے رنگ کے ساتھ رنگین ہے۔ متوسط حضرات اُسے باور کریں یا نہ کریں۔ بلکہ متاخرین میں اکثر کے بارے میں معلوم نہیں۔ کہ اس معاملہ کی حقیقت تک پہنچتے ہیں یا کہ نہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوٰاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ الْعُلٰى ۝

---

[1] نقشبندی عجب قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستے سے قافلہ کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۴)

حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا:

اس کے مکتوب کے جواب میں، جس میں اس نے آرزو کی تھی کہ تمام ذرّات میں مشاہدہ جمال میّسر ہو اور اُس کے مناسب اُور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

آپ کا مراسلہ شریفہ جو آپ نے کمال اخلاص اور محبت کے ساتھ ارسال کیا تھا۔ موصول ہو کر بہت زیادہ فرحت اور خوشی کا موجب ہوا۔ نسبت رابطہ تمہیں ہمیشہ صاحب رابطہ (شیخ) کے ساتھ رکھتی ہے۔ اور فیوضِ انعکاسی کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس نعمت کا شکر بجالانا چاہیئے۔ اور قبض وبسط دونوں اس راہ میں اُڑنے کے دو بازو ہیں۔ قبض سے دلگیر۔ اور بسط سے مسرور نہ ہوں۔

آپ نے یہ آرزو کی تھی کہ تمام ذرّات میں مشاہدہ جمال میّسر ہو۔ محبت کے اطوار والے! بندے کو آرزو سے کیا کام۔ اور اس کی آرزو اس کے فہم قاصر کے اندازہ کے مطابق ہوگی۔ جمال لایزال کا ذرّات کے آئینے میں مشاہدہ کرنا کوتاہ بینی کے باعث ہے ذرات کی کیا مجال ہے۔ کہ اس جمال کے آئینے بنیں۔ جو کچھ ذرّات کے آئینوں میں مشہود ہوتا ہے۔ وہ اس بے نہائت جمال کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اس بلند ذات کو وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اور آفاق وانفس کے دائرہ سے باہر ڈھونڈنا چاہیئے۔ اس وقت جو نسبت تم رکھتے ہو وہ تمہاری آرزو سے فوقیت رکھتی ہے۔ لوگوں کی تقلید کر کے پستی کی طرف راغب ہونے کی آرزو ہرگز نہ کریں۔ اور بلندی سے نیچے آنے کی تمنا نہ کریں۔ ان اکابر کا رخانہ بلند ہے۔

اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ جَمْعِیَتَکُمُ الصُّوْرِیَّةِ وَالْمَعْنَوِیَّةِ

والسّلام

مکتوب نمبر (۲۵)

خواجہ محمد شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جو عمل بھی شریعت غرّا کے مطابق کیا جائے ذکر میں داخل ہے۔ اگرچہ خرید و فروخت ہی ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ط

آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے میرے فرزند عزیز مولانا عبدالرشید اور مولانا جان محمد کے ہمراہ ارسال کیا

تھا موصول ہوا۔ اور نذر کے روپے بھی موصول ہوئے "جزاکم اللہ سُبحانہ ' خیراً" آپ کی صحت کی خبر سے بہت خوشی ہوئی۔ اے فرزند! فرصت و فراغت غنیمت ہے۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ جو بھی شریعتِ غرّا کے مطابق کیا جائے۔ ذکر میں داخل ہے۔ اگر چہ خرید و فروخت ہی ہو۔ پس تمام حرکات و سکنات میں احکام شریعت کی رعائت کرنی چاہیئے۔ تا کہ سب کام ذکر بن جائیں۔ کیونکہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کی رعائت ملحوظ رکھی جائے تو امر و نہی کرنے والے سے غافل ہونے سے نجات میسّر آ جاتی ہے۔ اور اس بلند ذات کا دوام ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دوام ذکر حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی "یادداشت" سے ایک الگ چیز ہے۔ کیوں کہ وہ صرف باطن میں منحصر ہے۔ اور یہ ظاہر میں بھی جاری ہے۔ اگر چہ مشکل ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۲۶)

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس کے اس خط کے جواب میں جس سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس بیان میں کہ تلقین ذکر بچوں کو الف و بے کی تعلیم کی طرح ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

صحیفہ مکرمت (مکتوب گرامی) جو کشمیری قاصد کے ہمراہ کرم کرتے ہوتے آپ نے ارسال کیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ جب کہ آپ کی طرف کے حضرات کی خیریت پر مشتمل تھا۔ بہت خوشی و مسرت کا موجب ہوا۔ "جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ خَيْرًا"

اس میں درج تھا کہ مخدوم زادہ کلاں اور خواجہ جمال الدین' میاں شیخ الہداد سے تلقین ذکر کے شرم کے باعث آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکے۔ مخدوما! اب بھی ان باتوں سے جانب داری کی بُو آتی ہے۔ اور اس طرح اور وضع سے مبانیت اور مخالفت مفہوم ہوتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ' مخدوم زادہ کلاں (خواجہ عبید اللہ) کو چاہیے تھا کہ اپنے والد بزرگوار کی وصیت کا شرم کرتا۔ نیز اس توجہ افادہ کی بھی شرم کرتا جو حضرت ایشاں (پیر بزرگوار) کی موجودگی میں اُن کے حکم سے کی گئی تھی۔ اور میاں شیخ الہداد کو بھی دعویٰ پیر پرستی کے باوجود چاہیے تھا کہ اس بارے میں دلیری اور جرات نہ کرتا۔ اور ملاحظہ وصیّت اور فائدہ پہنچانے میں پہل کرتا۔

جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ حق و صواب ہوگا۔ لیکن جو مکتوب مخدوم زادہ کلاں نے برادر عزیز کے ہمراہ ارسال کیا ہے (ہمارے متعلق) کمال تواضع کو متضمن اور انتہائی طلب و شوق پر مشتمل تھا۔ اور اس مکتوب میں ایسی

عبارات احاطہ تحریر میں لائی ہیں کہ طلب کے جنون کے بغیر ان عبارات کا معرضِ تحریر مین لانا متصوّر نہیں۔ اس مکتوب کی تحریر کے بعد شائد ہم سے برگشتہ ہونے کی صورت پیدا ہوئی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ط اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ط	اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایا۔ بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

لیکن فقیر جانتا ہے کہ ان کی یعنی پیر بزرگوار کی وصیت خالی از حکمت نہ ہوگی اور امید ہے کہ اس وصیت کی برکت سے انجام اچھا ہو جائیگا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کی طلب جس کی تھوڑی سی جھلک ان کے مکتوب سے مفہوم ہوتی تھی یکا یک ختم ہو جائے اور اس کی ضد اس کی جگہ لے لے۔ دوستوں اور ہمدردوں پر یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے۔ یہ مقام خاص اہتمام اور توجہ کا متقاضی ہے۔ مسکّر ما! اگر (حق تعالیٰ تک وصول کا) کام صرف تلقین سے مکمل وتمام ہو جائے تو مبارک ہے۔ لیکن معاملہ یوں نہیں بلکہ فقیر کے نزدیک ذکر کی تلقین بچوں کو الف و بے کی تعلیم کے مانند ہے۔ اگر صرف اتنی ہی تعلیم ملکہ مولویت پیدا کر دے تو کیا مضائقہ ہے۔ تمہارے کرم والتفات سے یہ توقع اور امیّد ہے کہ طرفداری کے پلے کو چھوڑ دیں گے۔ اور تمام دوستوں کے ساتھ مساوی قسم کی آشنائی رکھیں گے زیادہ کیا مبالغہ کرے۔ والسّلام۔

مکتوب نمبر (۲۷)

مولٰنا محمد طاہر بدخشی کی طرف ارسال کیا۔

شیخ عبدالعزیز جونپوری کے ان اعتراضات وسوالات کے جواب مین جو اس جلد دوم کے مکتوب اوّل میں درج ہیں۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ راقم عرض پرداز ہے۔ کہ آپ کا وہ مکتوب جو مدت مدید کے بعد آپ نے ارسال کیا ہے موصول ہو کر بہت فرحت وخوشی کا موجب ہوا۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو ظاہری اور باطنی جمعیت سے مزیّن اور آراستہ رکھے۔ فقیر نے اس عرصہ میں آپ کو تین خط لکھے ان میں سے ایک خط آپ کو موصول ہو چکا ہے۔ مسافت بعد کا عذر لاحق ہے اور مشخیت مآب شیخ عبدالعزیز نے جو مکتوب لکھا تھا تمہارے مکتوب کے ہمراہ نیز موصول ہوا اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے پوری طرح مطلع ہوا۔

شیخ عبدالعزیز کے مکتوب میں درج تھا کہ حقائق ممکنات جو صورِ علمیہ سے عبارت میں اگر عدمات ہوں

جو صفات کی ضد ہیں تو لازم آتا ہے کہ ان عدمات کا حصول ذات تعالیٰ وتقدس میں ہو حالانکہ وہ سبحانہٗ اس سے منزہ ہے۔ شیخ موصوف کا یہ عجیب شبہ ہے۔ شیخ عبدالعزیز کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت حق سبحانہٗ تمام ادنیٰ اور اعلیٰ اشیاء کو جانتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی بھی چیز کا حصول اس کی بلند ذات میں نہیں ہے اور کسی طرح اُن کا اس کے ساتھ اتصاف نہیں۔ اس صورت میں حصول کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔

نیز اس میں یہ بھی درج تھا کہ حقائق ممکنات وجودی اور ثبوتی ہونی چاہئیں نہ کہ عدمی کیونکہ حقائق' ممکنات کی ارواح اور نفوس سے عبارت ہے۔ (جواب) ہاں یہ حقائق علمی وجود وثبوت رکھتی ہیں جو ان کے لئے درکار ہے۔ شیخ صاحب موصوف کو چاہیے کہ یہ اعتراض سب سے پہلے شیخ محی الدین پر کریں جنہوں نے کہا ہے کہ ''اعیاں نے وجود کی بُو بھی نہیں سونگھی'' عجیب معاملہ ہے کہ یہاں حقائق' ارواح ونفوس سے عبارت قرار دی گئی ہیں۔ اور اعیان ثابتہ اور معلومات اللہ کو چھوڑ دیا ہے۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج تھا کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور اولیاء علیہم الرضوان اور باقی افراد انسان جو ممکنات میں اگر ان سب کے حقائق عدمات ہوں تو اس بلند گروہ سے شرف وعزت مسلوب ومعدوم ہو جاتی ہے۔ (جواب) کیوں مسلوب ومعدوم ہو جاتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اپنے حسنِ تربیت سے اُن عدمات کو اپنے اسماء وفصات کے آئینے اور عکوس بنا کر نبوت وولائت کے شرف سے مشرّف اور اپنے کمالات کے ظلال سے مزین وآراستہ کیا ہے۔ اور اس طرح انھیں معزز ومکرم کر دیا ہے۔ جس طرح انسان کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کر کے بلند درجات تک پہنچایا ہے۔ تعجب ہے کہ انسان کے شرف وعزت کو تو نگاہ میں رکھتے ہیں اور واجب تعالیٰ وتقدس کی تنزیہہ وتقدیس کو ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہوئے خسیس ورذیل اشیاء کو حق تعالیٰ وتقدس کا عین کہتے ہیں۔ اور اس مقولہ سے پرہیز نہیں کرتے اور انسان کے لئے حقائق عدمیہ کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ انھیں توفیقِ انصاف عطا کرے۔

اس مکتوب میں یہ بھی درج ہے کہ اجماعی بات کو اختراعی چیز سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ (جواب) ہم تو مقولہ ہمہ اوست کو اختراع وابداع جانتے ہیں۔ کیونکہ مقولہ ہمہ از اوست علماء کا متفق علیہ ہے۔ صاحب فتوحات پر آج تک ملامت ومذمت کا جو راستہ کھلا ہوا ہے۔ اس ہمہ اوست کے مقولہ کے سبب ہے اور فقیر نے جو معارف لکھے ہیں۔ اُن کا حاصل ہمہ از اوست ہے جو شرع اور عقل میں مقبول وپسندیدہ ہے۔ چہ جائیکہ کشف والہام سے بھی اس کی تائید ہو چکی ہو۔

شیخ موصوف نے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد مقام شفقت میں آ کر لکھا ہے کہ ممکنات کے حقائق اگر ارواح کو قرار دیا جائے تو یہ جمہور کے موافق ہے (پتہ نہیں) شیخ نے جمہور کی کونسی قسم مراد لی ہے۔ کیونکہ آج تک

سُننے میں نہیں آیا کہ ارواحِ انسانی کو کسی نے حقائق ممکنات قرار دیا ہو شیخ کی یہ گفتگو نہایت تعجب انگیز ہے۔ شیخ موصوف نے خیال کرلیا ہے کہ ہر شخص قیاس وتخمینے سے بات کرتا ہے اور اپنے فکر وتخیل سے باتوں کا جال بُنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ جو معارف کشف والہام کے بغیر گفت ونوشت میں آئیں اور شہود ومشاہدہ کے بغیر معرض تحریر وتقریر میں آئیں سراسر بہتان وافتراء ہیں۔ خاص کر جب کہ قوم کے مخالف ہوں۔ معلوم نہیں شیخ کا کیا اعتقاد ہے اور یہ معارف اس نے کہاں سے حاصل کئے ہیں۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین ط

(والسّلام)

مکتوب نمبر (۲۸)

مولینا محمد صادق کشمیری کو اس کے استفسارات کے جواب میں لکھا۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض گذار ہے کہ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ جب کہ پسندیدہ احوال کو متضمن تھا۔ موجبِ فرحت ہوا۔

آپ نے لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ کے وراء الوراء ہونے کے معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ صفات کا ذات واجب تعالیٰ وتقدس پر حمل کرنا تکلّف دکھائی دیتا ہے۔ اور ذات سُبحانہٗ کو سب سے وراء جانتا ہے۔ کوشش کریں کہ یہ حمل تکلّف سے بھی میسر نہ آئے۔ بلکہ معاملے کو حیرت صرف تک پہنچادے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ رشحات میں بابا آب زیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب حق سبحانہ وتعالیٰ روزِ آدم کی مٹی گوندھ رہا تھا۔ میں اُس میں پانی ڈال رہا تھا۔ اس مقولہ کی کیا توجیہہ وتاویل ہے۔ جان لیں کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مٹی کی خدمات میں جس طرح ملائکہ کرام علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حصہ لینے کی اجازت دی گئی اس بزرگ کی روح کو بھی خدمت گاری کی اجازت دی اور پانی ڈالنے کی خدمت اس کے سپرد کی گئی۔ پھر ان کی جسمانی پیدائش کے بعد بلکہ ان کے کامل ہونے کے بعد انہیں اس معنی سے اطلاع دی گئی۔

جائز ہے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ارواح مجرّدہ کو ایسی قدرت عطا کرے کہ اُن سے افعال اجسام صادر ہوں اسی قبیلہ سے ہے وہ جو بعض اکابر نے اپنے افعال شاقہ سے خبر دی ہے جو اُن سے اُن کے وجودِ عنصری میں آنے سے زمانہائے دراز پہلے صادر ہوئے۔ ان افعال کا صدور ان کی ارواح مجرّدہ سے ہوا تھا اور انہیں اس

معنی پر اطلاع وجود عنصری میں آنے کے بعد حاصل[1] ہوئی۔

ایک گروہ کو اس طرح کے افعال کا صدور تناسخ کے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ حاشا وکلا کہ کسی اور جسم نے ان کی روح سے تعلق قائم کیا ہو۔ مجرد روح ہی ہے جو قدرت خداوندی جل سلطانہٗ سے بدن کا کام کرتی ہے اور کج رو لوگوں کو ضلالت و گمراہی میں ڈال دیتی ہے اس مقام میں گفتگو کی بہت گنجائش ہے۔ اور بہت سی تحقیقات فائض ہوئی ہیں۔ اگر توفیق ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ ضبط تحریر میں لائی جائیں گی۔ فی الحال وقت نے مدد نہ کی۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ صاحب رشحات رشحات میں لکھتا ہے۔ کہ جب خواجہ علاؤ الدین[2] قدس سرہٗ نے مولانا نظام[3] خاموش سے ناراض ہو کر ان سے نسبت سلب کرنے کا ارادہ کیا تو مولانا نے اس وقت آنسرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت سے التجا کی اور حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حضرت خواجہ کو ارشاد ہوا کہ نظام الدین ہمارا ہے۔ کسی کو بھی اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ صاحب رشحات اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے کہ بڑھاپے میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے مولانا سے نسبت سلب کر لی۔ مولانا نے کہا۔ خواجہ نے ہم کو بوڑھا پا کر سب کچھ ہم سے لے لیا۔ اور آخر کار ہم کو مفلس کر دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالت علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کسی کو اپنا بنا لیں اور فرمائیں کہ کسی کو اس پر تصرف کی مجال نہیں۔ حضرت خواجہ احرار اس پر کیسے تصرف کر سکتے ہیں۔ (جواب) جان لیں کہ ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ اس نقل کو پسند نہیں کرتے اور مولانا کے سلب نسبت کے بارے میں توقف کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ مولانا سعد الدین کاشغری کے جو مولانا نظام الدین کے مرید ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن (جامی) وغیرہ بہت سے مرید ہیں اور کسی نے بھی اس نقل کے متعلق لب کشائی نہیں کی۔ اور اس کے رد و قبول کا تذکرہ نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین علی (صاحب رشحات نے یہ نقل کہاں سے لکھی ہے۔ اگر اس خبر میں صداقت ہوتی تو تواتر سے منقول ہوتی۔ کیونکہ اس طرح کی نقل کے بہت سے اسباب و ذرائع موجود تھے اور جب کہ تواتر سے منقول نہیں ہوئی بلکہ خبر واحد سے تو معلوم ہو گیا کہ اس کے سچا

---

[1] اولیاء اللہ اور بندگانِ خدا کے تصرفات کے منکر امام ربانی قدس سرہ کے اس عقیدہ کا غور و انصاف سے مطالعہ فرمائیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ میرا گمان ہے کہ پہلے انبیاء کی امتوں کے اولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وجودِ عنصری میں تشریف لانے سے قبل انکی روحانیت سے تربیت پا کر ولائت کے مقام پر فائز ہوتے رہے اللہ تعالیٰ بزرگوں کی سچی عقیدت و عظمت عطا کرے اور اس گروہ پاک کیساتھ اُٹھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ مترجم غفرلہٗ

[2] یعنی خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ آپ حضرت خواجہ بزرگ شاہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ کے مرید تھے۔

[3] مولانا نظام الدین قدس سرہٗ خواجہ علاؤ الدین قدس سرہٗ کے افضل و اکمل اصحاب سے تھے اور مولانا نے خواجہ بزرگ کی زیادت بھی کی تھی۔

ہونے میں شک وتردد ہے۔ اور صاحبِ رشحات کی بعض اور روایات بھی صدق وسچائی سے دور ہیں۔ اور اس بلند سلسلہ کے لوگ ان نقول وروایات میں تردد وشک رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

نیز ہمارے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ مفلس کر دینے کا لفظ سلبِ ایمان پر دلالت کرتا ہے (اللہ سبحانہٗ ہمیں اس سے بچائے) اور سلبِ ایمان کو جائز قرار دینا بہت مشکل[1] ہے۔

مکتوب نمبر (۲۹)

فضیلت پناہ شیخ عبدالحق[2] دہلوی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس دنیا کا بہترین سامان حزن واندوہ ہے۔ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمتیں الم ومصیبت ہیں۔

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہِ الذین اصطفیٰ۔ مخدوما مکرّما! مصائب کے وارد ہونے کے وقت اگرچہ رنج وتکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لیکن اس میں بہت سی عزت افزائیوں کی امید ہے۔ اس دنیا کا بہترین سامان حزن واندوہ اور اس دسترخوان کی گوارا ترین نعمت الم ومصیب ہے اِن شکر پاروں کو دوائے سلح کے باریک غلاف میں لپیٹا گیا ہے اور اس طرح ابتلا وامتحان کا راستہ کھولا گیا ہے۔ سعادت مند لوگ ان کی حلاوت ومٹھاس پر نظر کرتے ہوئے اس تلخی کو شکر کی مانند کھاتے ہیں۔ اور تلخی کو صفراء کے برعکس شیریں محسوس کرتے ہیں۔ دولتمند (صاحبِ بصیرت) لوگ محبوب کی دردرسانی میں اس قدر حلاوت ولذت پاتے ہیں کہ اُس کے انعام میں وہ لذت متصور نہیں۔ اگرچہ دردرسانی اور انعام دونوں محبوب کی طرف سے ہیں۔ تاہم دردرسانی میں محبّ کے نفس کے لئے کچھ حصہ نہیں اور انعام میں نفس کی مراد کا حصول بھی ہے۔

ھَنِیئًا لِاَرْبَابِ النَّعِیمِ نعیمھا۔ اے اللہ ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر۔ اور ان کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کر۔ آپ کا وجود شریف ضعفِ اسلام کے اس زمانے میں اہل اسلام کے لئے غنیمت ہے۔ اللہ سبحانہٗ تمہیں سلامتی وبقا عطا فرمائے۔ والسلام

---

[1] کیونکہ کسی کا ایمان سلب کرنے کی کوشش ایک ادنیٰ مسلمان سے بھی بُری حرکت ہے۔ اکابر دین سے ایسا واقع ہونا تو بہت ہی بعد از قیاس ہے۔

[2] شیخ وقت' مقتدائے زمان' عمدۃ المحدثین' صاحب المفاخر ابوالمجد حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے اعاظم خلفاء میں سے ہیں۔ اور مشہور مستند تصانیف کے مصنف ہیں۔ محرم الحرام ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۵۲ میں وصال فرمایا۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیاء" سے اور تاریخ رحلت "فخر العالم" کے لفظ سے نکلتی ہے۔

[3] نعمتوں والوں کو نعمتیں گوارا ہوں۔ (مآثر الکرام)

مکتوب نمبر (۳۰)

خواجہ محمد اشرف اور حاجی محمد فرکتی کی طرف صادر فرمایا:

ان کے خط کے جواب میں اور ان کے دو سوالوں کے جواب میں ایک نسبت رابطہ (تصور شیخ) اختیار کرنے اور دوسرا اپنے باطنی کام میں سستی کے بارے میں تھا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. الحمد اللہ و سلام علی عبادہِ الذین اصطفیٰ۔ صحیفہ گرامی جو دو عزیز اور اشرف بھائیوں نے ارسال کیا ہے موصول ہوا اور کیفیات احوال جو اس میں درج تھیں۔ پوری طرح نہیں معلوم ہوئیں۔ خواجہ محمد اشرف نے نسبتِ رابطہ (تصور شیخ) کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس حد تک غالب آ چکی ہے کہ نماز میں بھی اسے اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے۔ اور اگر فرضاً نفی کرے تو منتفی نہیں ہوتا۔ اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبان حق کی تمنا اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں سے شاید ایک کو نصیب ہوتی ہے اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحبِ استعداد اور تام المناسبت ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کر لے۔ رابطے (تصور شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود[1] الیہ ہے مسجود[2] الہٰ نہیں ہے۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو میسر آتا ہے۔ تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ (مرشد کامل) کو اپنا ذریعہ جانیں۔ اور تمام اوقات میں اس کی طرف متوجہ رہیں نہ اس بدنصیب گروہ کی طرف جو اپنے آپ کو (تصور شیخ سے) بے نیاز جانتا ہے۔ اور اپنے قبلہِ توجہ کو اپنے شیخ سے پھیر لیتا ہے۔ اور اپنے معاملے کو خراب اور تباہ کر دیتا ہے۔

دوسرے آپ نے اپنے فرزندوں کی والدہ کی وفات کا لکھا تھا۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' فاتحہ پڑھی گئی اور پڑھنے کی دوران قبولیت کا اثر معلوم ہوا۔

مولانا حاجی محمد نے اظہار کیا تھا کہ قریب دو ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ باطنی کام کی مشغولیت میں فتور اور سستی واقع ہو چکی ہے۔ اور وہ ذوق و حلاوت جو پہلے تھا اب نہیں ہے۔ دوستی کے طور طریقوں والے! غم کرنے کی

---

[1] سجدے کی جہت [2] جس کو سجدہ کیا جائے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔

[3] مسئلہ تصور شیخ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس خط سے واضح ہے۔ اِس خط کو غور و توجہ سے بار بار پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ نے تصور شیخ کو کس قدر اہمیت دی ہے اور تصورِ شیخ کا اعتقاد نہ رکھنے والوں کو بدنصیب قرار دیا ہے۔ مولوی غلام رسول مہر کے بیان کے مطابق سیّد احمد بریلوی مرشد مولوی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و صراط مستقیم نے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کو صاف کہہ دیا کہ تصور شیخ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ بدنصیب گروہ کے عقائد سے محفوظ رکھے۔ مترجم غفرلہٗ

ضرورت نہیں اگر دو چیزوں میں فتور نہ ہو۔ ایک صاحب شریعت علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات کی متابعت میں دوسرے اپنے شیخ کی محبت اور اخلاص میں۔ اِن دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں طاری ہو جائیں تو تب بھی ڈر کی بات نہیں آخر اسے ضائع نہیں کریں گے اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ' اِن دو میں سے کسی ایک میں نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور اور جمعیت کی حالت میں رہے کہ یہ استدراج ہے۔ آخر کار اس کا انجام خراب ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ سے گریہ وزاری کے ساتھ ان دو باتوں پر استقامت وثبات کی دعا کرتے رہیں کیونکہ یہی دو امر مدار کار اور مدار نجات ہیں آپ کو اور باقی تمام بھائیوں کو سلام علیکم خصوصاً محب قدیم مولانا عبدالغفور سمرقندی کو۔

مکتوب نمبر (۳۱)

وعظ ونصیحت میں خواجہ اشرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا:

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ فرزند عزیز! فرصت غنیمت ہے۔ چاہیے کہ بے فائدہ کاموں میں صرف نہ ہو۔ بلکہ فرصت کے سارے اوقات حق جل وعلا کی خوشنودی کے کاموں میں صرف ہونے چاہیں۔ نماز پنجگانہ جمعیت و جماعت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ اور نمازِ تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور سحری کے استغفار کو بھی رائیگاں نہ چھوڑیں اور خواب خرگوش سے لذت گیر نہ ہوں۔ اور فانی لذتوں پر بھی فریفتہ نہ ہوں۔ اور موت اور احوال آخرت کی یاد اپنا نصب العین بنائیں مختصر یہ کہ دنیا سے روگردان اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ اور دنیا میں بقدرِ ضرورت مشغول ہوں۔ اور سارے اوقات تیاری آخرت کے کاموں سے آباد رکھیں۔ حاصل کلام یہ کہ دل ماسوا کی گرفتاری سے آزاد ہونا چاہیے۔ اور ظاہر احکام شرعیہ سے مزین وآراستہ بننا چاہیے۔ کار ایں[1] ست وغیر ایں ہمہ ہیچ۔

باقی حالات بخیر ہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر (۳۲)

مرزا قلیج اللہ کی طرف صادر فرمایا:

اس کے عریضہ کے جواب میں جس میں اس نے اپنی باطنی جمعیت کی شکائت کی تھی اور اس کے مُناسب امور کے بیان میں:

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض کرتا ہے کہ صحیفہ شریفہ جو آپ نے ماتم پرسی کے بارے میں

[1] اصل کام صرف یہ ہے کہ باقی سب ہیچ ہے۔

لکھا تھا۔ موصول ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ' ہم اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے اس کی قضا پر راضی ہیں تم بھی راضی رہو اور دعا اور فاتحہ کے ذریعہ مدد و معاون بنے رہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری خلاصی کی خبر مسرت و فرحت کا باعث ہوئی ہے۔ اور دو تکلیف دہ باتوں میں سے ایک بات سے آرام حاصل ہو گیا۔ اس پر اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔

آپ نے جمعیت باطن کی شکایت تحریر کی ہے۔ ہاں باطن کے ردّ و بدل میں ظاہر کی پراگندگی کا بہت زیادہ داخل ہے۔ جب باطن میں کدورت اور میل کچیل پائیں تو اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کریں۔ اور کوئی خوفناک صورت ظاہر ہو تو کلمہ تمجید' لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ سے اسے دفع کریں اور معوذتین (سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا اس وقت میں تکرار غنیمت ہے۔ باقی حالات لائق تعریف و حمد ہیں۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ سبحانہٗ ہی کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ اور میں اللہ سبحانہٗ کے پاس اہل دوزخ کے حال سے پناہ مانگتا ہوں۔ فقیر پر کمزوری بدن کا اثر تھا اس بناء پر تفصیل سے حالات سپرد قلم نہیں کر سکا۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شاہراہِ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر چلنے میں استقامت عطا کرے۔ والسلام

مکتوب نمبر (۳۳)

مولانا محمد صالح کولابی کی طرف صادر فرمایا:

اِس بیان میں کہ محبوب تمام حالات میں محبّ کی نظر میں محبوب ہوتا ہے۔ چاہے انعام فرمائے چاہے درد و تکلیف میں مبتلا کرے۔ بلکہ تھوڑے سے اہل اللہ ایسے بھی ہیں کہ دردرسانی اُن کے لئے انعام سے زیادہ محبت بخش ہے اور حمد کی شکر پر فضیلت کا بیان اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

الحمد للّٰہ و سلام علی عِبَادِہِ الَّذین اصطفیٰ۔ اخوی' اعزی مولانا محمد صالح کو معلوم ہونا چاہیے کہ محبوب محبّ کی نگاہ میں بلکہ واقع میں ہر وقت محبوب ہی ہوتا ہے اور محبوب کے تمام حالات بھی محبوب ہوتے ہیں اگر درد و رنج میں مبتلا کرے تو بھی محبوب ہے اور اگر انعام و مہربانی فرمائے تب بھی محبوب ہے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک جو دولت محبت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ وقتِ انعام میں محبوب کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ درد و رنج عطا کرنے کی حالت کی نسبت یا دونوں وقت برابر ہوتے ہیں۔ لیکن بہت تھوڑی تعداد میں ایسے اہل اللہ بھی ہیں۔ جن کا معاملہ برعکس ہے۔ اُن کے نزدیک دردرسانی انعام کی نسبت زیادہ محبت بخش ہے۔ اس دولتِ عظمیٰ کا مقدمہ محبوب کے ساتھ حسن ظن ہے۔ حتیٰ کہ اگر محبوب محبّ کے گلے پر چھری چلائے اور اس کے ہر عضو کو دوسرے عضو

سے جدا کر دے تو بھی محب اس کاروائی کو اپنی عین بہتری جانے گا۔ اور اس میں اپنی بھلائی تصور کریگا اور جب حسن ظن کے حصول کی وجہ سے محبوب کی فعل کی ناپسندیدگی محب کی نظر سے اُٹھ گئی تو محبت ذاتی کی دولت سے جو حبیب رب العالمین علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے معرّا ہے مشرف ہوگیا۔ اور درد و رسانی میں انعام محبوب کی زیادہ لذت و فرحت پائی۔ میرا گمان ہے کہ یہ مقام مقامِ رضا سے اوپر ہے۔ کیونکہ رضا میں محبوب کے درد رسانی کے فعل کی ناپسندگی کا رفع ہے۔ اور اس میں درد رسانی کے فعل سے لذت گیر ہونا ہے۔ اس لئے کہ محبوب کی جانب سے جس قدر جفا بلند اور زیادہ ہوگی۔ محب کی جانب سے فرحت و سرور اور زیادہ ہوگا۔ اور ان دونوں مقاموں میں بہت فرق ہے۔ اور جب کہ محبوب محب کی نظر میں بلکہ نفس امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو لازماً ہر وقت اور ہر حال میں اس کی نظر میں بلکہ واقع اور نفس امر میں محمود اور ممدوح بھی ہوگا اور محب اس کی طرف سے درد رسانی اور انعام کی حالت میں اس کی مدح کرنے والا اور چنا خواں ہوگا۔ تو اس وقت اس محب صادق کے لئے درست ہوتا ہے کہ وہ صادق اور مصدوق کی حالت میں کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ یعنی سب تعریفیں ہر حال میں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اور یہ محب خوشی اور تکلیف کی حالت میں حقیقۃً اللہ سبحانہٗ کی حمد کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے۔ شاید حمد کو شکر پر فضیلیت اسی جہت سے ہے۔ کیونکہ شکر میں منعم کا انعام ملحوظ ہوتا ہے۔ جو صفت بلکہ فعل کی طرف رجوع کرتا ہے اور حمد میں محمود کا حسن و جمال ملحوظ ہوتا ہے۔ برابر ہے کہ وہ حسن و جمال ذاتی ہو یا وصفی یا فعلی۔ اور برابر ہے کہ اس کی طرف سے انعام ہو یا ایلام (درد رسانی) کیونکہ اللہ سبحانہٗ کا رنج میں ڈالنا بھی اس کے انعام کی طرح اچھا اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے حمد ثناء میں زیادہ بلیغ و مراتب حسن و جمال میں زیادہ جامع۔ اور خوشی اور غمی کی دونوں حالتوں میں زیادہ بقا رکھتی ہے۔ بخلاف شکر کے کہ وہ حمد کے مقابلہ میں کم درجہ ہونے کے باوجود جلد زائل ہونے والا اور انعام و احسان کے خاتمے کے ساتھ ختم اور معدوم ہوا جاتا ہے۔

سوال: تو نے اپنے بعض مکتوبات[1] میں لکھا ہے۔ کہ مقامِ رضا مقامِ محبت اور مقامِ حُب سے اوپر ہے۔ اور اس مکتوب میں لکھا ہے کہ یہ مقامِ محبت مقام رضا سے اوپر ہے۔ ان دو باتوں میں موافقت و مطابقت کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب: یہ مقام محبت اور مقامِ حُب اس مقام محبت و مقامِ حُبّ سے وراء ہے کیونکہ وہ مقام اجمالاً و تفصیلاً نسبتوں اور اعتبارات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس محبت کو محبت ذاتی کہتے ہیں۔ اور اس حُب کو حُب ذات تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ وصال شیون و اعتبارات سے قطع نظر نہیں ہے بخلاف اس مقام کے کہ یہ نسبتوں اور اعتبارات سے معرّا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور وہ جو بعض مکتوبات میں درج ہوا ہے۔ کہ مقام رضا سے اوپر کسی کے قدم رکھنے کی جگہ نہیں مگر خاتم الرسل علیہ علیہم وعلیٰ ال کل الصلوات والتسلیمات کے لئے۔ تو دراصل یہ اُس مقام سے عبارت ہے۔ جو حضور علیہ و

[1] یعنی دفتر دوم کے مکتوبات نمبر ۲ میں کہ اس مکتوب میں آپ نے فرمایا ہے "مرتبہ رضا فوق مرتبہ محبت ہے" الخ

علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم بحقائق الامور کلہا۔

جاننا چاہیے۔ کہ ظاہر میں کسی شے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا باطن میں رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں اور صورت کی تلخی حقیقت کی حلاوت کی نفی نہیں کرتی۔ اس لئے کہ عارف کامل کے ظاہر اور اس کی صورت کو صفاتِ بشریت پر ہی رہنے دیا گیا ہے تاکہ اس کے کمالات کی پردہ پوشی رہے اور لوگ کیلئے ابتلاء اور آزمائش پیدا کرے اور حق والا باطل والے سے ملا جلا رہے۔ عارف کامل کے ظاہر اور صورت کی اس کے باطن اور حقیقت کے ساتھ ایسی نسبت ہے۔ جیسے اکھیر اکپڑا پہننے والے سے نسبت رکھتا ہے اور یہ بات سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کپڑے کی پہننے والے شخص کے ساتھ کس قدر نسبت ہے (یعنی کپڑا بالکل ایک الگ چیز ہے اور پہننے والا ایک الگ شئی) یہی حال عارف کامل کے ظاہر کا اس کی حقیقت اور باطن کے سامنے ہے۔ عارف کامل کی اس ظاہری صورت کو بصیرت سے اندھے لوگ[2] بے جان پہاڑ اور اپنی مانند بے حقیقت صورتوں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اسی بناء پر اہل اللہ کے انکار میں مبتلا ہوتے اور محرومی حاصل کرتے ہیں۔ **والسّلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ۔**

مکتوب نمبر (۳۴)

نور محمد تہاری کی طرف صادر فرمایا:

اس کے عریضہ کے جواب میں جو اس نے مختلف احوال کے وارد ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔

اَلحمدُ لِلّٰہ وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ آپ کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے کثرت سے وارد ہونے والے احوال کے متعلق جو لکھا ہے۔ اس سے پوری طرح آگاہی ہوئی۔ جان لیں کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ جس طرح عالم میں داخل نہیں اس سے خارج بھی نہیں اور جس طرح عالم سے منفصل نہیں عالم کے ساتھ متصل بھی نہیں۔ وہ بلند ذات موجود ہے۔ لیکن یہ تمام صفات دخول، خروج اور اتصال وانفصال اس سبحانہٗ سے مسلوب ہیں۔ اس پاک ذات کو ان چاروں صفات سے خالی تلاش کرنا چاہیئے اور اس بلند ذات کو ان صفات سے باہر پانا چاہیے۔ اگر ان صفات کی کچھ بھی آمیزش موجود ہے تو پھر ظلال ومثال میں گرفتاری پائی جاتی ہے۔ لہٰذا بے چونی وبے چگونی کی صفت کیساتھ جس میں ظلیت کی گرد تک نہ ہو۔ اس بلند ذات کو طلب وتلاش کرنا چاہیے۔ اور اس مرتبہ کے ساتھ بے چینی اور بے کیفی کی اتصال پیدا کرنا چاہیے۔ یہ دولت شیخ کامل مکمل کی

---

[2] انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو اپنی مثل جاننے اور رٹ لگانے والے لوگ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق بصیرت سے اندھے ہیں اور ان کے فیض وبرکت سے اپنی اس کور باطنی کو وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ادب واحترام کی توفیق عطا کرے۔ مترجم غفرلہٗ

صحبت کا نتیجہ ہے۔ کہنے اور لکھنے سے یہ بات درست نہیں ہوتی۔ اور اگر لکھے تو کون سمجھے گا۔ اور کون پائے گا۔ اپنے کام میں سرگرم رہیں اور ملاقات کے وقت تک احوال کی کیفیات لکھتے رہیں۔

والسّلام

مکتوب نمبر (۳۵)

پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا:

اس کے ان استفسارات کے جواب میں جو اس نے بطرز خاص توحید اور عین الیقین کے متعلق کئے تھے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات جناب مخدوم زادہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے بہت ہی فرحت حاصل ہوئی۔ اس مکتوب میں نسبت کے شمول اور حضور اور غلبہ کا اندراج کیا تھا۔ یہ حالت بہت نیک اور مبارک ہے۔ یہ دولت جو آپ کو تین ماہ کے عرصہ میں میسر آئی ہے۔ دوسرے سلسلوں میں اگر دس سال میں بھی میسر ہو جائے تو اُسے دولت عظمیٰ اور عظیم کام تصور کرتے ہیں۔ اس نعمت کا شکر بجالانا چاہیے اور جب کہ یہ فقیر جانتا ہے کہ آپ کی فطرت بلند ہے۔ اور اس قسم کے احوال کی تحسین اور مدح سے شائبہ عجب وخود پسندی سے مبراء ہیں۔ اس بنا پر اس نعمت کا اظہار کیا گیا ہے۔

لَئِنْ[1] شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ط اگر تم لوگ شکر گزار بنو گے تو میں بالضرور تمہیں زیادہ نعمتیں عطا کروں گا۔

نص قطعی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ توحید کی ابتداء کا ظہور شروع ہو گیا ہے۔ یہ دولت بھی مبارک ہو۔ اِس نئی وارد ہونے والی نعمت کو ادب سے قبول فرمائیں۔ لیکن اس حال کے غلبہ میں آداب شرعیہ کی خوب رعائت کریں اور حقوقِ بندگی کما حقہٗ ادا کرتے رہیں۔ اور جان لیں کہ صدق وصحت کی صورت میں یہ شعبدہ محبوب کی محبت کے غلبہ کے باعث ہے کیونکہ محبّ جو کچھ دیکھتا اور جانتا ہے محبوب کو ہی دیکھتا اور جانتا ہے اور جس سے بھی لذت و ذوق پذیر ہوتا ہے اُسے محبوب کی طرف ہی منسوب کرتا ہے۔ اس صورت میں محبّ کا مشہود کثرت ہے۔ لیکن وحدت کے عنوان میں اس لئے اس مقام میں فنا متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ شہود واحد کے غلبہ کے واسطہ سے فنا میں شہودِ کثرت بالکل رفع ہو جاتا ہے۔ اس کو بھی کثرتِ ممکنات کے عدم شہود کی نسبت سے فنا کا نام دیدیتے ہیں۔ حقیقی فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے۔ جب کہ اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کی کثرت بھی مکمل طور پر نظر سے پوشیدہ ہو جائے۔ اور اس بلند ذات کی مجرد احدیت کے سوا کوئی چیز ملحوظ ومنظور نہ رہے۔ سیر الی اللہ کی پوری حقیقت یہاں آ

[1] سورہ ابراہیم۔ پارہ وَمَا اُبَرِّئُ

کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور ظلال کی گرفتاری سے بالکلیۃ آزادی کی صورت یہاں پیدا ہوتی ہے اور اس وقت معاملہ اصل اصول سے جانا پڑتا ہے۔ اور دال سے مدلول تص پہنچ جاتا ہے اور علم سے عین اور گوش سے آغوش تک عروج حاصل ہو جاتا ہے اور وصل عریاں متحقق و موجود ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح آگے عروج کرتا چلا جاتا ہے۔ رمز واشارہ کے بغیر اور وہ بھی مبہم طریقہ سے اور سر آستین میں چھپائے اس مقام کے بارے لب کشائی نہیں ہو سکتی۔ مخدوم زادہ ہم سے عین الیقین کی وضاحت طلب کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ عین علم میں سما جائے۔ مشکل کام ہے کیا کرے اور کیا کہے اور اس کی کس طرح وضاحت کرے۔ اور عقل میں لائے۔ امید ہے کہ مخدوم زادہ صاحب از راہِ کرم معذور قرار دیں گے۔ اور طلبِ علم سے طلبِ حال کی طرف آئیں گے۔

مخدوم زادہ صاحب نے جو دو سوال کئے ہیں ان کی بلند فطرتی کی خبر دیتے ہیں۔ ایک سوال بطرز خاص عین الیقین کے بیان سے معلق تھا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور دوسرا سوال متشابہات قرآنی کی تاویل کے بیان سے متعلق تھا۔ جن کا علم علمائے راسخین کا حصہ ہے۔ دوسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے بھی زیادہ دقیق' زیادہ پوشیدہ اور اور پوشیدہ رکھنے کے لائق ہے اور ظہور و اظہار کے منافی۔

تاویل متشابہات کا علم ان معاملات سے کنایات میں جو رسل علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور امتیوں میں سے بہت ہی قلیل افراد کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس علم سے حصہ عطا کرتے ہیں۔ اور اس دنیا میں ان امتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا صرف نقاب اٹھاتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بہت بڑا گروہ تبعیت کے طور پر امتیوں میں سے اس دولت سے بہرہ ور ہوگا۔ اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں ان قلیل کے علاوہ بعض دوسروں کو بھی روا ہے کہ اس دولت سے مشرف کریں لیکن حقیقت معاملہ کا علم عطا نہیں کرتے اور تاویل کو منکشف نہیں کرتے۔ بالجملہ جائز ہے کہ متشابہات کی تاویل ان بعض کو حاصل ہو۔ لیکن نہیں جانتا کہ کیا حاصل ہے۔ کیونکہ متشابہات جو معاملات سے کنایات و اشارات ہیں۔ روا ہے کہ معاملہ تو حاصل ہو اور اس معاملہ سے علم حاصل نہ ہو۔ فقیر نے اس معنی کا اپنے خادموں میں بھی مشاہدہ کیا ہے۔ دوسروں کی یہاں کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ تمہارے سوال نے اس معاملہ کا امیدوار بنا دیا ہے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے نور کو مکمل کر اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر (۳۶)

خواجہ محمد تقی کی طرف صادر فرمایا:

امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کی حقیقت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اہل سنت ہی اعتدال پر ہیں۔ اور اس افراط و تفریط کے بیان مین جو روافض و

خوارج نے اختیار کی ہے اور حضور ﷺ کے اہل بیت کی مدح وثنا اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم. بعد الحمد و الصّلوۃ و تبلیغ الدعوات ۔عرض کرتا ہے کہ درویشوں سے محبت اُن سے ارتباط والفت' اس بلند گروہ کی باتیں غور سے سننے کی رغبت اور پاکیزہ طبقہ کے اوضاع واطوار کے طرف میلان رکھنا خداوند ظل سلطانہ' کی عظیم وجلیل نعمتوں میں سے ہے اور خدا تعالیٰ کی اعظم دولتوں میں سے۔ مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ''انسان اُن کے ساتھ ہوگا جن سے اُسے محبت تھی''

پس ان کا محبت ان کے ساتھ ہے اور حریم قرب کے حرم میں ان کا طفیلی ۔توفیق آثار سعادت اطوار فرزندی' خواجہ شرف الدین حسین نے ظاہر کیا ہے کہ یہ اوصاف حمیدہ آپ میں پراگندہ تعلقات کے باوجود جمع ہیں اور پسندیدہ معانی بے فائدہ کاموں میں گرفتاری کے باوجود جناب میں موجود ہیں اس میں اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ آپ کی اصلاح اور درستی جماعت عظیم کی صلاح اور درستی ہے اور آپ کی فلاح وکامیابی جمع کثیر کی فلاح وکامیابی کو مستلزم ہے۔ خواجہ شرف الدین حسین نے بتایا تھا کہ آپ میری باتوں سے آشنا ہیں اور میرے علوم کو کان لگا کر سننے کی رغبت رکھتے ہیں اور چند کلمات میں آپ کی جناب میں لکھوں تو بہتر ہوگا۔ لہٰذا التماس کرنے والے کی بات مانتے ہوئے چند کلمات لکھے گئے ہیں۔

آج کل امامت کی بحث بہت چھڑی ہوئی ہے اور ہر شخص اپنے گمان اور تخمینے سے باتیں کرنے میں مصروف ہے۔ اس لئے ضرورت کے مطابق اس بحث سے متعلق چند سطور لکھی گئی ہیں۔ اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفین کے مذاہب کے حقیقت بیان کی گئی ہے۔

نجات و بزرگی کے نشانات والے! اہل سنت و جماعت کی علامات سے ہے۔ شیخین (ابوبکر وعمر) کو فضیلت دینا اور حضور کے دو دامادوں (عثمان وعلی) سے محبت رکھنا۔ شیخین کو افضل جاننے کا عقیدہ جب کہ ختنین (عثمان وعلی) کی محبت کے ساتھ جمع ہو تو یہ اہل سنت و جماعت کے خصائص میں سے ہے۔ شیخین کو افضل قرار دینے کا عقیدہ صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اسے اکابر آئمہ نے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ ابوبکر وعمر کا باقی سب امت سے افضل ہونا قطعی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی تواتر سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اپنی خلافت وحکومت کے وقت ایک بہت بڑے گروہ میں فرمایا کہ ابوبکر وعمر اس امت میں سب سے افضل وبہتر ہیں۔ جیسا کہ امام ذہبی نے کہا ہے۔

اور امام بخاری نے روائیت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پیغمبر علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل وبہتر مرد ابوبکر ہیں پھر عمر پھر ایک اور شخص۔ اس پر آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے کہ ''ایک اور شخص'' آپ ہیں تو آپ نے فرمایا میں تو مسلمان مردوں میں سے ایک مرد ہوں۔

مختصر یہ کہ شیخین کی تفضیل کثیر اور معتبر راویوں سے شہرت وتواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار یا ازراہِ جہالت ہے یا ازراہ تعصب اور عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال و جرأت نہ کر سکا تو بے اختیار تفضیل شیخین کا قائل ہوا۔ اور کہنے لگا۔ جب علی نے شیخین کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے تو میں بھی اس کے فضیلت دینے سے اس پر ان کی فضیلت دیتا ہوں۔ اور اگر علی تفضیل شیخین کے قائل نہ ہوتے تو میں بھی ان کی افضیلت کا قائل نہ ہوتا۔ یہ گناہ ہے کہ محبت علی کا دعویٰ کروں اور پھر اس کی مخالفت کروں۔

اور جب زمانہ خلافتِ ختنین (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے امور میں خلل بہت زیادہ پیدا ہو چکا تھا اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں بے حد کدورت اور مسلمانوں میں عداوت و کینے کا غلبہ ہو چکا تھا۔ اس ضرورت کے تحت ختنین کی محبت کو بھی اہل سنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا جانے لگا تا کہ کوئی جاہل اس راستے سے خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام کے ساتھ بدظنی کا راستہ نہ نکال سکے۔ اور پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بُغض وعداوت کی راہ ہموار نہ کرے۔ پس حضرت امیر (علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی محبت اہل سنت و جماعت ہونے کی شرط لازم قرار پائی۔ اور جو شخص اس محبت سے خالی ہے اہل سنت و جماعۃ سے خارج ہے اور خارجی کے نام سے موسوم ہے اور جس شخص نے محبت امیر میں جانب افراط اختیار کی اور جتنا چاہیے اس سے زیادہ کچھ کا قائل ہوا۔ اور اس محبت میں غلو سے کام لیا اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دشنام طرازی اور طعن وتشنیع کی زبان دراز کی اور صحابہ کرام' تابعین' عظام اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کو چھوڑا اس نے رافضی نام پایا۔ پس اہل سنت و جماعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں اس افراط وتفریط سے جو روافض وخوارج نے اختیار کی الگ ہیں۔ اور اعتدال کی راہ چلتے ہیں۔ اور شک نہیں کہ حق افراط وتفریط کے درمیان ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا کہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے علی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ ہے کہ یہود اس کے دشمن ہوئے یہاں تک کہ اس کی والدہ پر بہتان تراشی کی اور نصاریٰ اس کے یہاں تک دوست ہوئے اور اُسے اس حد تک نیچے لے آئے کہ اُس وہ مرتبہ دے دیا جو اس کا نہیں تھا یعنی ابن اللہ قرار دے دیا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا کہ میرے متعلق عقیدے میں دو گروہ ہلاک اور تباہ ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو میری محبت میں حد سے بڑھ گیا۔ اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کیا اور دوسرا وہ جس نے مجھ سے دشمنی کی اور عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کی۔ تو خوارج کے احوال کو آپ نے یہود سے تشبیہ دی اور نصاریٰ کے حال کو روافض سے کہ دونوں حقِ وسط سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و جماعۃ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے محبوں میں سے نہ جانتا ہو۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی محبت کو شیعوں کے ساتھ

مخصوص رکھتا ہو۔ حضرت علی کی محبت شیعیت نہیں ہے۔ خلفاء ثلثہ کی شان میں تبرا بازی رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزاری مذموم و قابلِ ملامت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

لَوْ کَانَ رَفْضاً حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضٌ

یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رفض نہیں جیسا کہ لوگوں کا گمان ہے اور اگر اسی محبت کا نام رفض ہے تو پھر اس طرح کا رفض مذموم نہیں ہے۔ اِس لئے رفض (مذموم) دوسروں کی تبرّیٰ بازی کی راہ سے آتا ہے۔ نہ کہ اہل بیت کی محبت کی راہ سے پس رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے محب اہل سنّت ہیں اور فی الحقیقت اہل بیت کا گروہ بھی یہی لوگ ہیں۔ شیعہ جو رسول اللہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل بیت کا گروہ تصور کرتے ہیں۔ اگر اہل بیت کی محبت پر ہی اکتفا کریں اور دوسرے صحابہ سے بیزاری کا اظہار نہ کریں اور تمام اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و توقیر کریں تو یہ درست ہے اور صحابہ کرام کے باہمی اختلافات و تنازعات کو اچھے معانی پر محمول کریں تو اہل سنت میں داخل ہیں اور روافض و خوارج سے باہر ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کرام سے محبت نہ رکھنا خروج یعنی خارجی بنتا ہے اور صحابہ سے بیزاری رفض ہے اور تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ اہل بیت سے محبت رکھنا سنیت ہے۔ مختصر یہ کہ رفض و خروج کی بنا اصحاب رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے بغض رکھنے پر ہے اور سنّیت کی بنا صحابہ رسول علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات سے محبت پر۔ صاحبِ انصاف عقلمند ہرگز بغض صحابہ کو ان کی حُب پر ترجیح دے سکتا۔ اور پیغمبر علیہ السّلام سے دوستی کی وجہ سے سب کو دوست رکھے گا۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ (الحدیث)

جو شخص میرے صحابہ کرام سے محبت رکھتا ہے وہ دراصل مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض و عداوت رکھتا ہے وہ دراصل محمد سے بغض عداوت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اہل سنت کے حق میں عدم محبت اہل بیت کا کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزو ایمان ہے اور سلامتی خاتمہ کو اس محبت کی پختگی کے ساتھ انہوں نے وابستہ کیا ہے۔

اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے۔ اکثر اوقات اہل بیت سے محبت رکھنے

ا اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا رفض ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے لہٰذا اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ ان کی مرضِ موت میں یہ فقیر حاضر و موجود تھا۔ جب ان کا معاملہ آخر وقت کو پہنچا۔ اس جہان کا شعور و احساس کم رہ گیا تو فقیر نے اس وقت ان کو ان کی بات یاد دلائی۔ اور اس محبت کے متعلق استفسار کیا آپ نے اس بے خودی کے عالم میں فرمایا۔ مَیں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں۔ اس وقت خدائے عزّ وجل کا شکر بجالایا گیا۔ اہل بیت کی محبت اہل اسنت کا سرمایہ ہے۔ مخالفین اہل سنت اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اور اس متوسط و معتدل محبت سے جاہل ہیں۔ انہوں نے خود ہی جانب افراط اختیار کی ہے۔ پھر اس افراط کے ماوراء کو تفریط گمان کرتے ہوئے خروج کا حکم دے دیا ہے۔ اور اُسے خوارج کا مذہب قرار دیدیا ہے۔ انہوں نے یہ نہ جانا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط ہے۔ جو مرکز حق اور جائے صدق ہے اور یہ اہل سنت ہی کا حصہ قرار پا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول کرے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت نے قتل کیا اور اہل بیت کے دشمنوں کی بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام و نشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ مگر یہ لوگ اپنے زعم فاسد سے اہل بیت کا محب رفضہ کو تصور کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے کہ کبھی تو اہل سنت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں جو افراطِ محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفس محبت کا احساس کرتے ہوئے انھیں روافض سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان رافضیوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اہل سنت کے اولیاء عظام کو جو اہل بیت کی محبت کا دم بھرتے ہیں در آل محمد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی حُب کا اظہار کرتے ہیں' روافض میں گمان کرتے ہیں۔ اور اہل سنت میں سے بہت سے علماء کرام کو جو اس محبت میں افراط سے روکتے ہیں اور حضرات خلفاء ثلٰثہ کی تعظیم و توقیر میں کوشش کرتے ہیں' خارجی جانتے ہیں۔ ان کی نامناسب جرأتوں پر افسوس ہزار افسوس۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت میں افراط و تفریط سے بچائے۔

یہ افراطِ محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلفاءِ ثلٰثہ وغیرہم سے بیزاری و نفرت کو حضرت امیر کی محبت کی شرط قرار دیتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ کیا محبت ہے جس کے حصول کی شرط پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری ہو۔ اور اصحابِ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کو دشنام طرازی اور اُن پر لعن طعن ہو۔ اہل سنّت کا یہی گناہ ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات کے سب صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوات و التسلیمات کی تعظیم و توقیر بھی بجالاتے ہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی ان کی باہمی مخالفتوں اور تنازعات کے باوجود بُرائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور صحبتِ پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم اور اُن کے حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی ہونے کی عزّت کی بناء پر انھیں خواہش اور تعصب سے دور جانتے ہیں۔ حق والے کو حق پر تسلیم کرتے ہیں اور غلط کو غلط کہتے ہیں لیکن اس کی غلطی کو ہوا و ہوس سے دور رکھتے ہیں۔ اور فکر و اجتہاد کے سپرد

کرتے ہیں۔ روافض اہل سنت سے اس وقت خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے صحابہ کرام سے بیزاری دکھائیں اور ان کا اکابر دین سے بدگمان ہو جائیں۔ جس طرح خوارج کی خوشنودی اہل بیت سے عداوت اور آل محمد علیہ وعلیہم الصلوات والبرکات کے ساتھ بُغض رکھنے سے وابستہ ہے۔ اسے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تُو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

اکابر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کے نزدیک اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات آپس میں لڑائیوں اور جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک جماعت دلیل اور اجتہاد کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حق پر ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دوسری جماعت دلیل واجتہاد کے ساتھ آپ کے مخالفین کو حق پر تصور کرتی تھی اور تیسری جماعت اس بارے میں متوقف تھی۔ اور اس نے کبھی بھی جانب کو دلیل سے ترجیح نہ دی۔ پس پہلی جماعت پر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کی مدد ونصرت ضروری تھی کیونکہ وہ ان کے اجتہاد کے موافق درستی پر تھے۔ اور گروہ پر حضرت امیر رضی اللہ عنہٗ کے مخالف گروہ کی نصرت لازم تھی۔ کیونکہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا اور تیسرے گروہ کیلئے توقف کا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا اور کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خطا میں داخل تھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ اور جو کچھ ان پر لازم وضروری تھا بجالائے۔ لہٰذا ملامت کی کیا گنجائش ہے اور ان پر طعن وتشنیع کہاں مناسب ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے" یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو ہمیں چاہیئے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں" اِس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کے حق ہونے اور دوسرے کے خطا پر ہونے کے متعلق بھی لب کشائی نہیں کرنی چاہیئے اور سب کو صرف نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔

اور اسی طرح حدیث نبوی علیہ وعلیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسّلام میں آیا ہے۔

[1] اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا۔ جب میرے اصحاب کا ذکر کرو۔ تو اپنی زبانوں کو بند رکھو۔

یعنی جب میرے صحابہ کا ذکر ہو اور ان کے تنازعات کے تذکرے چھڑیں تو تم احتیاط کرو۔ اور انھیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو۔

لیکن جمہور اہل سنّت اس دلیل کی بناء پر جو انھیں معلوم ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حق حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا چونکہ خطا اجتہادی ہے اس لئے ملامت وطعن سے دو

[1] عبرانی بروایت مسعود وثوبان رضی اللہ عنہما اور ابن عدی بروایت عمر رضی اللہ عنہٗ

اور تشنیع وتحقیر سے پاک ومبرّا ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے وہ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ انھیں تاویل کی گنجائش حاصل ہے جو انھیں کفر وفسق سے بچاتی ہے۔ پس اہل سنت اور شیعہ دونوں حضرات امیر سے لڑنے والوں کو خطا کار کہتے ہیں۔ اور دونوں ہی حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حقیقت کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اہل سنت لفظ خطا اور وہ بھی تاویل پر مبنی سے زیادہ حضرت امیر سے لڑنے والوں کے حق میں کچھ تجویز نہیں کرتے۔ اور زبان کو طعن وتشنیع سے بچاتے ہیں۔ اور صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے حق میں حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

[2] اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضاً بَعْدِیْ " — میں تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنانا۔

یعنی میرے صحابہ کے بارے میں خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ خدا جل سلطانہٗ سے ڈرو۔ تاکید کی غرض سے یہ کلمہ آپ نے تکرار سے فرمایا۔ میرے صحابہ کو اپنی ملامت کے تیر کا نشانہ بنانا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اھْتَدَیْتُمْ۔ — میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے۔ ہدائت پاؤ گے۔

اور بھی بہت سی احادیث تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتوقیر میں وارد ہوئی ہیں۔ پس تمام صحابہ کو معزز ومکرّم جاننا چاہیے۔ اور ان کی لغزشوں کو اچھے مطالب پر محمول کرنا چاہیئے۔ یہ ہے اس مسئلہ میں اہل سنت کا مذہب۔ اور شیعہ اس باب میں غلو کرتے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جنگ کرنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور قسم قسم کی طعن وتشنیع اور مختلف گالیوں سے اپنی زبانوں کو آلودہ کرتے ہیں۔ اگر مقصود حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی جانب حقیقت کا اظہار اور جنگ کرنے والوں کی خطا کا اظہار ہے۔ تو پھر اس مقصد کے لئے اہل سُنّت نے جو موقف اختیار کیا ہے۔ کافی ہے۔ اور وہ حدِ عدالت واعتدال ہے۔ اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن وتشنیع کرنا دیانت اور دینداری سے دُور ہے جیسا کہ رافضیوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور اصحابِ پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو گالیاں دینا انہوں نے اپنا دین وایمان قرار دے رکھا ہے۔ عجب دین ہے۔ کہ اصحاب وجانشینان پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو گالی دینا ان کا جزو اعظم ہے۔

بدعتی گروہ جنہوں نے مختلف بدعات اختیار کی ہیں۔ اور اہل سنت سے جدا ہوئے ہیں۔ ان تمام گروہوں کے درمیان فرقہ خوارج وروافض درست معاملہ اور حق سے دور جا پڑے ہیں۔ وہ گروہ جو اکابر دین کو گالیاں دینا اور طعن کرن ایمان کا جزوِ اعظم تصور کرتا ہو ایمان سے کیا حصہ رکھے گا۔ روافض کے بارہ فرقے ہیں۔

---

[2] ترمذی شریف

اور سب کے سب اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تکفیر کرتے اور خلفاء راشدین کو گالی دینا عبادت جانتے ہیں۔ یہ جماعت اپنے اوپر لفظ رفض کے اطلاق سے گریز کرتی ہے۔ اور روافض اپنے سوا اوروں کو قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ روافض کے حق میں احادیث کے اندر بہت وعیدیں وارد ہیں۔ کاش کہ رفض کے معنی سے بھی اجتناب کرتے۔ اور اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات سے بیزاری اختیار نہ کرتے۔ ہندوستان کے ہندو اپنے آپ کو ہندو کہتے ہیں۔ اور لفظ کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے۔ اور کفار دارالحرب میں رہنے والوں کو گمان کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ دونوں قسمیں کفار ہیں۔ اور حقیقت کفر سے موصوف۔

اِن رافضیوں نے شاید پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے اہل بیت کو اپنی طرح سمجھ رکھا ہے۔ اور انھیں بھی ابوبکر وعمر کا دشمن خیال کرلیا ہے۔ اور اس گروہ شیعہ نے تقیہ کے مطابق جو ان کا مسلک ہے۔ اہل بیت کو بھی منافق اور دھوکا باز گمان کرتے ہیں۔ اور اعتقاد کیا ہوا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس سال تقیہ کے طور پر خلفاء ثلٰثہ سے منافقانہ طریقہ سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہے ہیں۔ اور ناحق ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں۔ عجب معاملہ ہے۔ اگر اہل بیت رسول کی محبت رسول پاک علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے محبت کیوجہ سے تو چاہیئے کہ رسول کے دشمنوں سے بھی دشمنی رکھیں۔ اور انھیں گالی اور ان پر لعنت اہل بیت کے دشمنوں کو گالی دینے اور ان پر لعنت سے زیادہ کریں۔ ابوجہل کے بارے میں جو دشمن رسول ہے۔ ''علیہ الصلوات والتسلیمات'' اور انواع واقسام کے آزار اور بے شمار زیادتیاں آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام سے کہیں اس گروہ شیعہ سے کسی نے نہیں سُنا ہے کہ اُسے گالی دی ہو اور لعنت کی ہو۔ اور اس کی برائیاں بیان کرنے میں لب کشائی کی ہو ابوبکر صدیق کو جو رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کو تمام مردوں سے زیادہ پیارے تھے۔ اپنے زعمِ فاسدِ میں دشمن اہل بیت قرار دے کر اس کی شان میں سَبّ وطعن سے زبان درازی کرتے اور نامناسب اُمور اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کیا دیانت اور دینداری ہے۔ خدا ظلّ شانہٗ نہ کرے کہ ابوبکر وعمر اور باقی صحابہ کرام اہل بیت رسول علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے دشمن ہوں۔ اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھیں کاش کہ یہ اہل بیت کے دشمنوں کو گالیاں دیتے اور اس مذموم فعل کے لئے اکابر صحابہ کرام کے اسماء گرامی منتخب نہ کرتے۔ اور ان بزرگوں سے بدظنی پیدا نہ کرتے۔ اس صورت میں اس باب میں ان کی مخالفت اہل سُنّت سے ختم ہو جاتی۔ کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ اور اُن کی طعن وتشنیع کے قائل ہیں۔

یہ اہل سُنّت کی خوبی ہے۔ کہ شخص معین کو جو انواع کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام وتوجہ کے احتمال سے دوزخی نہیں کہتے۔ اور لعنت کا اطلاق اس کے لئے جائز قرار نہیں دیتے۔ کافروں پر عموماً لعنت جائز سمجھتے ہیں لیکن کسی معین کافر پر اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں رکھتے۔ جب تک اس کا سوءِ خاتمہ دلیل قطعی سے معلوم نہ ہو جائے۔

اور روافض بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لعنت کرتے اور اکابر صحابہ کی گالیوں اور طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو راہِ راست اختیار کرنے کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام پر اہل سُنّت اور مخالفین میں اختلاف عظیم پایا جاتا ہے۔ مقام اوّل یہ ہے۔ اہل سُنّت چاروں خلفاء کی خلافت کے حق اور درست ہونے کے قائل ہیں۔ اور چاروں کو خلفاءِ برحق جانتے ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں جو غیب کی خبروں میں سے ہے آیا ہے[1]

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً۔ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی۔

اور یہ مدت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ لہٰذا اِس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں۔ اور اس حدیث کے مطابق ترتیب خلافت بھی برحق قرار پاتی ہے۔ اور مخالفین تین خلفاء کی خلافت کی حقیقت کے منکر ہیں۔ اور ان کی خلافت کو غصب وغلبہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور امامِ برحق صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو تصور کرتے ہیں۔ اور آپ نے جو تین خلفاء کی بیعت کی۔ اُسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور خیر الانام علیہ وعلیٰ اصحابہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آپس کی صحبت و دوستی کو نفاق پر محمول کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مدارات ونرمی کو فریب اور دھوکا تصور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے گمان میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھی اُن کے مخالفین کے ساتھ محض منافقانہ طور دوستی اور تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا زبان سے اس کے خلاف ظاہر کرتے تھے۔ اور مخالفین بھی چونکہ اُن کے گمان میں حضرت امیر اور ان کے ساتھیوں کے دشمن تھے۔ اس لئے ان کی آشنائی بھی نفاق پر مبنی تھی۔ اور دشمنی کو دوستی کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے پس روافض کے گمان میں تمام صحابہ پیغمبر علیہ وعلیہم والصّلوات والتسلیمات منافق اور فریبی تھے۔ (معاذ اللہ) اور ان کا ظاہر اُن کے باطن کے برعکس تھا۔ تو چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس امّت کے بدترین لوگ صحابہ کرام ہوں۔ اور سب صحبتوں اور مجلسوں میں بدترین حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسّلام کی صحبت ومجلس ہو۔ کیونکہ یہ نفاق اور فریب وغیرہ جیسے بُرے اخلاق اسی مجلس سے پیدا ہوئے اور چاہیئے کہ تمام زمانوں میں سے بدترین صحابہ کا زمانہ ہو۔ جو نفاق، عداوت، بُغض، اور کینہ سے لبریز تھا حالانکہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اپنے کلام مجید میں اُنھیں رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (آپس میں شفیق اور مہربان) فرماتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ شیعوں کے بُرے اعتقادات سے بچائے۔

یہ لوگ جب سابقین امّت (صحابہ کرام) کو ان بُرے اخلاق سے متصف کرتے ہیں۔ تو متاخرین امت میں کیا بھلائی اور خیریت پائیں گے۔ اس گروہ نے شاید آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی جو صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم والصلوٰۃ والسّلام اور حضور کے صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصّلوات والسّلام کی افضلیت اور اس امّت کی خیریت وافضلیت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھیں یا اگر دیکھیں ہیں تو ان پر ایمان نہیں۔

---

[1] احمد، ترمذی اور ابوداؤد بروایت حضرت سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن واحادیث صحابہ کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جب صحابہ کرام مطعون ٹھہرے تو جو دین اُن کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون اور نا قابلِ اعتماد ہوگا۔ نعوذ باللہ سبحانہٗ من ذالک'' شاید اس گروہ کا مقصود حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے دین کا ابطال اور آپ کی شریعت کا انکار ہے۔ ظاہر میں رسول پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے اہل بیت سے اظہار محبت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں آپ کی شریعت کا ابطال کرتے ہیں۔ کاش کی حضرت علی اور ان کے موافقین کو ہی عیوب سے سالم رہنے دیتے۔ اور تقیہ کے داغ سے جو اہلِ مکر ونفاق کی صفات سے ہے۔ داغ دار نہ کرتے۔ موافقین امیر یا مخالفین امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے گروہ میں جس کی تیس برس آپس میں منافقانہ مجلس وصحبت رہی اور جنہوں نے اتنا طویل عرصہ مکر وفریب سے گذارا' کیا فضیلت واچھائی ان میں ہوگی۔ اور یہ لوگ کس طرح لائق اعتماد قرار پائیں گے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو جو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُن کے مطعون ہونے سے نصف احکام شرعیہ مطعون ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ علماءِ مجتہدین نے فرمایا ہے۔ کہ احکام سے متعلق جو تین ہزار احادیث وارد ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ جو سُنّت سے ثابت ہوئے ہیں۔ اِن تین ہزار میں سے پندرہ سو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ کی روایت سے ثابت ہوئے ہیں۔ پس ابو ہریرہ میں طعن نصف احکام شرعیہ میں طعن ہے۔ اور حضرت امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرنے والے آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔ جن میں ایک ابن عباس ہیں۔ اور ابن عمر بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح جابر ابن عبداللہ اور انس بن مالک بھی ان سے روائیت کرنے والوں میں ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ پر طعن میں جو حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ لوگ نقل کرتے ہیں۔ سراسر جھوٹ بہتان اور تہمت ہے۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے۔

اور حضرت سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ والصلوٰۃ والسّلام کی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے فہم علم کے بارے حدیث دُعا علماء میں مشہور ومعروف ہے۔

قَالَ اَبُوهُرَيْرَه حَضَرْتُ مَجْلِسًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَّبْسُطُ مِنْكُمْ رِدَاءَه' حَتّٰى اُفِيْضَ فِيْهِ مَقَالَتِيْ فَيَضُمُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ لَا يَنْسٰهَا فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ فَاَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَقَالَتَه' فَضَمَمْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ ۔ فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ شَيْئًا۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس شریف میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون ہے۔ جو اپنی چادر بچھائے تا کہ میں اس میں اپنی گفتگو (علم) ڈال دوں تو وہ اُسے اپنے ساتھ چمٹا لے پھر اُسے کبھی نہ بولے تو میں نے چادر بچھا دی۔ جو میرے اوپر تھی۔ تو حضور ﷺ نے اپنا کلام (علم) اس پر بہا دیا۔ پھر میں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

تو محض اپنے گمانِ (فاسد) سے دین کی بزرگ شخصیت کو حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کی شان مین لعن طعن کرنا انصاف سے دور ہے۔ یہ سب محبت میں حد سے بڑھنے کے شگوفے ہیں۔ ایسا کرنے والا نزدیک ہے کہ شائد ایمان کی رسی سے اپنا سر باہر نکال لے۔

اور اگر فرضاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی رکھا ہے۔ تو یہ لوگ حضرت امیر کے ان اقوال کے متعلق کیا کہیں گے۔ جو افضلیت شیخین میں اُن سے بطریقِ تواتر منقول ہیں۔ اسی طرح آپ کے ان کلمات قدسیہ کے بارے میں کیا کہیں گے۔ جو آپ سے اپنی خلافتِ و مملکت کے زمانے مین خلفاءِ ثلثہ کی حقیقتِ خلاف کے متعلق صادر ہوئے۔ کیونکہ تقیہ یہی ہے۔ کہ اپنی خلافت کی حقیقت چھپائے۔ اور تین خلفاء کی خلافت کا بطلان ظاہر نہ کرے۔ لیکن تینوں خلفاء کی حقیقت ظاہر کرنا اور افضلیت شیخین کا بیان اس تقیہ سے بالکل علیحدہ امر ہے۔ جس کے صدق وصواب کی کوئی صورت نہیں۔ اور تقیہ کی تاویل سے بھی اس کی تردید کی کوئی صورت نہیں۔

اور نیز صحاح کی احادیث جو درجہ شہرت بلکہ متواتر المعنی ہو چکی ہیں۔ اور حضرات خُلفاءِ ثلٰثہ وغیرہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان میں سے ایک گروہ کی جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اِن احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ کیونکہ حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تقیہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ پیغمبروں پر تبلیغ لازم ہے علیہم الصلوات والتسلیمات'

اور نیز آیاتِ قرآنی جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں۔ تقیے کی گنجائش نہیں رکھتیں۔ حضرت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ اس گروہ کو توفیق انصاف عطا کرے۔

اور اربابِ عقلِ سلیم جانتے ہیں۔ کہ تقیہ بُزدلی کی صفت ہے۔ اسد اللہ (علی) سے اُسے منسوب کرنا نامناسب ہے۔ بشریّت کے تقاضے کے مطابق ایک گھڑی یا دو گھڑی یا ایک دِن یا دو دِن کے لئے تقیے کی صفت جائز قرار دی جائے۔ تو گنجائش ہے۔ لیکن مسلسل تیس سال بزدلی کی اِس صفت کو اسد اللہ میں ثابت ماننا اور تقیہ پر قائم رکھنا بہت ہی نازیبا ہے۔ اور گناہ صغیرہ پر اصرار کو کبیرہ کہا گیا ہے۔ اربابِ مخالفت اور اصحاب نفاق کی صفات میں سے کسی صفت پر قیام اور اصرار کیسے روا ہوگا۔ کاش اس امر کی قباحت محسوس کریں۔ یہ لوگ شیخین کو افضل قرار دینے کے عقیدے سے بھاگے ہیں۔ جو (ان کے گمان میں) اہانتِ امیر کو مسلزم ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تقیہ کا عقیدہ اختیار کیا ہے۔ اگر تقیے کی صفت کی بُرائی کو جو اربابِ نفاق کی صفت سے ہے' سمجھتے تو ہرگز اُسے جائز نہ رکھتے۔ اور دو بلاؤں میں سے آسان تر کو اختیار کرتے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ شیخین کی تقدیم وافضلیت میں حضرت امیر کی کچھ اہانت نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر کی خلافت کا برحق ہونا اپنے حال پر قائم ہے۔ اور آپ کا درجہ ولائیت اور رتبہ ہدائت وارشاد بھی بحال رہتا ہے' کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

اور تقیے کے اثبات میں تنقیص وتوہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت اربابِ نفاق کے خصائص اور اصحابِ مکروفریب کے لوازم میں سے ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ اہل سنّت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم صحابہ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے آپس کے اختلافات اور تنازعات کو نیک معانی پر محمول کرتے اور خواہش نفسانی اور تعصب سے دُور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات میں پاک ہو چکے تھے۔ اور اُن کے سینے عداوت و کینہ سے بھی صاف ہو چکے تھے۔ غایت مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی ایک رائے اور اجتہاد تھا اور ہر ایک مجتہد کے لئے اپنی رائے کے مطابق عمل پیرا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ضرورتاً بعض امور میں مخالفت آراء کے سبب مخالفت ومشاخرت لازم ہوگئی۔ اور ہر ایک کیلئے اپنی رائے کی تقلید درست نظر آئی۔ پس ان کی آپس کی مخالفت حق کی موافقت کے لئے تھی نہ کہ خواہش اور نفس امّارہ کی ہوس کے باعث۔ اور مخالفین حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور لڑنے والوں کے حق میں انواع واقسام کی طعن وتشنیع جائز جانتے ہیں۔

جب کہ بعض اُمور اجتہادیہ میں صحابہ کرام نے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ والصلوات والتسلیمات سے اختلاف رائے کیا ہے۔ اور حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رائے مبارک کے خلاف حکم کیا ہے۔ اور ان کا وہ اختلاف مذموم وقابلِ ملامت نہ تھا۔ اور نزولِ وحی کے باوجود اس سے ممانعت نہ آئی۔ تو حضرت امیر کے ساتھ اُمور اجتہادیہ میں مخالفت کیسے کُفر قرار دی جاسکتی ہے۔ اور حضرت امیر کے مخالف کیوں مطعون اور لائق ملامت ہوں گے۔ حضرت امیر سے جنگ کرنے والا اہل اسلام کا جمِ غفیر ہے۔ جس میں اکابر صحابہ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جنہیں جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ ان کی تکفیر وتشنیع کوئی آسان کام نہیں بہت بڑی بات ہے۔ جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ نصف دین اور شریعت کے نزدیک ہے جس کی کی انہوں نے تبلیغ کی ہے۔ اگر وہ مطعون ہوں تو نصف دین سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔ اور یہ بزرگ کس طرح طعن وتشنیع کے لائق ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی کسی روائیت کو ردّ نہیں کیا۔ نہ کسی امیر نے نہ کسی وزیر نے۔

صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور شعیہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں (فقیر نے احمد تبتی سے جو اکابر شیعہ میں سے ہے سُنا ہے کہ وہ کہتا تھا۔ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب' کتابِ بخاری ہے)۔ اس کتاب میں حضرت امیر کے موافقین کی روایات بھی ہیں۔ اور آپ کے مخالفین کی بھی۔ اور مخالفت اور موافقت کی بناء پر کسی روایت کو مرجوع یا راجح نہیں سمجھا گیا۔ امام بخاری جس طرح حضرت امیر سے روایت کرتے ہیں معاویہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اگر حضرت معاویہ اور اس کی روایت مین طعن کا شائبہ بھی ہوتا۔ تو امام بخاری ہرگز اس کی روائیت اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ اسی طرح سلف میں جو احادیث کے ناقد گزرے

ہیں۔ کسی نے بھی اس وجہ سے روایت حدیث میں فرق نہیں کیا ہے۔ اور نہ مخالفت امیر کو منشاءِ طعن بنایا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ضروری نہیں کہ تمام اُمور خلافیہ میں حضرت امیر حق پر ہوں اور ان کا مخالف خطا پر۔ اگرچہ معاملہ جنگ میں حق حضرت امیر کی طرف تھا۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ زمانہ صحابہ کے اختلافی اُمور میں علماءِ تابعین اور آئمہ مجتہدین نے حضر امیر کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور حضرت امیر کے مذہب کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ اگر حق جانب امیر کے لئے ہی متعین و مقرر ہوتا تو اس کے مذہب کے خلاف فیصلہ نہ دیتے۔ قاضی شریح جو تابعین میں سے اور صاحبِ اجتہاد ہوئے ہیں۔ مذہب امیر کے مخالف فیصلہ کیا۔ اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی گواہی اُن کے بیٹا ہونے کی وجہ سے اُن کے حق میں قبول نہ کی۔ اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول کے مطابق عمل کیا ہے۔ اور بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں جائز تسلیم نہیں کی۔ اور بہت سے دوسرے مسائل میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ' کے سوا دوسروں کے اقوال اختیار کئے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ' کی رائے کے مخالف ہیں۔ انصاف سے تحقیق و تفتیش کرنیوالے پر یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ (اس بارے میں زیادہ کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں کیونکہ) اس کی تفصیل طوالت چاہتی ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہوا۔ کہ مخالفتِ امیر میں اعتراض کی گنجائش نہیں اور آپ کے مخالف طعن و ملامت کے لائق نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب ربّ العالمین کی محبوبہ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تالبِ قبر مقبول و منظورِ نظر رہیں۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام نے مرضِ موت کے ایام ان کے حجرہ شریفہ میں گذارے۔ اور ان کی گود میں جان دی۔ اور ان کے حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت صدیقہ عالمہ مجتہدہ تھیں۔ اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام نے نصف دین کے بیان کو اُن کے حوالے کیا اور صحابہ کرام مشکل احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور مشکل مسائل کا حل اُن سے پاتے تھے۔ اس طرح کی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت امیر کی مخالفت کی وجہ سے مطعون کرنا۔ اور ناشائستہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام پر ایمان رکھنے سے دور ہے۔ حضرت امیر اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے داماد ہیں اور آپ کے چچے کے بیٹے ہیں تو حضرت صدیقہ' حضور علیہ وعلیٰ جمیع اہل بیتہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کی زوجہ مطہرہ اور آپ کی محبوبہ اور مقبول بارگاہِ رسالت علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہیں۔

اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت یہ تھی۔ کہ اگر (ایصالِ ثواب کے لئے) کھانا پکاتا تھا۔ تو آلِ عبا کی روحانیت مطہرہ کے لئے مخصوص کرتا تھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ (ایصالِ ثواب میں)۔ حضرت امیر' حضرت فاطمہ' اور حضرات امامین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ملاتا تھا۔ ایک رات (یہ فقیر) خواب میں دیکھتا ہے کہ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام تشریف فرمائیں۔ فقیر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں کرتے اور چہرہ مبارک فقیر کی جانب کے بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اس دوران میں فقیر سے فرمایا کہ

میں کھانا عائشہ کے گھر میں کھاتا ہوں۔ جو شخص مجھے کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے اس وقت معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا۔ کہ فقیر حضرت صدیقہ کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت صدیقہ بلکہ آپ کی باقی ازواج مطہرات کو تمام اہل بیت کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہل بیت سے توسّل[1] کرتا ہے۔ پس جو رنج واذیت حضور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ کی راہ سے پہنچتی ہے۔ وہ اس رنج وایذا سے زیادہ ہے۔ جو حضرت امیر کی راہ سے آپ کو پہنچتی ہے۔ صاحب انصاف عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔

ہاں یہ بات اس صورت میں ہے۔ جب کہ حضرت امیر کی محبت وتعظیم حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وتعظیم اور آپ کے واسطہ قرابت کی وجہ سے ہو اور اگر کوئی شخص حضرت امیر کی محبت استقلالاً اختیار کرے۔ اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو دخل نہ دے تو وہ بحث سے خارج ہے اور خطاب کے لائق نہیں۔ ایسے شخص کی غرض دین کا ابطال اور شریعت کی ویرانی ہے۔ ایسا شخص چاہتا ہے کہ بے واسطہ پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام راہ اختیار کرے۔ اور محمد ﷺ کو چھوڑ کر علی کی طرف آ جائے۔ اور یہ عین کفر اور محض بے دینی ہے۔ اور علیؓ ایسے شخص سے بیزار اور اس کے کردار سے دکھ اور تکلیف میں ہے۔

صحابہ پیغمبر سے دوستی۔ آپ کے خسر اور دامادوں سے دوستی، پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے دوستی کے واسطہ سے ہے۔ اور ان کی تعظیم وتکریم پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے ہے۔ حضور علیہ وعلیٰ آلہ والصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

مَنْ اَحبھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ ط — جس نے ان (صحابہ) سے محبت کی۔ اس نے میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ (حدیث شریف)

اس طرح جو شخص اِن کا دشمن ہے۔ پیغمبر علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ سے اُن کا دشمن ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

مَنْ[1] اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ ط — جس نے اُن سے بُغض کیا۔ اس نے دراصل میرے ساتھ بُغض کی وجہ سے اُن سے بغض کیا۔

یعنی جو محبت میرے صحابہ کرام سے متعلق ہے۔ وہ وہی محبت ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ اِسی طرح

---

[1] اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اموات کو کھانے وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ نیز یہ کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا توسّل بھی جائز ہے۔ اس مسئلے میں امام ربانی اور فقہائے اہل سُنّت کے مسلک کی تفصیلی معلومات کے لئے ناچیز کی تالیف ''مسلک امام ربانی'' کا مطالعہ کریں۔

[1] ابن عساکر بروایت ابونضرۃ۔ حافظ سیوطی نے کہا ہے۔ کہ اس روایت کے رجال حدیث ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تشیید المبانی

ان سے بُغض وہی بُغض ہے۔ جو مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔

طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ان کی شان میں طعن و تشنیع نامناسب ہے۔ ان پر لعنت و ملامت خود لعنت و ملامت کرنیوالے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ اور زبیر وہی ہیں۔ کہ حضرت فاروق نے اپنے بعد خلافت کا معاملہ چھ افراد کے مشورہ پر چھوڑ دیا اور طلحہ اور زبیر کو بھی ان میں داخل کیا۔ اور آپ نے ایک دوسرے پر ترجیح کی کوئی واضح دلیل نہ پائی۔ اور طلحہ و زبیر نے اپنے اختیار سے اپنا حصہ خلافت چھوڑ دیا۔ اور ہر ایک نے تَرَکْتُ حَظِّیْ کہا (یعنی میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔ اور طلحہ وہی ہے۔ جس نے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بے ادبی کرنے کے جرم میں اپنے باپ کو قتل کر دیا۔ اور اس کا سر لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور قرآن میں اس فعل پر اس کی ثنا وارد ہوئی ہے۔ اور زبیر وہی ہے۔ کہ مخبرِ صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے قاتل کو دوزخ کی وعید سنائی۔ چنانچہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

قَاتِلُ زُبَیْرٍ فِی النَّارِ۔ زبیر کا قاتل دوزخ میں جائیگا۔

حضرت زبیر پر طعن ولعنت کرنے والا بُرائی میں آپ کے قاتل سے کم نہیں۔

تو اے مخاطب! میں تجھے کہتا ہوں۔ کہ اکابر دین اور کُبرائے اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر جنہوں نے کلمہ اسلام بلند کرنے اور سیّد انام علیہ السلام کی مدد و نُصرت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ اور رات دِن' پوشیدہ اور ظاہر دین کی تائید کے لئے اپنے اموال خرچ کئے اور حُبِّ رسول کی خاطر اپنے خاندان' اپنے قبیلے' اپنی اولاد' اپنی بیویاں' اپنے وطن' اپنے مکانات' اپنے چشمے' اپنی کھیتی باڑیاں اور اپنے درخت اور نہریں سب کچھ چھوڑ دیا۔ اور رسولِ پاک علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو اپنی ذوات پر ترجیح دی۔ اور اپنے اموال اَور اپنی اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت کو اختیار کیا۔ اور آپ کی صحبت میں برکات نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اور وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا۔ اور حضورِ ملائکہ سے بھی مشرف ہوئے۔ اور خوارق و معجزات دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین بن گیا۔ اور انھیں یقین کی وہ دولت عطا کی گئی جو بعد میں کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ دوسروں کے اُحد پہاڑ جتنے خرچ کئے ہوئے سونے کا ثواب صحابہ کے ایک سیر جو کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے نصف ثواب کے برابر ہو سکتا ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت و ثنا کی ہے۔ اور اللہ ان سے راضی ہو چکا۔ اور وہ اللہ سے۔ ایسا ہی ان کا حال تورات میں ہے۔ اور ایسا ہی حال انجیل میں مذکور ہے۔ یہ اس کھیتی کی مانند ہیں جس نے سبز گھاس اُگائی۔ پس اُسے قوی اور طاقتور کیا۔ پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کسان کو بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ تا کہ اللہ ان کے ساتھ کافروں کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ سے ناراض رہنے والوں کو کفار کہا ہے۔ اس لئے میں بار بار کہتا ہوں کہ صحابہ کرام سے بُغض رکھنے سے بالکل اسی طرح بچنا ضروری

ہے جس طرح کفر سے۔ ''واللہ سبحانہ الموفق''

جس جماعت نے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ اس طرح کی نسبت ہو۔ اور وہ آپ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی بارگاہ میں مقبول ومنظورِ نظر ہوں۔ اگر بعض معاملات میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں۔ اور ان کا ایک دوسرے سے تنازعہ ہو جائے۔ اور وہ اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کریں تو طعن اور اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ ایسے مقام میں اختلاف کرنا اور غیر کی رائے کی تقلید نہ کرنا حق وصواب ہے۔ امام ابو یوسف کے لئے درجہ اجتہاد پا لینے کے بعد امام بوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید خطا ہے۔ اور درست و صواب یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رائے کی تقلید کریں۔ امام شافعی صحابی کے قول کو اپنی رائے پر مقدم نہیں رکھتے۔ چاہیئے جو صحابی بھی ہو خواہ صدیق اکبر یا حضرت علی ہی ہوں۔ اور اپنی رائے پر عمل کرنے کی درست جانتے ہیں۔ اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہی ہو۔ جب مجتہد کے لئے صحابہ کرام کی رائے سے مخالفت کی گنجائش ہے۔ تو اگر صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کریں۔ تو کیوں مطعون قرار پائیں گے۔ یا ہم یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام نے اُمور اور اجتہادیہ میں آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے اختلاف کیا ہے۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی رائے مبارک کے خلاف نزولِ وحی کے باوجود حکم کیا ہے۔ لیکن وحی میں ان کی مذمت اور ان کے اختلاف پر مخالفت وارد نہیں ہوئی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ اگر یہ اختلاف حق جل شانہ کو ناپسند اور نامقبول ہوتا۔ تو ضرور اس سے روک دیا جاتا اور اختلاف کرنے والوں کے متعلق وعید نازل ہوتی۔ تم نہیں دیکھتے کہ جو لوگ آنسرور علیہ وعلی آلہ والصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے۔ کس سختی کے ساتھ انھیں آواز بلند کرنے سے روکا گیا۔ اور اس فعل پر وعید اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ط (سورۃ الحجرات پ ۲۶)	اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور نہ ان سے چلا کر بات کرو۔ جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تم چلا کر بات کرتے ہو۔ تاکہ تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔ اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں اختلاف عظیم واقع ہوا تھا۔ حضرت فاروق اور حضرت سعد بن معاذ نے ان قیدیوں کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ اور دوسرے حضرات نے ان کی رہائی اور فدیے کا فیصلہ کیا۔ اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوت والتسلیمات کی رائے میں بقول انہیں آزاد کرنے اور فدیہ لینے کا حکم تھا۔ اس واقعہ کے علاوہ بھی اختلاف کے بہت سے مواضع ہیں۔

اسی قبیلہ سے ہے وہ اختلاف جو کاغذ کے لانے میں صحابہ کرام کے درمیان رونما ہوا۔ کہ آنسرور علیہ وعلیٰ

آلہ الصلوات والتسلیمات نے مرضِ وصال میں کاغذ طلب فرمایا تھا۔ کہ صحابہ کے لئے آپ کچھ لکھیں ایک گروہ نے کہا کاغذ لانا چاہیئے۔ اور دوسرے گروہ نے کاغذ لانے سے روک دیا۔ حضرت فاروق' روکنے والوں سے تھے۔ اور آپ نے فرمایا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے طعن و تشنیع کرنے والوں نے اس راہ سے بھی حضرت فاروق پر اعتراض کیا ہے۔ اور طعن و تشنیع کی زبانیں کھولیں ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ طعن کا کوئی مقام نہیں۔ اس لئے کہ حضرت فاروق جانتے تھے کہ زمانہ وحی منقطع ہوگیا ہے۔ اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں۔ اور رائے و اجتہاد کے سوا اثبات' احکام میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ اس وقت آنسرور علیہ و علےٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ بھی تحریر فرمائیں گے۔ اُمور اجتہادیہ میں سے ہوگا۔ جس میں دوسروں کو بھی فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ط یعنی اے اہل بصیرت! عبرت پکڑو' کے مطابق شرکت کی اجازت ہے۔ اس طرح آپ نے بہتری اس میں محسوس کی کہ اسقدر درد و تکلیف کی حالت میں آپ کو رنج و تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ اور دوسروں کی رائے اور اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی قرآن مجید میں قیاس و استنباط کا ماخذ ہے۔ مجتہدین کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے احکام کو استنباط کرلیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی تخصیص اس بناء پر ہوسکتی ہے۔ کہ حضرت فاروق دنے قرائن سے معلوم کرلیا ہوگا۔ کہ جن احکام کو آپ لکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب اللہ ہے۔ سُنّت نہیں تا کہ سُنّت کا ذکر بھی کیا جائے۔ پس حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا شفقت و مہربانی کے طور پر تھا۔ کہ آنحضرت کو شدّت تکلیف میں مزید رنج و تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔ نیز حضور علیہ و علےٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کاغذ طلب کرنے کا حکم بھی استحسان و استحباب کے طور پر تھا نہ کہ وجوب کے طور پر تا کہ دوسرے استنباط کی زحمت سے آرام میں رہیں۔ اور کاغذ لانے کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو آپ اپنے حکم کے جاری کرنے میں مبالغہ اور تاکید فرماتے اور صرف اختلاف کی بناء پر اس سے صرفِ نظر نہ کرتے۔

سوال: حضرت فاروق نے اس وقت کہا تھا۔ اَھَجَرَ اسْتَفْھِمُوْہُ یعنی کیا حضور غلبہ مرض کے باعث کچھ فرمارہے ہیں۔ تحقیق و تفتیش کرو۔ کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ حضرت فاروق کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حضرت فاروق نے شائد اس وقت سمجھا ہوگا کہ حضور یہ کلام درد و تکلیف کی وجہ سے بالاقصد و اختیار صادر ہوا ہے۔ جیسا کہ لفظ اَکْتُبْ میں لکھتا ہوں' سے وہم ہوتا ہے۔ کیونکہ آنسرور علیہ السلام نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔ نیز آپ نے فرمایا ''لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ'' ہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے جبکہ دین کامل اور نعمت تمام اور رضاءِ مولیٰ اس سے وابستہ ہوچکی۔ اس کے بعد ضلالت و گمراہی کی کیا صورت ہوگی۔ اور ایک ساعت میں آپ کیا لکھیں گے۔ جس سے گمراہی دور ہوگی۔ جو کچھ تیئیس ۲۳ سال لکھا جاتا رہا۔ کیا وہ کافی نہیں وہ گمراہی دور نہیں کرتا۔ کہ ایک گھڑی میں شدّتِ مرض کے باوجود کچھ تحریر فرمائیں جو گمراہی دور کرے۔ یہیں سے حضرت فاروق نے سمجھا ہوگا۔ کہ یہ کلام بناء بر بشریّت بے قصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی تحقیق کرو۔ اور از سر نو

دریافت کرو۔ اور اس دوران اختلافی گفتگو بلند ہوگئی۔ تو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اُٹھ جاؤ اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔ کہ پیغمبر کے سامنے اختلاف ونزاع مستحسن نہیں ہے۔ پھر آپ نے اس سلسلہ میں مزید گفتگو نہ کی۔ اور دوات کاغذ طلب نہ فرمایا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اُمور اجتہادیہ میں صحابہ کرام کا آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات سے جو اختلاف ہوا۔ اس میں عیاذاً باللہ اگر خواہش نفس اور تعصب کا شائبہ ہوتا تو وہ انھیں اہل ارتداد کے گروہ میں کھینچ کر لے آ جاتا۔ اور اہل اسلام کے حلقہ سے باہر پھینک دیتا۔ کیونکہ آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات سے ادبی اور بدسلوکی کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ سُبحانہٗ منہ۔ شاید یہ اختلاف فاعتبروا کے حکم کی بجا آوری کے طور پر تھا۔ اس لئے کہ جو شخص درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔ اجتہادی امور میں اس کے لئے دوسرے کی رائے اور اجتہاد کی تقلید کرنا خطا اور ناروا ہے۔ ہاں جن احکام منزلہ میں رائے اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ ان میں تقلید کے سوا کسی اور شے کی گنجائش نہیں۔ اور ان پر ایمان لانا اور اُنھیں تسلیم کرنا واجب وضروری ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ صحابہ کرام تکلفات سے پاک اور آرائش الفاظ وعبارات سے بے نیاز تھے۔ ان کا اہتمام اصلاح باطن کے متعلق ہوتا تھا۔ اور ان کا ظاہر ان کی نظر میں بے وقعت اور غیر ملحوظ تھا۔ اور اس زمانہ میں آداب کی رعایت حقیقت ومعنی کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ صورت ولفظ کے اعتبار سے نہیں ہوتی تھی۔ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی بجا آوری ان کا کام اور آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو ناپسند باتوں سے اجتناب کرنا اُن کا شیوہ تھا۔ انہوں نے اپنے باپ' اپنی مائیں' اپنی اولاد' اور اپنی بیویاں سب آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات پر قربان کردی تھیں۔ اور کمال اعتقاد واخلاص سے آنسرور علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات کے لعاب مبارک کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ بلکہ اُسے آبِ حیات کی طرح اُٹھاتے تھے اور حضور علیہ السلام کے فصد کرانے کے بعد آپ کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے نوش کرنے کا قصہ مشہور ومعروف ہے۔ اگر کوئی ایسی عبارت جس سے اس جھوٹ اور فریب سے لبریز زمانہ کے لوگوں کے نزدیک بے ادبی کا وہم ہوتا ہو۔ ان بزرگوں سے آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق صادر ہو تو اُسے اچھے معنی پر حمل کرنا چاہیئے۔ اور عبارت کا حاصل اور خلاصہ لینا چاہیئے۔ الفاظ جیسے بھی ہوں ان کا لحاظ واعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ طریق سلامتی یہی ہے۔ واللہ سُبحانہٗ الموفق۔

سوال: جب احکام اجتہادیہ میں احتمال خطا کی گنجائش ہے۔ تو تمام احکام شرعیہ میں وثوق واعتماد جو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ کس طرح قائم اور باقی رہے گا۔

جواب: احکام اجتہادیہ یہ تھوڑا وقت گزارنے کے بعد آسمان سے نازل شدہ احکام کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے۔ کیونکہ خطا پر ٹھہرائے رکھنا انبیاء کے لئے جائز نہیں' علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات پس احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے ثبوت اجتہاد اور اختلاف آرا کے بعد حضرت حق جل وعلا کے پاس سے ایک حکم نازل ہوتا ہے۔ جو

صواب کو خطا سے جُدا کرتا اور حق والے کو باطل والے سے امتیاز بخشتا ہے۔ پس حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نزول وحی کے بعد جس سے صواب اور خطا میں تمیز ہوتی ہے۔ احکام اجتہادیہ بھی قطعی الثبوت ہوتے تھے۔ اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ کے زمانہ میں نزول وحی کے بعد جس سے صواب اور خطا میں تمیز ہوتی ہے۔ احکام اجتہادیہ بھی قطعی الثبوت ہوتے تھے۔ اور ان میں خطا کا احتمال نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ثابت شدہ تمام احکام قطعی اور خطا کے احتمال سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ابتداء یا انتہاء وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ ان احکام کے استنباط واجتہاد سے مقصود یہ تھا۔ کہ مجتہدین ومستنبطین کو کرامت و بزرگی کے درجات حاصل ہوں۔ اور مخطی ومصیبت اپنے اپنے درجات کے مطابق ثواب پائیں۔ اس لئے احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کے درجات بھی بلند ہوئے اور نزولِ وحی کے بعد ان احکام کی قطعیت بھی ثابت ہوگئی۔ ہاں زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں۔ جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں۔ کہ اُن کا منکر کافر قرار پائے۔ ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے۔

خاتمہ مکتوب ہذا

اب ہم فضائل اہل بیت رسول علیہ وعلیٰ آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات والتحیات کے بیان کے ذریعہ اس مکتوب کو اچھے خاتمے کے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں۔

ترجمہ احادیث متفقہ فضائل اہلبیت علیہم الرضوان:

۱۔ عبدالبر نے نے روائیت کی ہے۔ کہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جس نے علی سے محبت کی۔ اُس نے مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے علی سے بُغض کیا۔ اس نے مجھ سے بُغض کیا۔ اور جس نے علی کو اذیت دی۔ اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت پہنچائی۔

کتاب الاستیعاب

۲۔ حضرت بریدہ سے بروایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی خبر دی کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔ کہا گیا یا رسول اللہ ہمیں ان کے نام بتائیں۔ فرمایا علی ان چار میں سے ہے۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ اور ابُو ذر اور مقداد اور سلیمان (فارسی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (ترمذی وحاکم اور حاکم نے اس کی تصحیح بھی کی ہے)۔

۳۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا۔ علی کو دیکھنا عبادت ہے۔ (طبرانی وحاکم باسنادِ حسن)

۴۔ حضرت براء سے بروایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا' جب کہ آپ کے کندھے پر حضرت حسن تھے۔ اور آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فرمارہے تھے۔ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ (بخاری ومسلم)

۵۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سُنا۔ جب کہ سامنے منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور حضرت حسن اُن کے ایک پہلو میں تھے۔ اور آپ ایک بار لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک بار حضرت حسن کی طرف۔ کہ بیشک میرا بیٹا سیّد ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرلائے گا۔ (بخاری)

۶۔ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روائیت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا۔ کہ حَسن وحسین آپ کی دورانوں پر تھے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میرے یہ بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں۔ تو بھی ان سے اور جو ان دونوں سے محبت کرے' محبت کر۔ (ترمذی شریف)

۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ' سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ آپ کو آپ کو اہل بیت میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا حسن اور حسین سے۔ (ترمذی شریف)

۸۔ مسور بن مخرمہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہؓ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا۔ اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ جو چیز فاطمہ کو ناراض کرتی ہے۔ وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے۔ اور جو چیز اُسے رنجیدہ کرتی ہے۔ مجھے بھی رنجیدہ کرتی ہے۔ بخاری ومسلم

۹۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' سے روائت ہے۔ کہ بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ' کو فرمایا۔ کہ فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تُو اس سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ حاکم

۱۰۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ بیشک لوگ حضرت عائشہ کی باری کے دِن ہدیے بھیجنے کا قصد کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد پیغمبرِ خدا ﷺ کی رضا جوئی ہوتا ہے۔ اور وہ کہتی ہیں۔ کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات دو گروہوں میں منقسم تھیں۔ ایک گروہ وہ تھا۔ جس میں حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت صفیہ' اور حضرت سودہ تھیں۔ اور دوسرا گروہ حضرت ام سلمہ اور حضور ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات کا تھا۔ تو حضرت اُم سلمہ کے گروہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا۔ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو۔

کہ آپ لوگوں سے فرمائیں جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ وہ وہاں ہی بھیج دیا کرے۔ جہاں حضور تشریف فرما ہوں۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ نے یہ بات آپ کی خدمت میں عرض کر دی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اے ام سلمٰی مجھے تکلیف نہ دے کیونکہ مجھ پر عائشہ کے کپڑوں (بستر) کے سوا کسی عورت کے کپڑوں میں وحی نازل نہیں ہوتی۔ ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ پھر انہوں نے حضرت فاطمہ کو بلایا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔ تو حضرت فاطمہ نے جا کر یہ بات عرض کی۔ اس پر آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! کیا تو اُسے محبوب نہیں رکھتی۔ جسے میں محبوب رکھتا ہوں۔ آپ نے عرض کیا ہاں۔ تو فرمایا پھر تو بھی عائشہ سے محبت رکھ۔ (بخاری و مسلم شریف)

۱۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں "مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی پر رشک نہیں آیا۔ سوائے حضرت خدیجہ کے۔ اور میں نے اُنہیں دیکھا بھی نہیں۔ لیکن حضور ان کا اکثر ذکر فرماتے رہتے تھے۔ اور بسا اوقات آپ ایک بکری ذبح فرماتے۔ پھر اس کے گوشت کے ٹکڑے کرتے۔ پھر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ تو میں حضور سے بہت دفعہ کہتی کہ شائد دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں ہوئی۔ تو آپ فرماتے خدیجہ میں یہ خوبیاں تھیں۔ اور اسی سے میرے اولاد ہوئی۔ (بخاری و مسلم شریف)

۱۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ عباس مجھ سے ہے۔ اور میں اس سے۔ (ترمذی شریف)

۱۳۔ ابو سعید سے روایت ہے۔ بیشک فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔ اللہ اس شخص پر سخت ناراض ہے۔ جس نے میری عترت (اہل بیت) کے بارے میں اذیت پہنچائی۔ (دیلمی شریف)

۱۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی۔ کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس نے میرے اہل بیت سے نیک سلوک کیا۔ قیامت کے روز میں اُسے اس پر بدلہ دونگا۔ (ابن عساکر)

۱۵۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے پل صراط پر زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا۔ جو میرا اہل بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھتا ہوگا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (ابن عدی و دیلمی)

الٰہی[1] بحق بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم روکنی ور قبول — من دوست و دامانِ آل رسول

---

[1] اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے طفیل مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب کرنا۔ تو میری دُعا رد کر یا قبول میں ہوں میرا ہاتھ ہے اور آلِ رسول کا دامن ہے۔

وَصَلَّے اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَجْمَعِیْنَ ط

مکتوب نمبر (۳۷)

ان مکتوبات شریفہ کے جامع فقیر حقیر عبدالحی کی طرف صادر فرمایا۔

فضائل کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس کے مُناسب امور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط ربّ جلّ سُلطانہٗ کے غضب وغصہ کو ٹھنڈا کرنے میں کوئی چیز بھی اس کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے زیادہ نافع نہیں۔ جب کہ یہ کلمہ طیبہ دوزخ کی آگ میں پڑنے کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ تو دوسرے غصّوں کو جو اس سے کمتر ہیں بطریق اولیٰ ٹھنڈا کرتا۔ اور تسکین دیتا ہے۔ کیوں تسکین نہ دے جب کہ بندہ اس کلمہ طیبہ کے تکرار کے ذریعے ماسوائے حق کی نفی کر کے سب سے مُنہ پھیر کر معبود برحق کو ہی قبلہِ توجہ بنتا ہے۔ غضب کا سبب پراگندہ توجہات تھیں جن میں وہ مبتلا تھا۔ جب پراگندہ توجّہات کی بندہ نے نفی کر دی تو اللہ تعالیٰ کا غضب وغصہ بھی جاتا رہا۔ اس معنی کا تو عالم مجاز میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جب مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا اور اس پر غضب کا اظہار کرتا ہے۔ تو حسنِ فطرت والا غلام اپنے مالک اپنے غلام سے ناراض ہوتا اور اس پر غضب کا اظہار کرتا ہے۔ تو حسن فطرت والا غلام اپنے مالک کے سواء سے توجہ ہٹا کر اپنے آپ کو مالک کی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اس وقت مالک کو اپنے مملوک کے حق میں شفقت ورحمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور غضب وغصہ رفع ہو جاتا ہے اور اس کلمہ طیبہ کو آخرت کے ننانوے ذخیرہ ہائے رحمت کی چابی قرار دیا گیا ہے۔ یہ فقیر یوں محسوس کرتا اور جانتا ہے۔ کہ ظلماتِ کفر اور کدورت شرک سے رفع کرنے میں اس کلمہ طیبہ سے بڑھ کر شفاعت کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ جس شخص نے اس کلمہ کی تصدیق کی ہو اور ایمان کا ایک ذرّہ بھی حاصل کر لیا ہو اور پھر رسومِ کفر اور رذائل شرک میں گرفتار ہو چکا ہو۔ تو اُمید ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کی شفاعت سے عذاب سے باہر اور دائمی عذاب دوزخ سے نجات پا جائے گا۔ جس طرح اس امّت کے باقی کبیرہ گناہوں کی سزاؤں کے دفع کرنے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بہت نفع مند اور کارگر ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے "اس امت کے گناہ کبیرہ" اس بناء پر کہا ہے۔ کہ پہلی امتوں میں کبیرہ گناہوں کا ارتکاب بہت کم ہوا ہے۔ بلکہ رسوم اور رذائل شرک کی ملاوٹ وآمیزش بھی کم ہے۔ شفاعت کی محتاج زیادہ تر یہی امت ہے۔ پہلی امتوں کا ایک گروہ کفر پر مُصر تھا۔ اور دوسرے گروہ نے اخلاص سے ایمان قبول کیا اور احکامِ خداوندی کی بجا آوری کی۔ یہ گناہوں سے بھری ہوئی امّت ہلاک ہو جاتی۔ اگر کلمہ طیبہ ان کی شفاعت نہ کرتا۔ جس طرح اگر خاتم الرُسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات اس امّت کی شفاعت نہ کرتے اُمَّۃٌ مُذْنِبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ یہ گناہ گار اُمت ہے اور رب تعالیٰ بخشنے والا

ہے۔ جس قدر معافی اور بخشش حق جلّ وعلا اس اُمّت کے لئے کام میں لائے گا۔ معلوم نہیں کہ پہلی اُمتوں کے لئے بھی کام نہ لائے۔ ایک کم سو رحمت شائد اسی پر گناہ کے لئے ذخیرہ کے طور پر رکھی گئی ہے۔

[1] کہ مستحق کرامت گناہگاراں ند

اور جب کہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ عفو ومغفرت کو دوست رکھتا ہے۔ اور کوئی مقام اور محل بھی اس پُر تقصیر اُمّت کے عفو ومغفرت کے برابر نہیں۔ اس لئے یہ اُمّت خیر الامم قرار پائی۔ اور کلمہ طیبہ جو افضل الذکر ہے۔ اس امت کی شفاعت کرنے والا ہے۔ اور ان کی شفاعت کرنے والے پیغمبر کو سید الانبیاء کا خطاب ملا۔ علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیات'' یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دے گا'' اور اللہ غفور رحیم ہے'' ہاں ارحم الراحمین ایسا ہی ہوتا ہے اور اکرم الاکرمین کی شان یہی ہوتی ہے۔[2]

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ط	اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش اور ہمارے کام میں ہمارے حد سے بڑھنے کو بھی معاف فرما۔ اور ہمارے قدم مضبوط کر اور کافروں کے خلاف ہماری مدد ونصرت فرما۔

نیز اس کلمہ کے فضائل میں سے سنو۔ رسول اللہ ﷺ وبارک نے فرمایا:

[3] مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ط	جس نے کلمہ طیبہ کی تصدیق کی۔ جنت میں داخل ہوگا۔

کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ کہ صرف لا الہ الّا اللہ کہنے سے خولِ جنّت کیسے میسر آئیگا۔ یہ لوگ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں۔ اس فقیر کو محسوس ہوا ہے۔ کہ اگر تمام عالم کو صرف اس کلمہ طیبہ کے طفیل بخش دیں اور بہت میں بھیج دیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور مشاہدے میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اس کلمہ مقدسہ کی برکات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمام عالم پر تقسیم کرتے رہیں۔ سب کو کفایت کرتا اور سب کو سیراب کرتا ہے۔ تو اس کلمہ طیبہ کی برکات کس قدر بڑھ جاتی ہیں۔ جب کہ اس کے ساتھ کلمہ مقدسہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جمع ہو جائے۔ اور تبلیغ توحید کے ساتھ مل جائے۔ اور رسالت ولایت کی ساتھی بن جائے۔ ان دو کلموں کا مجموعہ ولایت ونبوت کے

---

[1] کیونکہ کہ بخشش کے مستحق گناہ ہی ہوتے ہیں۔

[2] کرم والوں کے لئے کوئی کام مشکل نہیں۔

[3] حاکم بروایت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

کمالات کا جامع ہے۔ اور ان دو سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے۔ یہی کلمہ ہے۔ جو ولائت کو ظلمات ظلال سے پاک کرتا اور نبوت کو درجہ عُلیا تک پہنچاتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں کلمہ طیبہ کی برکات سے محروم نہ کر اور ہمیں اس پر ثابت رکھ۔ اور ہمیں اس کی تصدیق پر موت نصیب فرما۔ اور اس کی تصدیق کرنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔ اور ہمیں اس کی حُرمت اور اس کی تبلیغ کرنے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کی حرمت سے جنّت میں جانا نصیب فرما۔

نیز جب نظر اور قدم عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور ہمت کے پر وہاں نیچے لٹک جاتے ہیں۔ اور معاملہ غیب صرف تک جا پہنچتا ہے۔ اس مقام میں کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؎ کے پاؤں کے بغیر نہیں چلا جا سکتا۔ اور اس کلمہ مقدسہ کی آغوش میں بیٹھ کر ہی اُس مسافت کو طے کیا جا سکتا ہے۔ اس مقام میں اس کلمہ طیبہ مقدسہ کو ایک بار پڑھنے والا اس کلمہ طیبہ مقدسہ کی حقیقت کی امداد و اعانت سے اُس مسافت کا ایک قدم طے کرتا ہے۔ اور اپنی ذات سے دُور اور حق جل وعلا کے قریب جا پڑتا ہے۔ اور اس مسافت کا ایک جزو تمام دائرہ امکان سے کئی گناہ زیادہ ہے۔ اس سے اس کلمہ طیبہ کے ذکر کے فضیلت معلوم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس کلمہ کے سامنے ساری دنیا کی کچھ حیثیت وقدر و قیمت نہیں ہے۔ کاش کہ ساری دنیا اس کے سامنے اتنی حیثیت ہی رکھتی جتنی ایک قطرے کی دریائے محیط کے سامنے ہوتی ہے۔ اس کلمہ طیبہ کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے مطابق ہوتا ہے۔ جس قدر پڑھنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا۔ اس کلمہ مقدسہ کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا۔

یزیدکَ وَجْهُهٗ حُسْنًا اذَا مَا زدتَهٗ نظراً

معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کوئی آرزو اس کے برابر ہو کہ ایک کونے میں بیٹھا ہو۔ اور اس کلمہ طیبہ سے لذت گیر اور محظوظ ہوتا رہے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ کہ تمام آرزوئیں میسّر نہیں۔ اور غفلت اور خلق کے میل جول سے چارہ نہیں۔

اے ہمارے رب! ہمارے نور کو مکمل کر۔ اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

مکتوب نمبر (۳۸)

حاجی یوسف کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اہل اللہ کے باطن کا دنیا سے رائی برابر تعلق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً دنیا اور اسباب دنیا سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

؎ جتنی زیادہ بار تو اس کے چہرے کو دیکھے تجھے اس کا چہرہ زیادہ حسین نظر آئے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

خدائے جل سلطانہٗ کی معرفت اس شخص کے لئے حرام ہے۔ جس کے باطن میں دنیا کی رائی برابر محبت بھی موجود ہو۔ یا اس کے باطن کا اتنی مقدار میں بھی دنیا سے تعلق موجود ہو یا دنیا کی اتنی مقدار بھی اس کے باطن میں گزرے۔ جس طرح اس کا ظاہر کہ باطن سے بمراحل دُور ہے۔ اور آخرت سے دنیا میں آ کر افادہ واستفادہ کی مناسبت کی شرط کے حصول کی خاطر لوگوں سے اختلاط پیدا کیا ہوا ہے۔ اس بناء پر اگر دنیا کی بات کرے۔ اور اس کے اسباب سے وابستہ ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ اور کوئی بُری چیز نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔ تاکہ بندوں کے حقوق بیکار نہ ہوں اور افادہ استفادہ کا راستہ بند نہ ہو۔ پس ایسے شخص کا باطن اُس کے ظاہر سے بہتر ہے اور جو نما گندم فروش کی طرح ظاہر بین لوگ اُسے اپنی مانند گندم نما جو فروش تصور کرتے ہیں۔ اور اس کے ظاہر کو اُس کے باطن سے بہتر جانتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہراً دنیا سے بے تعلق لیکن باطناً گرفتارِ دنیا ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ط وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ ط وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ الْعُلٰی ط

مکتوب نمبر (۳۹)

سیّد عبدالباقی رنگپوری کی طرف صادر فرمایا:

اصحاب یمن، اصحابِ شمال اور سابقین کے بیان میں جنہوں نے ایک قدم شمال اور دوسرا یمین پر رکھا ہوا ہے۔ اور سبقت کا گیند میدانِ اصل تک لے گئے ہیں۔ اور اس کے مُناسب اُمور کے بیان میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی،

اللہ تعالیٰ تجھے رشد و ہدایت کرے، جان کہ اصحابِ شمال وہ لوگ ہیں۔ جو تاریک پردوں میں ہیں اور اصحابِ یمین نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ان ظلماتی اور نورانی پردوں سے باہر نکلے ہوئے اور ایک قدم شمال پر اور دوسرا یمین پر رکھ کر سبقت کا گیند میدانِ اصل میں لے گئے ہیں۔ اور امکانی اور وجوبی ظلال سے اوپر گذر گئے ہیں۔ اور انہوں نے اسم وصفت اور شان و اعتبار سے سوائے ذات تعالیٰ وتقدس کے کچھ نہیں چاہا۔ اصحابِ شمال کفر و شقاوت والے ہیں۔ اور اصحابِ یمین اہلِ اسلام اور اربابِ ولائیت ہیں۔ اور بالا صالتہ سابقین انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں۔ تابع ہونے کے اعتبار سے جسے بھی اس دولت سے مشرف کر دیں۔ تبعیت کے طور پر یہ دولت زیادہ تر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کے اکابر صحابہ میں پائی جاتی ہے۔ اور قلّت و ندرت کے طور پر غیر اصحاب میں بھی متحقق ہے۔ اور فی الحقیقت یہ شخص بھی گروہ صحابہ میں شامل اور کمالات انبیاء علیہم الصلوات والبرکات سے ملحق ہے۔ شاید ایسے ہی شخص کے حق میں حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

[1] لَایُدْرٰی اَوَّلُھُمْ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُھُمْ۔ نہیں معلوم کیا جاسکتا کہ ان کے پہلے بہتر ہیں یا پچھلے

اگرچہ حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ [2] سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے۔

کیونکہ اپنے زمانے کو قرون کے اعتبار سے بہتر فرمایا اور آخری زمانے کو اشخاص کے لحاظ سے واللہ سبحانہ اعلم لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بعد افضلیت شیخین (ابوبکر وعمر) پر اہل سنت کا اجماع ہے ایسا کوئی نہیں۔ جو ابوبکر پر سبقت لے گیا ہو۔ اس امت کے سابقین کے پیشرو وہ ہیں۔ اور اس امت کے پہلوں کے پہلے بھی آپ ہیں۔ اور حضرت فاروق آپ کے توسل کی بدولت افضلیت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور آپ کے توسط سے دوسروں سے فوقیت لے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ فاروق کو خلیفہ صدیق کہتے ہیں۔ اور خطبے میں آپ کو رسول اللہ کے خلیفے کا خلیفہ کہتے ہیں۔ اس معاملہ کے شاہ سوار حضرتِ صدیق ہیں اور حضرت فاروق ان کے ردیف ہیں۔ کیا اچھا ردیف ہے جو اپنے شاہ سوار سے موافقت کرتا اور اس کے خصوصی اوصاف میں شرکت فرماتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سابقین یمین وشمال کے احکام سے خارج ہیں۔ اور ظلمانی ونورانی معاملات سے اوپر ہیں۔ ان کے اعمال نامے کتاب یمین اور کتاب شمال سے الگ ہیں۔ اور ان کا محاسبہ اصحابِ یمین واصحابِ شمال کے محاسبہ کے علاوہ ہے۔ ان کے ساتھ کاروبار علیحدہ اور ان کے ساتھ کرشمہ وناز جُدا ہے۔ اصحابِ یمین اصحابِ شمال کی طرف ان کے کمالات سے کیا پاسکتے ہیں۔ اور اربابِ ولایت ان کے اسرار سے کیا حاصل کرسکتے ہیں۔ مقطعات قرآنی کے حروف ان کے اسرار کے رموز اور متشابہات فرقانی ان کے مدارج وصول کے خزانے ہیں۔ اصل سے وصول تے انھیں ظِل سے فارغ کردیا ہے۔ اور اربابِ ظلال کو ان کے حریم خاص سے دُور کردیا ہے۔ مقرّب یہی ہیں۔ اور روح وریحان انہی کا حصّہ ہے۔ یہی ہیں جو فزع اکبر (بڑے خوف) سے فکرمند نہ ہوں گے۔ اَور قیامت کے دہشت ناک واقعات سے نہیں گھبرائیں گے۔ اے اللہ! ہمیں ان کے دوستوں میں سے کر۔ کیونکہ انسان اس کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔ جس سے پیار کرتا ہے۔ بصدقہ سیّد المرسلین علیہ وعلیٰ آلِ کل الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات۔

مکتوب نمبر (۴۰)

مولانا بدرُ الدّین کی طرف صادر فرمایا:

---

[1] ترمذی شریف بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[2] بخاری ومسلم شریف

اس بیان میں کہ حجابات کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے۔ اور اُس کے مُناسب اُمور کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ط

حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات اور شیون واعتبارات کے حجابات کا ازالہ دو قسم ہے ایک ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ اور دوسرا وجود کے اعتبار سے۔ ازالہ وجودی محال ہے۔ اور ازالۂ شہودی ممکن بلکہ واقع ہے۔ اگر چہ بہت ہی قلیل اور اخص خواص لوگوں کا حصّہ ہے۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے۔[1]

اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَةٍ لَوْ كُشِفَتْ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ ط	بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور اور ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔ اگر وہ اُٹھا دیئے جائیں تو اس کے چہرے کے انوار وہاں تک ہر شے کو جلا دیں۔ جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے۔

اس حدیث میں وارد کشف وازالہ سے مراد وجودی کسف وازالہ ہے۔ جو ممتنع ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ذات تعالیٰ وتقدّس سے تمام حجابات کا ازالہ ہو جاتا ہے تو اس ازالہ سے مراد ازالہ شہودی ہے۔ چنانچہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کسی شخص کو ایسی بصارت عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ حجابات وپردوں کے پیچھے پوشیدہ چیزیں دیکھتا ہے۔ یہاں حجابات وپردوں کا ازالہ شہود کے اعتبار سے ہے۔ تو اسی طرح یہ بھی۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ فقیر نے لکھا ہے۔ حجابات کے عدم ازالہ کی حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ایک دوسرے ازالے کا ذکر ہے اور میری تحریر میں ایک دوسرے کا ازالے کا بیان ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ بنو۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ الْعُلٰى۔

مکتوب نمبر (۴۱)

شیخ فرید تھانیسری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ نہایت النہایۃ کے مراتب میں پہنچ کر ایک ایسا مرتبہ سامنے آتا ہے۔ جہاں کا ہر ذرّہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور اُس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ سُبحانہ کی عنایت اور بصدقہ اس کے حبیب پاک علیہ وعلیٰ آلہ الصّلوٰۃ والسّلام نہایت النہایہ کے مراتب کی طرف عروج کے وقت ایک ایسا مرتبہ سامنے آیا۔ جس مقام کا ہر ذرّہ تمام دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ

تھا۔ پس اگر اس مقام کے ایک ذرّے کا سلوک طے کر یا جائے۔ تو گویا دائرہ امکان سے کئی گنا زیادہ مسافت طے ہو جاتی ہے۔ تو اس شخص کی ترقی کا کیا عالم ہوگا۔ جو اس مرتبہ کی مسافت طویلہ طے کر چکا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دائرہ امکان کی وجوب اور اس سے اوپر کے مراتب کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ کاش۔ کہ دریائے محیط کے سامنے قطرہ کی حیثیت رکھتا۔ تو لازمی بات ہے کہ اپنے پاؤں کی قوت سے کوچہ دوست میں نہیں پہنچ سکتے اور اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ بادشاہ کی عطاؤں کو اُسی کو سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر (۴۲)

خواجہ جمال الدین حسین ولد مرزا حسین الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

صوفیہ کے سیر (باطنی) کو آفاق و انفس میں منحصر کرنے اور ان دو سیروں میں تخلیہ اور تجلیہ ثابت کرنے کے بیان میں اور حضرت ایشاں (حضرت امام ربانی) قدس سرہ الاقدس کا اس معنی کو اس میں تسلیم نہ کرنا اور نہایت التہلیہ کو انفس و آفاق سے باہر ثابت کرنا بعنایت اللہ سُبحانہ۔ اور اس کے مناسب باتوں کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهِ الْكِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ مِنْ يَوْمِنَا هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامِ۔

فرزند عزیز! اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہاں میں سعادت مند کرے۔ ہوش کے کانوں سے سُن کہ جب سالک درستی نیت اور آرزوؤں سے نجات پانے کے بعد ذکر الٰہی جلّ سلطانہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اور ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ اختیار کرتا اور تزکیہ حاصل کرتا ہے۔ نیز اوصاف رذیلہ کو اخلاقِ حسنہ سے تبدیل کرتا ہے اور اُسے توبہ و انابت میسر آتی ہے۔ اور دنیا کی محبت دل سے باہر نکل جاتی ہے۔ اور صبر و توکل اور رضا حاصل ہوتی ہیں۔ اور ان حاصل شدہ باتوں کو تدریج و ترتیب سے عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو کدورت بشریہ اور اس کی بُری صفات سے پاک اور مصفّا دیکھتا ہے تو یہی سیر آفاقی ہے۔ جسے وہ اس طرح مکمل طور پر طے کر لیتا ہے۔ اس گروہ صوفیہ میں سے ایک جماعت نے اس مقام میں احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور انسان کے سات لطائف میں سے ہر لطیفہ کو عالم مثال میں ان کے مناسب انوار میں سے کسی ایک نور کی صورت میں قرار دیا ہے۔ اور ہر لطیفے کی صفائی کی علامت ان انوار مثالی میں سے کسی نور کے ظہور کو مقرر کیا ہے۔ اور اس سیر کی ابتداء لطیفہ قلب سے کر کے تدریج و ترتیب سے لطیفہ اخفی تک جو منتہائے لطائف ہے پہنچاتی ہے۔ مثلاً صفائی قلب کی علامت سالک کے لئے اس قلب کو نور سرخ کی صورت میں ظاہر ہونا قرار دیا ہے۔ اور صفائے روح کی علامت نور

زرد کی صورت قرار دی ہے۔علی[1] ہذا القیاس۔تو سیر آفاقی کا حاصل یہ ہے۔کہ سالک اپنے مبدل اوصاف اور تغیر اخلاق کو عالم مثال کے آئینوں میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنی تاریکیوں اور کدورتوں کا زوال بھی اس عالم میں محسوس کرتا ہے۔یہاں تک کہ اُسے اپنی صفائی کا یقین اور اُس کے لئے اپنے تزکیے کے ثبوت کا علم ہو جاتا ہے۔اور جب سالک ہر گھڑی اپنے احوال واطوار کو عالم مثال میں جو آفاق سے ہے مشاہدہ کرتا ہے۔اور اس عالم میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں منتقل ہوتا دیکھتا ہے۔تو گویا یہ اس کی آفاق میں سیر ہوتی ہے۔اگر چہ یہ سیر فی الحقیقت سالک کے نفس میں سیر ہوتی ہے۔اور اس کے اوصاف واخلاق میں حرکت کیفی ہے۔لیکن جب کہ دور بینی کی وجہ سے اس کا مطمح نظر آفاق ہیں نہ کہ انفس۔اس لئے یہ سیر بھی آفاق سے منسوب ہوگئی۔مشائخ نے اس کے مکمل ہونے کو جو سیر آفاق سے منسوب ہے۔سیر الی اللہ کا تمام ومکمل ہونا قرار دیا ہے۔اور فنا کو اس سیر سے وابستہ کیا ہے۔اور سلوک کو اس سیر سے تعبیر کیا ہے۔اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے اُسے سیر انفسی کے نام سے موسوم کرتے اور اُسے ہی سیر فی اللہ کہتے ہیں۔اور بقا باللہ اسی مقام میں ثابت کرتے ہیں۔اور اس مقام میں جذبے کا حصول سلوک کے بعد جانتے ہیں۔جب سالک کے لطائف سیر اوّل میں تزکیہ حاصل کر لیتے اور بشری کدورتوں سے نجات پا لیتے ہیں۔تو اس بات کی قابلیت پیدا کر لیتے ہیں۔کہ اسم جامع کے جو اس کا رب ہے۔ظلال وعکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔اور یہ لطائف اُس اسم جامع کی جزئیات کے ظہورات وتجلیات کے وارد ہونے کی جگہ بن جاتے ہیں۔

اس سیر کو سیر انفسی اس پر کہتے ہیں۔کہ انفس اسما کے ظلال وعکوس کے آئینے بن جاتے ہیں نہ اس بناء پر کہ سالک کی سیر نفس میں ہوتی ہے۔جیسا کہ سیر آفاقی میں گزرا ہے۔کہ آئینہ داری کے اعتبار سے اُسے سیر آفاقی کہا گیا ہے۔نہ یہ کہ سیر آفاق میں واقع ہے۔اس سیر میں فی الحقیقت اسما کے ظلال کی سیر ہے جو انفس کے آئینوں میں واقع ہوتی ہے۔لہٰذا اس سیر کو سیر عاشق در معشوق کہا گیا ہے۔

[1] آئینہ صورت از سفر دور ست کاں پذیر اے صورت از نور ست

اس سیر کو سیر فی اللہ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے۔کہ مشائخ نے کہا ہے کہ سالک اس سیر میں متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔اور ایک عادت سے دوسری عادت کی طرف انتقال کرتا ہے۔کیونکہ مظہر کو ظاہر کے اوصاف سے تھوڑا بہت حصہ ضرور ملتا ہے۔تو گویا اللہ تعالیٰ کے اسما میں سیر متحقق ہوگئی۔یہ ہے اس مقام کی نہایت تحقیق اور اس کلام کی تصحیح۔صاحب مقام کا حال شاید کیا ہو۔اور کلام سے متکلم کی مراد بھی کیا ہے۔کیونکہ ہر شخص اپنے

[1] لطیفہ نفس کا نور سفید لطیفہ سر کا نور سبز لطیفہ خفی کا رنگ نیلگوں اور لطیفہ اخفی کا رنگ سیاہ قرار دیا ہے۔

[1] آئینہ جو صورت قبول کرتا ہے۔حرکت وسفر کرنے سے دُور ہے۔بلکہ وہ صورت کو اپنی نورانیت کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔

فہم اور اپنی دریافت کے مطابق بات کرتا ہے۔ اور بعض اوقات متکلم کلام سے کچھ معنی مراد لیتا ہے۔ اور سننے والا اسی کلام سے کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔

مشائخ کرام سیر انفسی کو بے تکلف سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ اور اُسے بے تحاشا بقا باللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور وصل و اتصال کا مقام گمان کرتے ہیں۔ اور یہ اطلاعات فقیر پر بڑے گراں گزرتے ہیں۔ اس بناء پر ان کی تصحیح و توجیہہ میں حیلے اور تکلفات کو مرتکب ہونا پڑتا ہے۔ ان حیلوں کا کچھ حصہ کلام مشائخ سے ماخوذ ہے۔ اور کچھ افاضہ و ابہام کی راہ سے آیا ہے۔ سیر آفاقی میں گویا اخلاقِ بد سے تخلیہ حاصل ہوا تھا۔ اور اس سیر انفسی میں اخلاقِ حمیدہ سے آراستگی ہوتی ہے۔ کیونکہ تخلیہ مقام فنا کے مناسب اور اس سیر انفسی کی نہایت معلوم نہیں کر سکے۔ اور سالک کی عمر دائمی بھی اگر صرف ہو جائے تو بھی مشائخ نے اس سیر کے ختم نہ ہونے کا حکم کیا ہے۔ اور کہا کہ محبوب کے اوصاف و شمائل کی نہایت نہیں۔ تو ہمیشہ سالک مخلق کے آئینے میں اس کی صفات میں سے ایک صفت اور اس کے کمالات میں سے کسی نا کسی کمال کا ظہور ہوتا رہے گا۔ لہٰذا سیر کا انقطاع کہاں ہوگا۔ اور اس کی نہایت تک پہنچنا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے[1]

ذرہ گریس نیک ور بس بد بود گرچہ عمر ے تگ زند درخود بود

اور اس فنا و بقا پر جو سیر آفاقی اور انفسی سے حاصل ہوتی ہے۔ ولائت کے اسم کا اطلاق کرتے ہیں اور نہایت کمال یہیں تک جانتے ہیں۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہو تو وہ ان کے نزدیک سیر رجوع ہے۔ جو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح سیر چہارم کو جسے سیر فی الاشیاء باللہ کہتے ہیں۔ نزول و رجوع سے متعلق جانتے ہیں۔ اور ان مشائخ نے ان دو سیروں کو تکمیل و ارشاد کے لئے قرار دیا ہے۔ جس طرح پہلی دو سیروں میں نفسِ ولائیت کے حصول و کمال کے لئے ہیں۔ اور مشائخ کی جماعت نے کہا ہے کہ ستّر ہزار پردوں کا ذکر جو حدیث میں آیا ہے کہ:

اِنَّ لِلّٰہِ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَۃٍ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستّر ہزار پردے ہیں۔

تو یہ پردے سیر آفاقی میں ہٹتے ہیں۔ کیونکہ لطائف میں سے ہر ہر لطیفہ میں دس دس ہزار پردے دور ہوتے ہیں۔ اور جب وہ سیر مکمل ہو جاتی ہے۔ تو حجابات بھی سارے کے سارے زائل ہو جاتے ہیں۔ اور سالک سیر فی اللہ سے موصوف ہو جاتا اور مقام واصل میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہے ارباب ولائت کے سیر و سلوک کا حاصل اور

---

[1] ذرّہ اگرچہ بہت اچھا یا بہت بُرا ہوا۔ ساری عمر تگ و دو کرتا رہے تو بھی اپنے اندر ہی رہتا ہے۔

خلاصہ اور ان کے کمال و تکمیل کا نسخہ جامعہ۔ اور اس باب میں جو کچھ اس فقیر پر محض فضل و کرم خداوندی جلّ سلطانہٗ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور جس کے مطابق چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اظہارِ نعمت اور شکر عطا کے طور پر فقیر اُسے معرضِ تحریر میں لاتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ط

جان لے۔ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کی توفیق عطا کرے اور سیدھے راستے پر چلائے۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ جو بے مثل و بے کیف ہے۔ جس طرح آفاق سے وراء ہے۔ انفس سے بھی وراء ہے۔ اس لئے سیر آفاقی کو سیر الی اللہ کہنے اور سیر انفسی کو سیر فی اللہ کا نام دینے کے کوئی معنی نہیں بلکہ آفاقی اور انفسی دونوں سیریں' سیر الی اللہ میں داخل ہیں۔ سیر فی اللہ وہ سیر ہے۔ جو آفاق و انفس سے کئی منزلیں دور ہے۔ اور ان سب سے وراء الوراء ہے۔

عجب معاملہ ہے۔ سیر فی اللہ کو انہوں نے سیر انفسی قرار دیا ہے۔ اور اس سیر کو بے نہایت کہا ہے۔ اور عمر ابدی کے ساتھ بھی اس کے طے ہونے کو جائز قرار نہیں دیا جیسا کہ ابھی یہ بیان گزرا۔ اور جب انفس آفاق کی طرح دائرہ امکان میں داخل ہیں۔ تو اس تقدیر پر دائرہ امکان کو طے کرنا ممکن نہ ہوگا۔ تو حرمانِ دائمی اور خسارہِ سرمدی لازم ہوگا۔ اور اس صورت میں فنا کبھی متحقق نہ ہوگی۔ اور بقا متصور ہوگی۔ تو وصل و اتصال اور قرب و کمال کیسے حاصل ہوگا۔ سُبحان اللہ جب بزرگ پانی کی بجائے سراب پر کفایت کریں اور اِلی اللہ کو فی اللہ گمان کریں۔ اور امکان کو وجوب اور چون کو بے چون سے تعبیر کریں تو چھوٹوں اور پست فطرتوں کا کیا گلہ کرے۔ اور اُن کے متعلق کیا اظہارِ شکایت کرے۔ اُن پر کیا آفت ٹوٹ پڑی۔ انہوں نے کس اعتبار سے انفس کو حق جلّ وعلا کہہ دیا۔ کہ انفس کی سیر کو حد و نہایت کے ہوتے ہوئے بے نہایت گمان کر لیا۔ سالک کے آئینے میں اسماء و صفات واجبی جلّ سلطانہٗ کے ظہور کو اس سیر انفسی میں انہوں نے جو قرار دیا ہے۔ وہ اور اصل اسماء و صفات کے ظلال میں سے ایک ظل کا کا ظہور ہے نہ کہ عین اسماء و صفات کا ظہور۔ جیسا کہ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ کیا کروں اور کس طرح جناب قدس تعالیٰ و تقدس کے متعلق علم و تمیز رکھنے کے باوجود اس بے ادبی کو جائز رکھوں اور اُس بلند ذات کے ملک میں اس سُبحانہٗ کے غیر کو شریک کروں۔ اگرچہ ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حقوق اپنے اوپر لازم جانتا ہوں۔ کیونکہ میں کئی طرح سے اُن کا تربیت یافتہ ہوں۔ لیکن حضرت واجب الوجود جلّ سلطانہٗ کے حقوق ان سب کے حقوق سے فائق ہیں اور اس کی تربیت دوسروں کی تربیتوں سے اوپر ہے۔ میں نے اُس بلند ذات کی حُسنِ تربیت سے بھنور سے نجات پائی ہے۔ اور اس بلند ذات کے مالک مقدس میں اس پاک ذات کے غیر کو شریک نہیں کیا۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اس راہ پر آنے کی ہدائت عطا فرمائی۔ اور اگر اللہ ہماری دستگیری نہ فرماتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے۔

وہ بلند ذات بے مثل و بے کیف ہے اور جو چیز چونی و چندی کے داغ سے داغدار ہے' اس کی بلند جناب

قدس سے دُور ہے۔ اس لئے آفاق کے آئینوں اور انفس کی جلوہ گاہوں میں اس پاک ذات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جو کچھ ان میں ظاہر ہوتا ہے مظاہر کی طرح مثل و کیف میں سے ہوتا ہے۔ پس آفاق انفس سے آگے گزرنا چاہیئے۔ اور اس پاک ذات کو آفاق و انفس سے باہر تلاش کرنا چاہیئے۔ اور جس طرح دائرہ امکان میں آفاق ہو چاہے انفس اس پاک ذات کی گنجائش نہیں۔ اس کے اسماء وصفات کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو کچھ وہاں ظاہر ہے بلند اور پاکیزہ اسماء وصفات کے ظلال وعکوس اور ان کا شبہ اور مثال ہے۔ بلکہ اسماء وصفات کی ظلیت ومثالیت بھی آفاق و انفس سے باہر ہے۔ یہاں آراستہ کرنے اور قدرت منقش کرنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ ظہور کس کا اور تجلی کہاں۔ اس لئے کہ اس ذات پاک کے اسماء وصفات بھی اس کی بلند ذات کی طرح بے مثل و بے کیف اور بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ جب تک تو آفاق و انفس سے باہر نہیں نکلے گا۔ اس بُلند ذات کے اسماء وصفات کی ظلیت کے معنی سے واقف نہ ہوگا۔ تو بُلند و پاکیزہ اسماء وصفات تک وصول کیسے میسر آ سکتا ہے۔

عجائب کاروبار ہے۔ اگر اپنے مکشوفات ومعلومات یقینیہ کی بات کروں جو مشائخ کے مذاق کے موافق نہیں۔ اور نہ ان کے مکشوفات کے مطابق ہے۔ تو کون اعتبار کرے گا۔ اور اگر نہ کہوں اور پوشیدہ رکھوں۔ تو حق کو باطل کے ساتھ رَلا مِلا دینے کا مرتکب ہوں گا۔ اور جس چیز کا حق تعالیٰ وتقدس پر اطلاق جائز نہیں اس کے اطلاق کی گنجائش پیدا ہوگی۔ اس لئے ضرورۃً جو حق ہے۔ اور اس بُلند ذات کی جناب قدس کے جو کچھ لائق ومناسب ہے۔ اس کا اظہار کرتا ہوں۔ اور جو کچھ اس سُبحانہٗ وتعالیٰ کی جناب قدس کے نامناسب ہے۔ اس کی نفی کرتا ہوں۔ اور دوسرے کے خلاف کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ مجھے اس کا کچھ غم ہے۔ دوسروں کی مخالفت کا خوف اس وقت ہوتا ہے۔ جب کہ مجھے اپنے معاملے میں تذبذب اور اور شک اور اپنے مکشوف میں اشتباہ ہو۔ جب کہ سپیدہ صبح کی طرح کام کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ اور چودھویں رات کے چاند کی مانند اصل معاملے کو نمایاں کرتے ہیں۔ اور ظلال سے مکمل طور پر آگے گذار کر لے جاتے اور شبہ ومثال سے بلند لے جاتے ہیں۔ تو اشتباہ کہاں اور تذبذب کیسے رہ سکتا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ صحتِ احوال کی علامت کمال کے حصول کا یقین ہے۔ نیز تذبذب واشتباہ کی صورت کیسے متحقق ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس بُلند ذات کی عنایت بے نہایت سے ان بزرگوں کے احوال مقرّرہ پر تفصیلی اطلاع میسّر آ چکی ہے۔ اور توحید واتحاد اور حاطہ وسریان کے معارف مکشوف ہو چکے ہیں۔ اور مکشوف ومشہود کی حقیقت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ اور اُن کے دقائق علوم ومعارف وضاحت سے سمجھ میں آ چکے ہیں۔ اور مدّت دراز تک اسی مقام میں رہا ہوں۔ اور ان کے قلیل وکثیر یعنی ہر شے سے الا ماشاء اللہ تعالیٰ واقف ہو چکا ہوں۔ آخر الامر فضلِ خداوندی جل سلطانہٗ سے ظاہر ہوا کہ یہ سب ظلال کے شعبدے ہیں۔ اور

شبہ و مثال سے گرفتاری ہے۔ مطلوب ان سب سے وراء الوراء اور مقصود ان سب سے ماسوا ہے۔ تو یہ فقیر مجبوراً سب سے رُخ پھیر کر جناب قدس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور جو کچھ چونی اور چندی کے داغ سے داغدار ہے۔ اس سے پاک و مبرّا ہو گیا۔

''میں نے اپنا رُخ اس ذات کی طرف کر لیا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں ہر باطل مذہب سے الگ ہوتا ہوں۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

اگر معاملہ اس طرح نہ ہوتا تو مین مشائخ کے خلاف ہرگز لب کشائی نہ کرتا۔ اور ظن و تخمینے سے ان کی مخالفت نہ کرتا۔ اور اگر یہ خلاف واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کی ذات و صفات سے متعلق نہ ہوتا۔ اور بات اس بلند ذات کی تنزیہہ و تقدیس کے بارے میں نہ ہوتی تو ان اکابر کے مکشوف کے خلاف میری طرف سے کچھ وقوع میں نہ آتا۔ اور نہ ہی ان کے علوم کی مخالفت میں' میں کچھ کہتا۔ کیونکہ میں کمینہ انہی کی دولتوں کے کھلیانوں کا خوشہ چین ہوں اور ان کی نعمتوں کے دستر خوانوں کا پس خوردہ کھانے والا رذیل ہوں۔ میں مکرر اظہار کرتا ہوں کہ مشائخ کرام ہی ہیں جنہوں نے انواع و اقسام کی تربیتوں سے میری پرورش کی ہے اور مجھے قسم قسم کے کرام و احسان سے نفع پہنچایا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ واجب تعالیٰ جلّ سلطانہٗ کے حقوق ان کے حقوق' سے فائق ہیں۔ جب بحث اس بندہ ہستی کی ذات و صفات کے متعلق چھڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس بند ذات کی جناب قدس کے لائق بعض امور کا اطلاق درست نہیں۔ تو اس مقام میں خاموشی اختیار کرنا۔ اور دوسرے کے خلاف کچھ کہنے سے ڈرنا دین و دیانت سے دُور ہے۔ اور طاعت و بندگی کا مقام اُسے برداشت نہیں۔ کرتا علماء کا مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اُمور خلافیہ میں اختلاف جیسے مسلہ وحدت وغیرہ نظر و استدلال کی راہ سے ہے۔ اور فقیر کا اختلاف اُن سے کشف و شہود کے راستے سے ہے۔ علماء ان اُمور کے قبح کے قائل ہیں۔ اور بشرط عبور ان کے حُسن کا قائل ہے۔

مسئلہ وحدت وجود میں شیخ علاء الدولہ کا اختلاف علماء کے طور پر مفہوم ہوتا ہے۔ اور ان کی جانب قُبح کی طرف ناظر ہے۔ اگرچہ یہ قبح کشف کے راستے سے آیا ہے۔ کیونکہ صاحب کشف انھیں بُرا نہیں جانتا۔ کیونکہ یہ مسئلہ احوال غریبہ کا متضمن اور معارف عجیبہ پر مشتمل ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ اس موطن میں قیام کرنا مستحسن نہیں۔ اور ان احوال و معارف پر اکتفا کرنا مُناسب نہیں۔

سوال: اس صورت میں مشائخ کو باطل پر ماننا پڑے گا۔ اور حق اُن کے مکشوف و مشہود کے ماسوا ہوگا۔

جواب: باطل یہ ہے کہ اس کا صحیح محمل و معنی نہ ہو سکے۔ اور ہمارے اس مسئلہ میں ان احوال و معارف کا منشا حق سُبحانہٗ کی محبت کا غلبہ اور اس بلند ذات کی محبت کا ایسے طور پر غلبہ ہے۔ جو ان کی نظر بصیرت میں ماسوا کا نام و نشان باقی نہیں چھوڑتا۔ اور غیر و غیریت کے اسم و رسم کو نیست اور لاشے کر دیتا ہے۔ اس وقت ناچار سُکر اور غلبۂ حال کے

باعث ماسوا کو معدوم جانے گا۔ اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہ دیکھے گا۔ یہاں باطل کیا چیز ہے اور بطلان کیا۔ یہاں تو حق کا غلبہ اور باطن کا بطلان ہے۔ اور ان بزرگوں نے محبت حق جل وعلا میں اپنے آپ کو اور اپنے علاوہ ہر شے کو بھی ترک کر دیا۔ اور اپنا اور اپنے غیر کا نام ونشان مٹا دیتے ہیں۔ نزدیک ہے کہ باطل ان کے سایہ سے بھی دور بھاگے۔ یہاں سب حق ہے اور حق کیلئے ہے۔ علماء ظاہر بین ان کی حقیقت سے کیا پا سکتے ہیں۔ اور مخالفت کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان کے کمالات سے کیا حاصل کرتے ہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ ان احوال ومعارف کے علاوہ کچھ ایسے کمالات بھی ہیں۔ جن کے سامنے یہ احوال ومعارف دریائے محیط کے سامنے قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آسمان[1] نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اور کہتے کہ حجابات کے زائل ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ کہ سیر آفاقی میں ظلمانی اور نورانی حجابات مکمل طور پر اُٹھ جاتے ہیں جیسا کہ گذرا فقیر کے نزدیک یہ بات محفل محلِ خدشہ ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت ومشہود ہو چکا ہے۔ کہ ظلمانی حجابات کا اُٹھنا تمام مراتب امکان کے طے ہونے سے وابستہ ہے۔ جو سیر آفاقی وانفسی سے میسّر آ جاتا ہے۔ لیکن نورانی' حجابات کا اٹھنا واجب تعالیٰ وتقدّس کے اسماء وصفات کی سیر سے مربوط ہے۔ یہاں تک کہ اس کی نظر میں نہ اسم باقی رہے نہ صفت۔ نہ شان باقی رہتی ہے نہ اعتبار۔ تو اس وقت اس کے لئے تمام نورانی حجابات اُٹھنے میسّر آ جاتے ہیں۔ تو وہ وصل عُریانی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ وصل حصول میں بہت کم اور یہ واصل بہت نادر الوجود ہے۔ پس سیر آفاقی میں معلوم نہیں کہ نصف ظلمانی حجابات اُٹھتے ہوں۔ نورانی حجابات کے اُٹھنے کی وہاں کیا صورت ہو سکتی ہے۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ ظلمانی حجابات کے مراتب مختلف ہیں۔ جو اشتباہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ مثلاً ظلمت میں نفسانی حجابات قلبی حجابات سے اوپر ہیں۔ تو قلیل الظلمۃ شخص اپنے آپ کو نسبتاً نورانیت کے عنوان سے ظاہر کرتا ہے۔ اور ظلمانی حجابات نورانی حجابات کی شکل میں متخیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ظلمانی ظلمانی ہے اور نورانی نورانی۔ تیز نگاہ والا ایک کو دوسرے سے خلط ملط نہیں ہونے دیتا۔ اور اشتباہ کے سبب کو پا لینے کی وجہ سے ظلمت پر نور کا حکم نہیں لگاتا'' یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ فضل عظیم والا ہے'' اور جس طریقے پر اس فقیر کو چلانے سے مشرف کیا گیا ہے۔ ایسا راستہ ہے جو جذبہ وسلوک کا جامع ہے۔ اور وہاں تخلیہ اور تجلیہ آپس میں اکٹھے اور اس مقام میں تصفیہ وتزکیہ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور اس میں سیر انفس' سیر آفاق کو متضمن ہے عین تصفیہ میں تزکیہ ہے اور عین تجلیہ میں تخلیہ اور جذبہ سلوک کو فراہم کرتا اور انفس آفاق کو شامل ہیں۔ لیکن تقدم ذاتی تجلیہ اور جذبہ کو شامل

[1] اگرچہ آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔ لیکن تو وہ خاک کی نسبت بہت بلند ہے۔

ہے۔ اور تصوفیہ کو تزکیہ پر سبقت ذاتی ہے۔ اور ملحوظِ نظر انفس ہیں نہ کہ آفاق۔ پس لازماً اس طریق میں راہ اقرب ہوگئی۔ اور سالک وصول میں نزدیک اتر ہوگیا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ طریق یقیناً منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اور اس میں عدمِ وصول کا احتمال مفقود ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے استقامت کی درخواست اور فرصت طلب کرنی چاہیئے۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ یہ طریق یقیناً پہنچانے والا ہے۔ اس لئے کہا ہے۔ کہ اس راہ کا پہلا قدم جذبہ ہے۔ جو وصول کی دہلیز ہے اور رُک جانے کے مواقع یا منازل سلوک ہیں یا مقامات جذبات میں جو سلوک کو متضمن نہیں۔ اور اس طریق میں دونوں موانع مرتفع ہیں۔ کیونکہ سلوک طفیلی ہے۔ جو جذبہ کے ضمن میں حاصل ہوتا ہے۔ پس یہاں نہ سلوک خالص ہے نہ محض جذبہ تا کہ سدِ راہ بنے۔ یہ وہ طریقہ ہے۔ جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شاہراہ ہے۔ یہ بزرگ (انبیاء علیہم السّلام) اسی راستے سے اپنے مختلف مراتب کے مطابق منازل وصول تک پہنچے ہیں۔ اور انہوں نے آفاق وانفس کو ایک قدم میں طے کیا اور دوسرا قدم آفاق وانفس سے باہر جا رکھا ہے اور معاملے کو سلوک اور جذبہ سے اوپر لے گئے۔ اس لئے کہ سلوک کی نہایت سیر آفاقی کی نہایت تک ہے۔ اور جذبے کی نہایت سیر انفسی کی نہایت تک۔ اور جب سیر آفاقی اور انفسی نہایت کو پہنچ گئی۔ سلوک و جذبہ کا معاملہ مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد یہ سُلوک ہے نہ جذبہ۔ یہ معنی ہر مجذوب سالک اور ہر سالک مجذوب کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک آفاق وانفس کے باہر قدم رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر بالفرض ابدی عمر پائیں۔ تو ساری کی ساری سیر انفس میں صرف کر دیں گے۔ اور پھر بھی اُسے تمام نہ کر سکیں گے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ذرّہ گر بس نیک در بس بدبود گرچہ عمرے تنگ زند درخود بود

جیسا کہ گذرا۔ اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ذات کی تجلی متجلی لہٗ کی صورت میں ہی ہوسکتی ہے۔ پس متجلی لہٗ نے اپنی صورت کے سوا حق کے آئینہ میں کچھ نہیں دیکھا۔ اور اس نے حق کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ممکن ہے کہ اُسے دیکھ سکے۔

جاننا چاہیئے کہ میرے پیر اور بخدا میرے رہنما جن کے توسّل سے میں نے اس راستے میں آنکھیں کھولی ہیں اور اُن کے توسّط سے طریقت میں لب کشائی کی ہے۔ اور طریقت میں الف و با کا سبق انہی سے لیا ہے۔ اور مولویت کا ملکہ بھی میں نے انہی کی توجہ شریف سے حاصل کیا ہے۔ اگر مجھ میں علم ہے تو انہی کی طفیل اور اگر معرفت ہے تو وہ بھی انہی کے التفات کا اثر ہے۔ میں نے اندراج النہایہ فی البدایہ کا طریقہ انہی سے سیکھا ہے۔ اور قبولیت کے طریقہ پر نسبتِ انجذاب بھی انہی سے اخذ کی ہے۔ اور ان کی ایک نگاہ سے میں نے وہ کچھ دیکھا ہے۔ کہ لوگ چالیس دن کے چلہ میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور اُن کے ایک التفات سے میں نے وہ کچھ پایا کہ

دوسرے سالہا سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتے [1]

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظر شمس دین طعنہ زند بر دہ سحرہ کند پر چلّہ

اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے۔ [2]

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار اند کہ برند از راہِ پنہاں بحرم قافلہ را

ان نقشبندی بزرگوں نے علوِ فطرت اور بُلند ہمت کی بناء پر طریقت کی ابتداءِ سیر انفسی سے قرار دی ہے۔ اور سیر آفاقی کو اس کے ضمن میں طے کیا ہے۔ ان بزرگوں کی عبارات میں ''سفر در وطن'' اسی سیر سے کنایہ ہے۔ ان بزرگوں کے طریق میں راہ بہت قریب اور وصول بہت نزدیک ہے۔ اور دوسروں کی سیر کی نہایت ان بزرگوں کی ابتداء ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا ہے'' ہم نہایت کو ہدائت میں درج کرتے ہیں۔ الغرض تمام طُرق مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار جمیعہم کے درمیان ان بزرگوں کا طریقہ بہت بُلند ہے۔ اور یہ کہنا روا ہے کہ دوسروں کی اکثر آگاہیوں سے ان کا حضور اور ان کی آگاہی فائق اور رافع ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بُلند ہے اور اس نسبت سے مراد ان کی یہی حضور و آگاہی ہے۔ لیکن چونکہ ولایت اولیاء کی قدم گاہ و گذر گاہ آفاق و انفس اور سلوک و جذبہ کے ماوراء اور ماسوا نہیں اس بناء پر مجبوراً ان بزرگوں نے آفاق و انفس سے باہر کی خبر نہیں دی اور جذبہ و سلوک سے اوپر کے متعلق گفتگو نہیں کی۔ یہ بزرگ کمالات ولایت کے اندازہ کے مطابق فرماتے ہیں'' اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں۔ اور جو کچھ سنتے ہیں۔ اور ان کی حیرت اپنے وجود میں ہوتی ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ اور تمہارے زندر ہے کیا تم نہیں دیکھتے۔

اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ان بزرگوں نے اگرچہ انفس سے باہر کی خبر نہیں دی۔ تاہم انفس میں گرفتار بھی نہیں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ انفس کو بھی آفاق کی طرح لَا کے نیچے لائیں اور غیریّت کی وجہ سے اس کی بھی نفی کر دیں۔ حضرت خواجہ بزرگ قدس سرّہٗ فرماتے ہیں'' جو کچھ دیکھا گیا ہے یا سنا گیا یا جانا گیا سب غیر ہے اور کلمہ لَا کی حقیقت اس کی نفی کرنی چاہیئے۔ [1]

نقش بند ند و لے بند بہر نقش نیند ہردم از بو العجبی نقشِ دگر پیش آرند

نقشبند [2] نے ولیک از نقش پاک نقش ماہم گرچہ پاک از لوح خاک

---

[1] شمس دین نے تبریز میں جو کچھ ایک نگاہ میں پایا۔ وہ دس روزہ خلوت پر طعنہ زن اور چالیس روزہ چلّے کا مذاق اڑاتا ہے۔

[2] نقشبندی بزرگ عجیب قافلہ سالار ہیں۔ کہ پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔

[1] نقشبند کہلاتے ہیں۔ مگر کسی نقش میں بند نہیں ہیں۔ اپنے کمال اور ابو العجبی سے ہر ساعت عمدہ نقش پیش کرتے ہیں۔

[2] نقشبند کہلاتے ہیں لیکن ہر نقش سے پاک ہیں۔ اگرچہ ہمارا نقش بھی لوحِ خاک سے پاک ہے۔

یہاں ایک سِرّ ہے جاننا چاہیئے کہ غیریت کی نفی کرنا اور ہے اور غیریّت کے خود بخود منتفی ہو جانا امر دیگر۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور میں نے جو کہا ہے۔ کہ ولایت کے لئے جذبہ وسلوک اور آفاق وانفس سے باہر قدم گاہ نہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ ولایت کے ان ارکانِ اربعہ سے اوپر کمالاتِ نبوت کے مبادی اور مقدمات ہیں۔ کہ ولایت کے ہاتھ اس بلند و بالا درخت تک پہنچ سکتے۔ انبیاء علیہم والصلوات والتسلیمات کے اکثر اصحاب اور اصحاب کے علاوہ امتیوں میں سے بہت کم لوگ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات کی تبعیّت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مستفید ہوئے ہیں۔ اور جذبہ وسلوک کی شاہراہ کے ذریعے دوری کے منازل طے کر کے وجذبہ سے بادقدم رکھا ہے اور دائرہ ظلال سے مکمل طور پر باہر نکل کر انفس کو آفاق کی طرح پیچھے چھوڑ دیا ہے اور اس مقام میں تجلّی برقی ذاتی جو دوسروں کو لحہ کے لئے چمکنے والی بجلی کی طرح نصیب ہوتی ہے۔ ان کو دائمی طور پر حاصل ہے۔ بلکہ اُن بزرگوں کا معاملہ تجلّی سے اوپر ہے چاہے برقی ہو چاہے غیر برقی۔ کیونکہ تجلّی بھی ایک طرح کی ظلیّت چاہتی ہے۔ اور ظلیت کا ایک نقطہ بھی ان بزرگوں پر عظیم پہاڑ کی طرح بھاری ہے۔ ان بزرگوں کے کام کی ابتدا جذب ومحبت الٰہی جلّ سلطانہٗ سے اور جب خداوند جلّ سلطان وعظم شانہٗ کی عنایت بے نہایت سے یہ محبت ساعت فساعت غلبہ کرتی چلی جاتی ہے۔ اور قوت وتسلّط پیدا کر لیتی ہے۔ تو ناچار ماسوا کی محبت درجہ بدرجہ رُو بزوال ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اغیار سے گرفتاری کا تعلق بتدریج ہٹتا چلا جاتا ہے۔ اور جب کسی صاحبِ دولت سے محبتِ خداوندی جلّ سلطانہٗ کے غلبہ کے باعث ماسوا کی محبت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ جنابِ قدس خداوندی کی محبت وگرفتاری لے لیتی ہے۔ تو لازماً اوصافِ رذائل اور اخلاقِ ردیّہ پورے طور پر اس سے دُور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اور مقامات[1] عشرہ سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور جو کچھ سیر آفاقی سے تعلق رکھتا تھا بے مشقت سلوک وتفصیل اور بے ریاضات ومجاہدات شدیدہ میسر آ جاتا ہے۔ کیونکہ محبت محبوب کی اطاعت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور محبت کمال کو پہنچ گئی اطاعت پورے طور پر حاصل ہو گئی۔ اور جب محبوب کی اطاعت بروجہِ اتم قوتِ بشری کے اندازہ کے مطابق حاصل ہو گئی تو مقاماتِ عشرہ بھی حاصل ہو گئے۔ نیز اسی سیر محبوبی کے ساتھ جس سیر آفاقی میسّر ہو گئی۔ سیر انفسی بھی انتہا کو پہنچ گئی۔ کیونکہ مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

[2] اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ آدمی اس کے ساتھ ہے۔ جس سے اُسے پیار ہے۔

اور جب کہ محبوب آفاق وانفس سے ماوراء ہے۔ محبّ کو بھی تقاضا معیّت کے مطابق آفاق وانفس سے آگے نکلنا چاہیے۔ اس لئے لازماً سیر انفسی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہے۔ اور معیّت کی دولت حاصل کرتا ہے پس یہ بزرگ دولتِ معیّت کی وجہ سے نہ تو آفاق سے سروکار رکھتے ہیں نہ انفس سے۔ بلکہ آفاق وانفس ان کے کاروبار کے تابع

---

[1] یعنی توبہ، صبر، شکر، زہد، توکل، قناعت اور رضا وغیرہ

[2] بخاری ومسلم شریف۔

ہے۔اور سلوک و جذبہ ان کے معاملے کا طفیلی۔ان بزرگوں کا سرمایہ محبت ہے۔جسے محبوب کی اطاعت لازم ہے۔ اور محبوب کی اطاعت شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام والتحیۃ۔جو اس کا پسندیدہ دین ہے۔لہٰذا کمال محبت کی علامت شریعت کی کمال بجا آوری کو قرار دیا گیا ہے۔اور شریعت کی کامل طور پر بجا آوری علم' عمل اور اخلاص سے وابستہ ہے۔ایسا اخلاص جو تمام اقوال و اعمال اور جمیع حرکات وسکنات میں پایا جائے۔جو مخلص بفتح لام کا حصہ ہے۔مخلصین بکسر لام اس امر دشوار کو کیا پا سکتے ہیں''مخلصین بڑے خطرے میں ہیں'' کا مقولہ آپ نے سُنا ہوگا۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں۔کہ سیر وسلوک اور جذبہ وتصفیہ کس مقصود اخلاق ردّیہ اور اوصاف رذیلہ سے نفس کی تطہیر اور پاکیزگی ہے۔کہ ان تمام رذائل اور اخلاق رویّہ کی رئیس اور سردار نفس' اس کی مرادوں اور اس کی خواہشات کے حصول میں گرفتار رہنا ہے۔اس لئے سیر انفسی سے چارہ نہیں اور نہ صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف (اس کے بغیر) گذر ہوسکتا ہے۔اور سیر افاقی مقصود سے خارج ہے۔کوئی مفید غرض اس سے متعلق نہیں ہے۔کیونکہ آفاق سے گرفتاری انفس سے گرفتاری کے واسطہ سے ہے اس لئے کہ جس چیز سے بھی انسانی دوستی ہے۔اپنے آپ سے دوستی کی وجہ سے ہے۔اور اگر انسان مال واولاد سے محبت کرتا ہے۔اپنے نفع اور فائدے کے لئے کرتا ہے۔اور جب سیر انفسی میں حق جل وعلا کی محبت کے غلبہ کے باعث اپنی ذات سے دوستی زائل ہوگئی تو اس کے ضمن میں مال واولاد سے دوستی بھی زائل ہوگئی۔پس سیر انفسی تو ضروری ہے اور سیر آفاقی طفیلی طور پر اس کے ضمن میں میسر آجاتی ہے۔اِسی لئے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی سیر انفس میں منحصر تھی۔اور آفاقی طفیلی طور پر ضمن میں طے ہوجاتی تھی۔ہاں سیر افاقی بھی اچھی چیز ہے۔اگر اس کے طے کرنے کی فرصت دیں۔اور رکاوٹوں کے درمیان میں حائل ہونے کے بغیر ہی انجام تک پہنچا دیں۔اور اگر اس کے طے کرنے کی فرصت نہ دیں اور رکاوٹوں میں مبتلا کردیں تو نزدیک ہے۔کہ سیر آفاقی لایعنی کاموں میں شمار ہوجائے اور حصولِ مطلوب کے مواقع میں داخل ہوجائے۔سیر انفسی جس قدر طے ہوسکے غنیمت ہے۔کیونکہ یہ بدی سے نیکی کی طرف جانا ہے۔نعمتِ عظیم ہے۔اگر اس سیر کو بندہ انجام تک لے جائے۔اور دائرہ انفس سے باہر ٹہلنا شروع کردے۔کیا ضرورت ہے کہ (سالک) تلونیات نفس کو آفاق کے آئینہ میں مشاہدہ کرے۔اور اپنے تغیرات کا آفاق میں معائنہ کرے جس طرح اپنے صفائے قلب کو مثلاً آئینہ مثال میں معلوم کرے اور اسی صفائی کو نور سُرخ کی صورت میں بھی دیکھے۔اپنی قوتِ باطن کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔اور اس کی صفائی کو اپنی فراست کے سُپرد کیوں' نہیں کرتا۔ مثال مشہور ہے۔کہ بارہ سالہ لڑکے کے طبیب کی کیا حاجت ہے۔کیونکہ سالک اپنے وجدان صحیح سے اپنے احوال کی تلونیات کو پالے گا۔اور فراست سے ہی اپنی صحت وسقم کو معلوم کرے گا۔ہاں یہ بات ضرور ہے کہ سیر آفاقی میں علوم ومعارف اور تجلیات وظہورات بہت ہیں۔لیکن ان سب کا رجوع ظلال کی طرف ہے۔اور شبہ ومثال سے تسلی گیر ہونے کی بات ہے۔جب کہ سیر انفسی بھی ظلال سے تعلق رکھتی ہے۔جیسا کہ (میں نے) رسائل ومکاتیب

میں اس کی تحقیق کی ہے۔ تو چاہیئے کہ سیر آفاقی ظل الظل سے متعلق ہو۔ کیونکہ آفاق انفس کے لئے ظل کی طرح اور اس کے ظہور کا آئینہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انفس کے احوال کو جو آفاق کے آئینے میں مشاہدہ کرتے اور صفا و تجلیہ کو وہاں سے معلوم کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص خواب یا واقعہ میں عالم مثال کے اندر اپنے آپ کو بادشاہ یا قطب بنا ہوا دیکھے۔ فی الحقیقت وہ شخص نہ بادشاہ ہے نہ قطب۔ بادشاہ اور قطب وہ ہیں جو خارج میں ان دو مرتبوں سے مشرّف ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے۔ کہ اس خواب اور اس واقعہ سے دیکھنے والے کے بادشاہ یا قطب بننے کی استعداد معلوم ہوتی ہے۔ سخت جان ماری کی ضرورت ہے تا کہ معاملہ قوت سے فعل اور گوش سے آغوش تک پہنچ سکے۔ اور جس کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں تزکیہ اور تجلیہ سیرِ انفسی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ سیر آفاقی میں جو کچھ دیکھا ہے وہ تزکیہ و تجلیہ کی استعداد و قابلیت ہے پس خارج میں اپنے آپ کو سیر انفسی کے ساتھ مزکّٰی اور مطہر نہیں دیکھ سکتا۔ اور صرف وجدان سے اپنے آپ کو مصفا نہیں پا سکتا۔ فی الحقیقت فنا سے اُسے کچھ حصہ نہیں۔ اور مقامات عشرہ کے ساتھ موصوف ہونے سے بے بہرہ ہے۔ اور اطوار[1] سبعہ سے چھلکے کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آیا۔ پس ناچار سیر انفسی سیر الی اللہ میں داخل ہوگئی اور سیر الی اللہ کا تمام ہونا جو مقام فنا ہے' سیر انفسی کے تمام ہونے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور سیر فی اللہ کی جو کئی مراحل سیر انفسی کے بعد ہے صورت سامنے آتی ہے۔[2]

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَّ دُوْنَهَا قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

اسے سعادت کے آثار والے! سیر انفسی میں علمی اور حقی تعلق جو ذات سالک سے منسوب تھا' زائل ہوگیا۔ اور جو گرفتاری اُسے اپنی ذات سے تھی' اُٹھ گئی تو دوسروں کی گرفتاری بھی اس کی ذات سے گرفتاری' کے زوال کے ضمن زائل ہوگئی۔ کیونکہ دوسروں کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری کے واسطہ سے تھی۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اوپر مذکور ہوئی۔ پس یہ بات درست ہوگئی۔ کہ سیر آفاقی سیر انفسی کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ اور سالک اس ایک سیر کے ساتھ ہی اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری اور دوسروں کی گرفتاری سے نجات پا جاتا ہے۔ تو اس کے اندازے کے مطابق سیر انفسی اور سیر آفاقی کے معنی کی تحقیق درست ہوگئی کیونکہ فی الحقیقت سیر انفس میں ہوتی ہے۔ لیکن وہی سیر آفاق میں بھی ہے۔ اس لئے کہ بتدریج انفس سے تعلقات قطع کرنا انفس میں سیر ہے۔ اور سیر انفسی کے ضمن میں آفاق سے قطع تعلقات کی جو صورت بنتی ہے۔ وہ آفاق میں سیر ہے۔ بخلاف دوسروں کی سیر آفاقی اور سیر انفسی کے۔ کیونکہ وہ تکلّف کی محتاج ہے جیسا کہ گذرا۔ ہاں ہاں جہاں حقیقت ہے وہاں تکلّف سے آزادی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبحَانه' الموفق.

---

[1] یعنی عالم خلق و امر کے سات لطائف کے حالات۔

[2] سُعاد معشوقہ تک پہنچا کس طرح ممکن ہے۔ جب کہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور دشوار گذار پگ ڈنڈیاں واقع ہیں۔

سُن پھر سُن! کہ سیر انفسی میں سالک کے آئینے میں واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات کا ظہور جو کہا گیا ہے سے تجلیہ بعد از تخلیہ کا خیال کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت اسماء وصفات کا ظہور نہیں ہے اور نہ ہی تجلیہ بعد از تخلیہ ہے۔ بلکہ وہ ظہور اسماء وصفات کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہے جو تخلیہ کا سبب ظہور ہے اور تزکیہ اور تصفیہ کو آسان کرنے والا ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ ابتدا حضرت حق تعالیٰ ی طرف سے ہوتی ہے۔ جو مبدائیت کے مُناسب ہے۔ طالب کے آئینے میں اولاً مطلوب کے ظلال میں سے کسی ظل کا ظہور ہوتا ہے۔ تا کہ طالب کی تاریکیوں اور اس کے میل کچیل کو دور کر دیں۔ اور اُسے تزکیہ اور تصفیہ حاصل ہو۔ تاریکیوں کے دُور ہونے اور تزکیہ اور تصفیہ کے حاصل ہونے کے بعد جو مکمل طور پر سیر انفسی سے وابستہ ہے تخلیہ کی صورت بنتی ہے۔ اور تجلیہ کی استعداد پیدا ہوتی ہے واجب تعالیٰ جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات کے ظہور کے قابل ہوتا ہے۔ لہٰذا سیر انفسی سے میں تخلیے کو حاصل کیا جاتا ہے۔ جو تزکیہ وتصفیہ سے وابستہ ہے۔ اور جس تخیے کا وہم سیر آفاقی میں ہوا تھا۔ وہ تخلیے کی صورت تھی نہ کہ حقیقت تخلیہ تا کہ سیر انفسی میں ہی حصول تخلیہ اور ظہور متصور ہو۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے۔ اس بیان سے لازم آیا۔ کہ ظلی وابستگی گسستن' (تعلقات توڑنے) پر مقدم ہے۔ جب تک مطلوب کے ظلال میں سے کوئی ظل سالک کے آئینے میں منعکس نہ ہو' غیر مطلوب سے قطع تعلق متصور نہیں ہوتی۔ لیکن اصل سے وابستہ ہونا گسستن قطع تعلق کے بعد ہے۔ لہٰذا مشائخ میں سے جنہوں نے پیوستن کو مقدم رکھا ہے۔ تو اس سے ظِلّی پیوستگی مراد لینی چاہیئے۔ اور جنہوں نے گسستن کو پیوستن پر مقدم کیا ہے۔ تو اس سے اصل سے پیوستگی مراد لی جائے تا کہ فریقین کی نزاع لفظی بن جائے۔

اور شیخ ابو سعید خراز قدس سرہ اس مقام میں متوقف ہے۔ وہ کہتا ہے "تا نر بی نیابی نر ہی ندانم کدام پیش بود" یعنی جب تک قطع تعلق نہ کرے گا۔ مقصود نہ پائے گا اور جب تک مقصود کو نہ پائے گا۔ غیر سے قطع تعلق میں کامیاب نہ ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے پہلے کس کا وقوع ہوتا ہے معلوم ہوگیا کہ ظل کی یافت تعلقات سے آزاد ہونے کے بعد ہے اور اصل کی یافت آزاد ہونے کے بعد۔ لہٰذا کوئی اشتباہ نہ رہا۔ جس طرح صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے سورج کے انوار کے ظلال کا ظہور ہوتا ہے۔ تا کہ عالم کو ظلمات سے خالی کرے اور صفائی عطا کرے ظلمات کے زوال اور صفائی کے حصول کے بعد نفس آفتاب کا طلوع ہوتا ہے۔ اس لئے آفتاب کے ظل کا ظہور ظلمات کے زوال سے پہلے ہے۔ اور نفس آفتاب کا طلوع ظلمات کے زائل ہونے کے بعد ہے۔ بادشاہوں کا جلوہ نما ہونا تخلیہ اور تصفیہ کے بعد مناسب ہوتا ہے۔ اگر چہ تخلیہ اور تصفیہ اُن کے مقدمۃ الجیش کے طلوع کے بغیر متصور نہیں ہے۔ تو حق ظاہر ہوگیا اور جھگڑا ختم ہوگیا اور اشتباہ دور ہوگیا۔

"وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْھِمُ"

مکتوب نمبر (۴۳)

مولانا محمد افضل کی طرف صادر فرمایا:

اس معنی کے بیان میں کہ اس بارگاہ میں ذوقِ یافت ہے یافت نہیں اور اندراج النہایہ فی البدایہ کے معنی میں جو اس بلند طریقہ کا خاصہ ہے اور اس کی دوسرے طریقوں پر افضلیت اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اس بلند طریقہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں واقع ہوا ہے۔ کہ اس حضرت جل سلطانہ میں ذوق یافت ہے نہ کی یافت۔ یہ بات نہایت کی ہدات میں اندراج کے مناسب ہے۔ جو ان بزرگوں کے جذبہ خاص کے مقام کے مناسب ہے۔ اس مقام یا یافت کی حقیقت ہے کیونکہ وہ انتہا کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن جب کہ نہایت کو ہدایت میں درج کرنے کی چاشنی ان بزرگوں نے اس میں ڈال دی ہے۔ اس لئے ذوقِ یافت یہاں میسّر آ جاتا ہے۔ اور جب جذبہ سے معاملہ باہر آتا ہے اور ابتدا سے وسط میں آتا ہے۔ تو ذوقِ یافت بھی یافت کی طرح عدم کی جانب رخ کر لیتا ہے۔ نہ یافت رہتی ہے اور ذوق یافت۔ اور جب کام نہایت تک پہنچتا ہے تو یافت میسّر آ جاتی ہے۔ اور ذوق یافت مفقود ہو جاتا ہے۔ اور جب منتہی کے حق میں ذوق یافت مفقود ہے تو التذاذ اور حلاوت بھی اس کے حق میں کمتر ہے۔ منتہی ذوق وحلاوت کو اوّل قدم میں ہی چھوڑ چکا ہے۔ اور آخر کار بے حلاوتی اور بے مزگی کے گوشہ گمنامی چلا جاتا ہے۔[1]

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمَ الْفِكْرِ ط

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم و بارک ہمیشہ غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

سوال: جب منتہی کو مطلوب کی یافت میسر آ گئی تو ذوق یافت کیوں مفقود ہو گیا۔ اور مبتدی جب کہ یافت سے بے بہرہ ہے تو اُسے ذوقِ یافت کہاں سے میسر آ گیا۔

جواب: یافت کی دولت منتہی کے باطن کے لئے ہے۔ جس سے اپنے ظاہر سے تعلق منقطع کرنے سے مشرف ہوا ہے۔ اور جب اس کے باطن کو اس کے ظاہر سے تعلق بہت کم رہ گیا ہے تو لازماً باطنی نسبت ظاہر میں سرایت نہیں کرتی اور باطنی کی یافت سے ظاہر کو کچھ ذوق ولذّت نصیب نہیں ہوتی پس منتہی کے باطن کو مطلوب کی یافت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے ظاہر کو ذوقِ یافت نہیں ہوتا باقی رہا ذوق باطن کہ یافت اس کا حصّہ ہے جب باطن نے

[1] ترمذی شریف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ کیفیت زیادہ فکر اور جلال الٰہی میں استغراق کے باعث ہوتی تھی ظاہر میں آپ کا اکثر متبسم رہنا تالیف قلب اور شفقت کے طور پر ہوتا تھا۔

بے چونی سے حصہ پایا ہے۔ تو اس کا وہ ذوق بھی بے چونی کے جہاں سے ہوگا۔ اور ظاہر کے درک میں جو سراسر چون ہے نہیں آئے گا۔ لہذا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ظاہر باطن کے ذوق کی نفی کرتا ہے۔ اور باطن کو بھی اپنی طرح بے حلاوت جانتا ہے۔ کیونکہ چوں کا ذوق اور ہے اور بے چوں کا ذوق اور۔ اور جب کہ منتہی کا ظاہر بھی اس کے باطن سے بے خبر ہے۔ تو ظاہر بین عوام منتہی کے باطن سے کیا واقف ہونگے۔ اور انکار کے سوا اُن کے حصے میں کیا آئے گا۔ جو ذوق ان کے فہم میں اتا ہے ظاہر کا ذوق ہے۔ جو عالم چوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماع رقص ہاؤ ہو اور بے قراری وغیرہ جو ظاہر کے احوال اور صورت کے اذواق ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے نادر الوجود اور عظیم القدر ہیں۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ اذواق و مواجید کو انھیں مذکورہ امور میں منحصر جانیں۔ اور ولایت کے کمالات صرف انہی امور کو گمان کریں۔ اللہ سبحان انھیں سیدھی راہ رکھائے۔ ظاہر کے احوال باطنی احوال کی نسبت اس طرح ہیں جس طرح چوں بے چوں کے سامنے۔ تو ثابت ہوگیا کہ منتہی کا باطن یافت بھی رکھتا ہے اور ذوقِ یافت بھی۔ صرف اتنی بات ہے کہ جب وہ ذوق بے چونی کے عالم سے بہرہ ور ہے تو اس کے ظاہر کے ادراک میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ ظاہر اس ذوق کی نفی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر چہ یافت باطن کی ظاہر کو اطلاع ہے۔ لیکن اس یافت کے ذوق کو نہیں پا سکتا۔ پس نظر بہ ظاہر کہا جا سکتا ہے۔ کہ منتہی کو یافت میسر ہے لیکن ذوقِ یافت مفقود ہے۔ اور اس بلند طریقہ سے سمجھ دار مبتدی کیلئے جو فقدانِ یافت کے باوجود ذوق یافت ثابت کرتے ہیں۔ تو وہ اس وجہ سے ہے کہ بزرگ ابتداء میں انتہا کی چاشنی درج کرتے ہیں۔ انعکاس کے طور پر مبتدی رشید کے باطن میں نہایت کا پرتو ڈالتے ہیں اور جب کہ مبتدی کا ظاہر اس کے باطن سے مرتبط ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں قوتِ تعلق ثابت ہے تو لازماً نہایت کا وہ پرتو اور وہ چاشنی ولایت باطن سے مبتدی کے ظاہر کے کی طرف دوڑ آئی ہے۔ اور ظاہر کو اس کے باطن کی طرح رنگین کر دیتی ہے۔ اور یافت کا ذوق بے اختیار اس کے ظاہر میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات درست ہوگئی کہ مبتدی میں حقیقتِ یافت مفقود اور ذوق یافت موجود ہے۔ اس بیان سے اکابر نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بلندی اور ان کی بلند نسبت کی رفعت معلوم ہوتی ہے۔ اور مریدوں اور طالبوں کے حق میں ان بزرگوں کے حسنِ تربیت اور کمال اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ اور پہلے قدم میں ہی جو کچھ خود رکھتے ہیں طالبِ صادق مُرید رشید کو حوصلے کے مطابق عطا کر دیتے ہیں۔ اور ربطِ حبی کے تعلق کی بناء پر التفات وانعکاس سے اس کی تربیت کرتے ہیں۔

دوسرے سلاسل کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو ان بزرگوں کے صادر شدہ قول یعنی اندراج النہایۃ فی البدایۃ میں اشتباہ ہے۔ اور انھیں اس بات کی حقیقت میں شک و تردد ہے۔ اور وہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے کہ اس طریقہ کا مبتدی دوسرے طریقوں کے منتہی کے برابر ہو جائے۔ تعجب ہے کہ اس طریقہ کے مبتدی کی دوسرے طریقوں کے منتہی حضرات کے ساتھ مساوات انہوں نے کہاں سے سمجھی ہے۔ نقشبندی بزرگوں نے نہایت کو بدایت میں درج کرنے کی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔ اور یہ عبارت مساوات پر دلالت نہیں کرتی

اور (اس قول سے ان بزرگوں کا) مقصود یہ ہے کہ اس طریقہ میں شیخ منتہی اپنی توجہ وتصرف سے انعکاس کے طور پر اپنی نہایت کی دولت کی چاشنی سے مبتدی رشید کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس کی ہدایت میں اپنی نہایت کا نمک ملا دیتا ہے۔ مساوات کی جائے اشتباہ کہاں ہے۔ اور اس کی حقیقت میں شک کی کیا گنجائش ہے۔ اور اندراج بڑی دولت ہے۔ اس طریق کا مبتدی اگرچہ منتہی کا حکم نہیں رکھتا۔ تاہم نہایت کی دولت سے بے نصیب نہ رہے گا۔ اور نمک کا وہ ذرّہ اُسے مکمل طور پر ملیح اور نمکین کرے گا بخلاف دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے کہ نہایت سے بہت دور ہیں۔ اور منزلوں اور مسافتوں کے طے کرنے میں زیر بار ہیں۔ افسوس ہزار افسوس اگر انھیں ان منازل کے قطع کرنے کی فرصت نہ دیں اور مسافتوں کے طے کرنے کو ان کے حق میں تجویز نہ کریں۔ اور جب اس طریق کے مبتدی اور دوسرے طریقوں کے مبتدیوں کے درمیان فرق واضح ہو گیا اور اس مبتدی کی فضیلت دوسرے ارباب بدایت پر ظاہر ہو گئی۔ تو جاننا چاہیئے کہ اس طریق کے منتہیوں اور دوسرے طرق کے منتہیوں میں بھی اس قدر فرق ہے اور اس منتہی کی دوسرے طرق کے منتہیوں پر اسی مقدار میں ثابت ہے۔ بلکہ اس طریقہ مالدکی نہایت دوسرے تمام طرق کے مشائخ کی نہایات سے وراء الوراء ہے۔ میری اس بات کا انھیں یقین آئے یا نہ آئے۔ اگر انصاف سے کام لیں گے تو شاید باور کر لیں۔ وہ نہایت جس کی بدایت نہایت آمیز ہو دوسروں کی نہایات سے البتہ ممتاز ہو گی۔ اور بہر حال باقی تمام نہایتوں کی نہایت ہو گی۔

سالیکہ نکوست از بہارش پیدا است[1]

دوسرے سلاسل کے متعصب لوگوں کی ایک جماعت ہمیں کہی ہے کہ ہماری نہایت وصول بحق سُبحانہٗ ہے۔ اور تم اُسے اپنی ہدایت کہتے ہو۔ تو حق سے آگے کہاں جاؤ گے۔ اور حق سے آگے تمہاری نہایت کیا چیز ہو گی۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم حق سے حق جلّ سلطانہٗ کی طرف جاتے ہیں۔ اور شائبہ ظلیت سے بھاگ کر اصل الاصل کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور تجلیات سے اعراض کر کے متجلی کو طلب کرتے ہیں اور ظہورات کو پیچھے چھوڑ کر ظاہر کو باطن بطون میں چاہتے ہیں۔ اور جب کہ ابلیّت میں مختلف مراتب ہیں۔ اس لئے ایک ابطنیّت سے دوسری ابطنیّت کی طرف جاتے ہیں۔ اور اس دوسری ابطنیّت سے تیسری ابطنیّت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہیئے۔ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اگرچہ بسیط حقیقی ہے۔ لیکن فراخ بھی ہے۔ نہ وہ وسعت جس میں طول وعرض ہو۔ کیونکہ وہ تو نشاناتِ امکان اور علامات حدوث میں سے ہے بلکہ اس بلند ذات کی وسعت اس سُبحانہ کی طرح بے چوں و بے چگون ہے۔ اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی بے چوں و بے چگون ہے۔ اور جو سیر اس وسعت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی بے چوں و بے چگون ہے۔ اور صاحب سیر بھی چونی اور چندی کے باوجود بے چونی اور بے چگونی کی قوت سے ان بے چونی کی منازل کو قطع کرتا ہے اور چوں سے بے چوں میں آ جاتا ہے۔ بے سروسامان بے چارے حقیقت معاملہ کو کیا پائیں۔ عالم چوں میں گرفتار

[1] سال کی خوبی اور تازگی اس کی بہار کے دم قدم سے ہے۔

بے چوں سے کیا خبر دے سکتے ہیں۔ اپنی نارسائی کو اعتراض گمان کرتے ہیں اور اپنی نادانی سے فخر و مباہات کرتے ہیں۔[2]

بے خرم حند ز خود بے خبر عیب پسند ند بزعم ہنر

اس قدر نہیں سمجھتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت بلکہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلمات والتحیات کی نہایت بھی حق سُبحانہٗ ہے۔ اور اعتراض کرنے والوں کی نہایت اِن بزرگوں انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی نہایت کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں نہایتیں ایک دوسری سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ ایک جماعت کو ایسی نہایت میسر آچکی ہو جو ان اعتراض کرنے والوں کی نہایت سے وراء ہو۔ لیکن ان بزرگ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی نہایت سے نیچے ہو۔ تو درست ہوگیا کہ سب کہ نہایت حق سبحانہٗ ہے۔ اور گروہوں کے درمیان ان کے درجات کے مطابق فرق و تفاوت ہے۔ یا ہم یوں کہتے ہیں کہ سب اپنی نہایت وصول بحق جل سلطانہٗ ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جو حق کے ظلال اور ظہورات کا اُن ظلال وظہورات کے تفاوت کے باوجود حق تعالیٰ وتقدس سمجھ لیتے ہیں۔ پس تمام اربابِ نہایات کی نہائتیں نفس الامر میں وصول بحق تعالیٰ وتقدس نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گمان کے مطابق اس کا منتہا حق سُبحانہٗ ہے۔ جس کے ماوراء بھی ظلال اور ظہورات ہیں اور یہ کوئی بعید نہیں اور یہ بات کس طرح انکار واشتباہ کا محل ہوسکتی ہے۔

قاصرے[1] گر کند ایں طائفہ را طعن قصور حاشِ لِلّٰہ کہ بر آرم بزبان این گلہ را

ہمہ شیر انِ جہان بستہ ایں سلسہ اند رو بہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

مکتوب نمبر (۴۴)

محمد صادق ولد محمد مومن کی طرف صادر فرمایا:

اس کے استفسار کے جواب میں اس نے وحدت الوجود کے متعلق کیا تھا۔ اور علوم شرعیہ سے اس کی تطبیق دینا۔ نیز انہوں نے دریافت کیا تھا کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَبْدًا الخ کے کیا معنی ہیں۔ اور اس کے مُناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ آپ نے پوچھا تھا کہ صوفیہ وحدت وجود کے

---

[2] چند بے عقل اپنے آپ سے بخبر اپنے زعم میں عیب کو کمال خیال کرتے ہیں۔

[1] کوئی کوتاہ فکر اس گروہ میں نقص وکمی کا عیب نکالے تو حاشِ للّٰہ کہ میں اس گلے کو زباں کرلاؤں۔ جہان کے تمام شیر اس سلسلہ سے منسلک ہیں۔ لومڑی حیلے بہانے سے اس سلسلے کو کیسے درہم برہم کرسکتی ہے۔

قائل ہیں۔ اور علماء اُسے کفر و زندقہ جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں گروہ فرقہ ناجیہ ہیں۔ اس معاملے کی حقیقت تیرے نزدیک کیا ہے۔ محبت کے آثار والے! اس بحث کی تحقیق فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں تفصیل سے لکھ دی ہے۔ اور فریقین کے اختلاف کو نزاع لفظی قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود جب آپ نے دریافت کیا ہے تو سوال کا جواب ضرور دینا چاہیے۔ اس لئے ضرورۃً چند کلمات لکھے ہیں۔

جان لیں کہ صوفیہ علیہ میں سے جو وحدتِ وجود کے قائل ہے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم لگاتا ہے۔ اس کی مراد یہ نہیں کہ اشیا حق جل وعلا کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہہ تنزل کر کے تشبیہہ ہوگئی ہے۔ اور واجب ممکن بن گیا ہے۔ اور بے چون چوں میں آ گیا ہے۔ کیونکہ یہ سب کفر و الحاد اور ضلالت و زندقہ ہے۔ وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل ہے نہ تشبیہہ۔ تو وہ سُبحانہٗ لآن کما کان ہے۔ تو پاک ہے وہ جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہوسکتا ہے نہ صفات میں اور نہ حدوثِ اکوان میں اپنے اسماء کے اندر متغیر ہوسکتا ہے۔ وہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی اسی صرافتِ اطلاق پر ہے۔ اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی کی طرف میلان نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمہ اوست کا معنی ہے کہ اشیاء نہیں ہیں اور وہ تعالیٰ وتقدس موجود ہے۔ منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ معنی کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب۔ بلکہ اس کے قول کا معنی ہے۔ میں نہیں ہوں حق سُبحانہٗ موجود ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ وتقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور اس سُبحانہٗ کے اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں بے شائبہ تنزل اور تغیر وتبدل کے گمان کے بغیر۔ جس طرح سایہ شخص سے دراز ہوتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتے کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بلکہ وہ شخص اپنی اصالت کی صرافت پر ہے۔ اور سایہ اس سے وجود میں آیا ہے۔ بے شائبہ تنزل وتغیر۔ اگرچہ بعض اوقات ایک جماعت کو جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمال محبت پیدا کر لی ہوتی ہے۔ ان کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور شخص کے سوا کوئی چیز انہیں مشہود نہیں ہوتی۔ ہوسکتا ہے۔ کہ ایسے لوگ کہیں کہ سایہ شخص کا عین ہے۔ یعنی سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے۔ اور بس۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیہ کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کے ظہورات میں نہ حق جل سلطانہ کا عین پس پس اشیاء حق سے ہیں نہ کہ حق جل شانہٗ ہیں۔ پس ان کے اس کلام ہمہ اوست کا معنی ہمہ از اوست ہے جو علماء کرام کا مختار ہے۔ اور علماء کرام اور صوفیہ عظام کثرہم اللہ سبحانہ الیٰ یوم القیامۃ کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتی۔ اور دونوں باتوں کا مآل وانجام ایک بن جاتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ صوفیہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ حلول اور اتحاد کے وہم سے بچنے کے لئے۔

سوال: صوفیہ اشیاء کو ظہورات قرار دیتے کے باوجود معدوم خارجی جانتے ہیں۔ اور خارج میں حق سُبحانہٗ کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے۔ اور علماء اشیاء کو موجودات خارجیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا فریقین کے درمیان نزاع معنوی

ثابت ہوگئی۔

جواب: صوفیہ اگرچہ عالم کو معدوم خارجی جانتے ہیں لیکن خارج میں اس کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں اور اُسے اراءۃ خارجی کہتے ہیں۔ اور وہمی خارجی کثرت کا انکار نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اسوہمی وجود نے جو خارج میں نمود پیدا کیا ہے۔ اس قسم کے وجودات خارجیہ میں سے نہیں جو وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ اور قیام واستقرار نہ رکھے۔ بلکہ یہ وہمی وجود اور یہ خیالی نمود چونکہ حق سبحانہٗ کے فعل اور اس بلند ذات کی قدرت کاملہ کے انتقاش سے ہے۔ اس لئے زوال اور خلل سے محفوظ ہے۔ اور اس جہان اور اس جہان کا معاملہ اس سے وابستہ ہے۔ سوفسطائی جو عالم کو اوہام وخیالات جانتا ہے' اشیاء کا زوال وہم کے زوال سے متعلق کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اشیا کا وجود ہمارے اعتقاد کے تابع ہے۔ نفس امر میں وجود وثبوت نہیں رکھتے۔ اگر آسمان کو زمین اعتقاد کریں تو زمین ہے اور زمین ہمارے اعتقاد سے آسمان ہے۔ اور اگر شیریں چیز کو تلخ جانیں تو تلخ ہے۔ اور تلخ ہمارے اعتقاد سے شیریں۔ مختصر یہ کہ یہ بے عقل لوگ صانع مختار جل سلطانہٗ کی ایجاد کا انکار کرتے ہیں اور اشیاء کو اس بلند ذات کے ساتھ قائم نہیں جانتے۔ تو خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

پس صوفیہ اشیاء کے لئے خارج میں وجود وہمی جو قیام واستقرار رکھتا ہے۔ اور وہم کے ارتفاع سے مرتفع نہیں ہوتا' ثابت کرتے ہیں۔ اور اس جہان کو جو دائمی اور ابدی ہے۔ اس وجود سے وابستہ رکھتے ہیں۔ علماء اشیاء کو خارج میں موجود جانتے ہیں۔ اور احکام خارج ابدی اس پر مرتب کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اشیاء کا وجود حق جل وعلا کے پہلو میں ضعیف ونحیف تصور کرتے ہیں۔ اور ممکن کے وجود کو واجب تعالیٰ وتقدس کے وجود کی نسبت نیست جانتے ہیں۔ پس فریقین کے نزدیک اشیاء کا وجود خارج میں ثابت ہوگیا کیونکہ اس دنیا اور آخرت کے احکام اس سے وابستہ ہیں۔ اور وہم وخیال کے ارتفاع سے اس کا زوال نہیں ہوتا۔ تو نزاع ختم ہوگئی اور خلاف دور ہوگیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ صوفیہ اُسے وجود وہمی کہتے ہیں۔ اس بناء پر کہ عروج کے وقت اشیاء کا وجود ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور حق جل وعلا شانہٗ کے وجود کے سوا ان کی نظر میں کچھ نہیں رہتا۔ علماء اس وجود پر وہم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں اور وجود وہمی نہیں کہتے۔ تاکہ کوئی کوتاہ نظر اس کے زوال کا اعتقاد نہ کرے۔ اور اس طرح ثواب وعذاب ابدی سے انکار کر بیٹھے۔

سوال: صوفیہ جو اشیاء کا وہمی وجود ثابت کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ یہ وجود قیام واستقرار کے باوجود نفس امری نہیں ہے۔ صرف وہم میں ہے اور نمود کے سوا اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور علماء اشیاء کو خارج میں نفس امری وجود کے ساتھ موجود مانتے ہیں لہٰذا نزاع واختلاف باقی رہا۔

جواب: وجود وہمی اور نمود خیالی جب کہ وہم وخیال کے زوال سے زائل نہیں ہوتا تو نفس امری ہوگیا اس لئے کہ اگر تمام وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کرلیں تب بھی یہ وجود ثابت رہتا ہے۔ ان کے زوال سے ہرگز زائل

نہیں ہوتا۔ اور واقع اور نفس الامر کے یہی معنی ہیں۔ البتہ اس قدر ہے کہ جو نفس الامر ممکن کے وجود میں ثابت کیا جاتا ہے۔ اس نفس الامر کے سامنے جو واجب تعالیٰ کے وجود میں ثابت ہے لاشئی کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے موہومات اور متخیلات میں سے شمار کیا جائے۔ جس طرح کلی مشکک کے افراد کہ آپس میں بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ جس طرح ممکن کا وجود کہ واجب تعالیٰ کے وجود کی نسبت لاشئی کا حکم رکھتا ہے۔ اور نزدیک ہے کہ اُسے عدمات میں شمار کریں۔ لہٰذا فی الحقیقت کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔

سوال: جب سب اشیاء کا وجود نفس الامری ہو گیا تو لازم آیا کہ نفس الامر میں اشیاء متعدد ہوں۔ اور نفس الامر میں ایک موجود نہ ہو۔ اور یہ وحدتِ وجود کے منافی ہے۔ جو صوفیہ وجودیہ کے ہاں طے شدہ امر ہے۔

جواب: دونوں چیزیں نفس امری ہیں۔ وحدتِ وجود بھی نفس امری ہے اور تعدّد وجود بھی نفس امری ہے۔ لیکن جب کہ جہت اور اعتبار مختلف ہے۔ اجتماع نقیضین کا وہم بھی مرتفع ہے۔ یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ زید کی صورت جو آئینے میں دکھائی دیتی ہے۔ درحقیقت آئینے میں کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ صورت نہ آئینہ کے جرم میں موجود ہے اور نہ ہی آئینہ کی سطح میں۔ بلکہ آئینہ میں اس صورت کا وجود وہم کے اعتبار سے ہے۔ اور آئینے میں اراۂ خیالی سے زیادہ اس کا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ میں نے زید کی صورت آئینے میں دیکھی ہے۔ اسے اس کلام میں عقلاً و شرعاً سچا جانتے اور حق پر گمان کرتے ہیں۔ اور جب کہ قسموں کا مبنیٰ حق پر ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ اللہ کی قسم میں نے زید کی شکل آئینے میں دیکھی ہے۔ تو چاہیئے کہ حانث نہ ہو۔ پس اس صورت میں آئینے میں صورتِ زید کا علومِ حصول بھی نفس امری ہے اور تخیل و توہم کے اعتبار سے آئینے میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن پہلا نفس امر خلقاً نفس امر ہے۔ اور یہ دوسرا نفس امر توہم و تخیل کے واسطہ سے عجب معاملہ ہے۔ توہم و تخیل کا اعتبار جو نفس امر کے منافی ہے۔ یہاں وہی نفس امر کا محصل بن گیا ہے اس لئے کہ اگر توہم و تخیل کا اعتبار نہ ہوتا تو یہاں نفس امر کا حصول و ثبوت نہ ہوتا۔

دوسری مثال۔ نقطہ جوالہ ہے جس نے توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں دائرے کی صورت پیدا کر لی ہے۔ یہاں خارج میں دائرے کا عدم حضور بھی نفس امری ہے اور توہم و تخیل کے اعتبار سے خارج میں اس کا حصول بھی نفس امری ہے۔ لیکن دائرے کا عدم حصول مطلقاً نفس امری ہے۔ اور اس کا حصول توہم و تخیل کے لحاظ سے نفس امری ہے تو پہلا مطلق اور دوسرا مقید ہے۔ تو ہماری اس بحث میں وحدتِ وجود مطلق نفس امری ہے۔ اور تعدّد وجود توہم و تخیل کے اعتبار سے نفس امری ہوا ہے۔ پس اطلاق و تقید کے ملاحظہ سے ان دونوں میں نفس الامر میں تناقض نہ رہا اور اجتماع نقیضین ثابت نہ ہوا۔

سوال: جب کہ سب وہم کرنے والوں کے وہم کا زوال فرض کر لیا جائے تو وجود وہمی اور نمودِ خیالی کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

جواب: یہ وہمی وجود محض اختراع وہم سے حاصل نہیں ہوا۔ کہ وہم کے زوال سے زائل ہو جائے۔ بلکہ حق تعالیٰ جلّ وعلا کے فعل سے مرتبہ وہم سے حاصل ہوا۔ اور استحکام پیدا کیا ہے۔ اس بناء پر ناچار وہم کے زوال سے خلل پذیر نہیں ہوتا۔ اور وجود وہمی اس اعتبار سے کہتے ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُسے مرتبہ حس ووہم میں اُسے پیدا فرمایا ہے۔ اور جب اس بلند ذات کا فعل خلق ہے تو جس مرتبہ میں بھی ہوگا زوال وخلل سے محفوظ ہے۔ اور حق سُبحانہ و تعالیٰ نے جب اُسے پیدا کیا ہے تو ناچار نفس امری بھی ہوا۔ جس مرتبے میں بھی اُسے پیدا کیا گیا ہو۔ اگرچہ وہ نفس نفس امری نہ ہو صرف اعتبار ہو۔ لیکن اس مرتبے میں اس کی پیدائش نفس امری ہے اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مرتبہ حس ووہم میں پیدا کیا ہے یعنی اشیاء کو مرتبہ ایجاد میں فرمایا ہے۔ کہ اس مرتبہ کے لئے حصول وثبوت نہیں ہے مگر صرف حس ووہم میں۔ جیسے ایک شعبدہ باز غیر واقع اشیاء کو واقع کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ایک چیز کو دس چیزیں کر کے دکھاتا ہے حالانکہ ان دس چیزوں کے لئے حسن ووہم کے سوا کوئی ثبوت نہیں اور نفس امر میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور ان دس چیزوں کو جو ظاہر کیا ہے۔ اگر قدرت کاملہ خداوندی جلّ سلطانہ سے ثبات واستقرار پیدا کر دیں۔ اور خلل اور جلد زائل ہونے سے محفوظ کر لیں۔ تو وہی دس چیزیں نفس الامری بن جائیں گی۔ تو اس اعتبار سے وہ دس چیزیں نفس امری ہیں بھی اور نہیں بھی۔ لیکن دو اعتبار سے۔ اگر مرتبہ حس ووہم سے قطع نظر کر لی جائے تو معدوم ہیں۔ اور اگر حس ووہم کا لحاظ کیا جائے تو موجود ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ بلادِ ہندوستان میں چند شعبدہ بازوں نے ایک بادشاہ کے سامنے شعبدہ بازی کی۔ اس درمیان میں طلسم وشعبدہ سے باغ اور آم کے درخت لوگوں کے سامنے لائے اور ایک عارضی نمود سے انہیں ظاہر کیا۔ اور انہوں نے اسی مجلس میں یہ بھی دکھایا کہ وہ درخت بڑے ہوئے۔ اور انھیں پھل بھی لگا۔ اور اہلِ مجلس نے ان پھلوں سے کچھ کھائے بھی۔ عین اسی وقت بادشاہ نے ان شعبدہ بازوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس نے سنا ہوا تھا کہ اگر ظہور شعبدہ کے بعد شعبدہ باز کو قتل کر دیں تو وہ شعبدہ قدرت خداوندی ظل سلطانہٗ سے اپنی حالت میں موجود رہتا ہے۔ اتفاق سے جب ان شعبدہ بازوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو آم کے وہ درخت قدرت خداوندی جلّ سلطانہٗ سے اسی حالت میں موجود رہے۔ اور میں نے سُنا ہے۔ کہ وہ درخت اس وقت تک موجود ہیں۔ اور لوگ ان کے میوے کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں۔

پس متنازع فیہ صورت میں حضرت حق سُبحانہ وتعالیٰ نے جس کے سوا خارج اور نفس امر میں کوئی موجود نہیں ہے اپنی قدرت کاملہ سے اسمائی اور صفائی کمالات کو ممکنات کی صورتوں کے پردے میں جس ووہم کے مرتبے میں ظاہر کیا ہے۔ اور وجود وہمی اور ثبوت خیالی سے ان کمالات کو اشیاء کے آئینوں میں جلوہ گر کیا ہے یعنی اشیاء کو ان کمالات کے مطابق مرتبہ حس ووہم میں ایجاد فرمایا تو انہوں نے نمودِ وہمی اور ثبوت خیالی پیدا کیا۔ لہٰذا اشیاء کی ہستی نمودِ خیالی کے اعتبار سے ہے۔ لیکن جب کہ حضرتِ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اس نمود کو استقرار وثابت عطا فرمایا

ہے۔اور اشیاء کی آفرینش میں استواری واستحکام کی رعایت کی ہے۔اور معاملہ ابدی کو ان سے مربوط کیا ہے۔اس بناء پر ناچار اشیاء کا وجود وہمی اور ثبوت خیالی نفس الامری ہو چکا ہے اور خلل سے محفوظ ہو گیا ہے۔لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اشیاء خارج میں نفس الامر کے اعتبار سے موجود ہیں بھی اور نہیں بھی لیکن دو مختلف اعتبار سے جیسا کہ مکرر گزرا۔

اس فقیر کے والد بزرگوار قدس سرّہٗ جو علماءِ محققین میں سے تھے فرماتے تھے کہ قاضی جلال الدین آگری نے جو متبحر علماء میں سے تھا مجھ سے پوچھا کہ نفس الامر میں وحدت ہے یا کثرت۔اگر وحدت ہے تو شریعت جس کا مبنیٰ احکام متبائنہ اور متمایزہ ہیں باطل ہوتی ہے۔اور اگر نفس الامر میں کثرت ہے تو ان صوفیہ کا قول باطل ہوتا ہے جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ نے اس کے جواب میں فرمایا دونوں نفس الامر میں ہیں۔اور اُس سے بیان فرمایا۔فقیر کے ذہن میں نہیں آ رہا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔جو کچھ اس وقت فقیر کے دل میں ڈالا گیا ہے تحریر کر دیا گیا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ

پس جو صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں حق پر ہیں اور علماء جو کثرتِ وجود کے معتقد ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔صوفیہ کے حالات کے مناسب وحدت ہے۔اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔کیونکہ شرائع کی بناء کثرت پر ہے۔اور احکام کا تغایر کثرت سے وابستہ ہے۔اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت اور اُخری تنعیم وتعذیب بھی کثرت سے متعلق ہے۔اور جب حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ مطابق فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کرادوں) کثرت کو چاہتا اور ظہور کو پسند کرتا ہے۔تو اس مرتبہ کو باری رکھنا بھی ضروری ہے۔کیونکہ اس مرتبہ کی تربیت اللہ رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔سلطان ذی شان کیلئے نوکر چاکر ہونے چاہئیں اور اس کی عظمت وکبریائی کے لئے خواری محتاجی اور شکستگی درکار ہے۔وحدت وجود کا معاملہ اگرچہ حقیقت کی مانند ہے اور اس کی نسبت کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح۔اسی طرح اس عالم کو عالمِ حقیقت کہتے ہیں۔اور اس عالم کو عالمِ مجاز۔لیکن چونکہ ظہورات اس بلند ذات کو پیارے لگتے ہیں۔اور اس نے اشیاء کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے۔اور قدرت کو لباس حکمت میں لایا ہے۔اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے۔اس بناء پر وہ حقیقت حقیقت مہجورہ کی طرح ہو گئی ہے۔اور یہ مجاز متعارف ہو چکی ہے۔نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے۔اور اس سے پیدا ہونے والا دائرہ مجاز کی طرح۔لیکن وہاں حقیقت مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے مجاز ہے۔

آپ نے اس قول اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبداً لَا یُضُرُّہٗ ذَنْبٌ کے معنیٰ بھی دریافت کئے تھے۔جان لیں کہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے۔تو گناہ اس سے صادر ہی نہیں ہوتا۔کیونکہ اولیاء حق جلّ و علا ارتکابِ ذنوب سے محفوظ ہیں۔اگرچہ ممکن ہے کہ گناہ ان سے صادر ہو بخلافِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے کہ وہ گناہ سے معصوم ہیں۔اور ان سے صدورِ گناہ کا جواز بھی مسلوب ہے۔اور جب گناہ اولیاء سے صادر نہیں ہوتا تو یقین ہے۔کہ گناہ ضرر بھی نہیں ہوگا۔پس عدم صدور ذنب کی صورت میں لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ درست ہے۔

جیسا کہ اربابِ علم پر پوشیدہ نہیں۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ذنب سے پہلا ذنب مراد ہو جو درجہ ولایت تک وصول سے پہلے صادر ہوا ہو۔

فَاِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ۔ بیشک اسلام ماقبل کی سب باتوں کو مٹا دیتا ہے۔

اور حقیقتِ حال خدا تعالیٰ سُبحانہٗ معلوم ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْاَخْطَاْنَا ط اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہ پکڑنا۔ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِمَاتُ الْعُلٰی۔

مکتوب نمبر (۴۵)

حقائق آگاہ' معارف دستگاہ خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سارا جہان واجب جل سلطانہٗ کے اسماء وصفات کا آئینہ ہے۔ بخلاف ذات واجب کے کہ ممکن اس دولت سے بے نصیب ہے۔ اور ممکن کو اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا۔ اور وہ سارے کا سارا عرض ہے۔ اس نے جوہریّت کی ہوا تک نہیں پائی۔ اور اس کے مُناسب اُمور کے بیان میں۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی"

مخدوما مکرما!

از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

کچھ معارف عجیبہ احاطۂ تحریر میں لائے جاتے ہیں کان لگا کر سنیں۔ اور اخص خواص کا طریق مراقبہ بیان کیا جاتا ہے پوری توجہ مبذول فرمائیں۔ جاننا چاہیئے۔ کہ سارا جہان واجب تعالیٰ وتقدس کے اسماء وصفات کا آئینہ اور مظہر ہے۔ چنانچہ ممکن میں حیات ہے تو واجب تعالیٰ کی حیات کا نمونہ ہے۔ اگر علم ہے تو اس سُبحانہٗ کے علم کا آئینہ ہے۔ اور اگر قدرت تو وہ بھی اس بلند ذات کی قدرت کا آئینہ ہے۔ عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاسِ اور اس کی بلند ذات کے لئے عالم میں کوئی مظہر و آئینہ نہیں۔ بلکہ اس کی بلند ذات کی عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں اور کسی چیز میں اشتراک نہیں۔ اگرچہ وہ مناسبت اسم میں اور وہ مشارکت صورت میں ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ط بیشک اللہ سب جہانوں سے بے نیاز ہے۔

بخلاف اسماء وصفات کے کہ عالم کے ساتھ اسی مناسبت رکھتے ہیں اور ظاہری مشارکت ان کے درمیان

ثابت ہے۔ چنانچہ جس طرح واجب تعالیٰ میں علم ہے ممکن میں بھی علم کی صورت ثابت و موجود ہے۔ اور جس طرح وہاں قدرت ہے یہاں بھی اس قدرے کی صورت موجود ہے بخلاف ذات کے کہ ممکن اس دولت سے بے بہرہ ہے۔ اور اُسے اپنی ذات کے ساتھ قیام عطا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ ممکن کو جب اس بلند ذات کے اسماء وصفات کی صورتوں پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے سارے کا سارا عرض ہے۔ اِسے جوہریّت کی بُو تک نہیں پہنچی اور اس کا قیام ذات واجب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ ہے اور اربابِ معقول نے جو ممکن کو جوہر عرض کی طرف تقسیم کیا ہے ظاہر بینی کے باعث ہے اور ایک ممکن کا دوسرے ممکن کے ساتھ جو قیام ثابت ہے یہ قیام عرض بعرض کے قبیلہ قیام عرض بجوہر۔ بلکہ فی الحقیقت وہ دونوں عرض ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں۔ جوہریّت ان کے درمیان ثابت نہیں۔ تمام ممکنات کو قائم رکھنے والا وہی تعالیٰ وتقدس ہے۔ پس ممکن کے لئے فی الحقیقت ذات نہیں ہے۔ کہ صفات اس ذات کے ساتھ قائم ہوں۔ بلکہ ذات صرف واجب کے لئے ہے۔ کہ اس بلند ذات کی صفات اور اسی طرح تمام ممکنات اس کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ہر شخص جو اشارہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ وہ اشارہ فی الحقیقت اس ایک ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جس کے ساتھ قائم ہیں۔ اس بات کو اشارہ کرنے والا جانے یا نہ جانے اگرچہ وہ بلند اور ایک ذات کسی اشارہ کی مشارٌ الیہ نہیں اور کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں۔ ان پوشیدہ معارف کو کوتاہ نظر لوگ کہیں توحید وجودی کے ساتھ خلط ملط نہ کر دیں اور انہیں ایک دوسرے کا گریبان تصور نہ کر لیں۔ توحید وجودی والے سوائے ایک بلند اور پاکیزہ ذات کے کچھ موجود نہیں جانتے۔ اور اس بلند ذات کے اسماء وصفات کو بھی اعتبارات علمی گمان کرتے ہیں۔ اور حقائق ممکنات کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ ان تک وجود کی بُو نہیں پہنچی۔ اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَةَ الْوُجُوْدِ یعنی موجودات خارجیہ نے وجود کی بُو نہیں سونگھی۔ یہ ان صوفیہ کا کلام ہے کہ یہ فقیر اس بلند ذات کی صفات کو بھی وجود زائد کے ساتھ موجود مانتا ہے جس طرح علماء اہل حق نے فرمایا ہے۔ اور ممکنات کے لئے بھی جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے میں وجود ثابت کرتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ممکنات کے لئے بھی جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے میں وجود ثابت کرتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ ممکنات کو اعراض کے سوا جو اپنے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ کچھ نہیں جانتا اور جوہریت جو اپنے ساتھ قیام رکھتی ہے۔ ممکنات میں ثابت نہیں کرتا۔ اور سب کا قیام اس بلند ذات کے ساتھ یقین کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔

سوال: اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات ممکن ذات واجب تعالیٰ کی عین ہے اور ممکن واجب جل شانہٗ کے ساتھ متحد ہے۔ اور یہ محال ہے کیونکہ یہ قلبِ حقائق کو مستلزم ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ذات ممکن یعنی اس کی حقیقت و ماہیت وہی اعراض متعددہ مخصوصہ ہیں جو واجب تعالیٰ کے اسماء وصفات کے آئینے میں۔ اور ان اعراض کے لئے ذات واجب تعالیٰ وتقدس کے ساتھ کسی طرح کی عینیّت نہیں ہے۔ اور کسی وجہ سے بھی اتحاد نہیں۔ تا کہ قلبِ حقائق لازم آئے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان اعراض کا اس

بلند ذات کے ساتھ قیام ہے۔ اور وہی پاک ذات تمام اشیاء کو قائم رکھنے والی ہے۔

سوال: جب ہر ایک کا اشارہ جو وہ لفظ انا سے اپنی ذات کی طرف کرتا ہے۔ ذات واجب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ذات ممکن یعنی اس کی ماہیّت وحقیقت واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہو۔ کیونکہ ہر ایک کا اشارہ لفظ انا سے اپنی ماہیّت وحقیقت کی طرف ہے اور یہ بات قلبِ حقیقت کا مستلزم ہے اور بعینہٖ اربابِ توحید وجودی والوں کی بات ہے؟

جواب: ہاں لفظ انا سے ہر شخص کا اشارہ اگر چہ اپنی حقیقت کی طرف ہے۔ لیکن اس کی حقیقت جب کہ چند اعراض کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس اشارہ کی قابلیت واستعداد نہیں رکھتی۔ کیونکہ اعراض مستقلاً اور اصالۃً اشارہ حسی کے قابل نہیں۔ اور جب اس کی حقیقت نے اس اشارہ کو قبول نہ کیا تو لازماً وہ اشارہ اس حقیقت کے قائم کرنے والے کی طرف رجوع کر گیا۔ پس ممکن کی ماہیت وہی اعراض مجتمعہ ہیں۔ اگر چہ لفظ انا کا اشارہ اس کی حقیقت کے عدم قابلیّت کے واسطہ سے اس کے قائم کرنے والے کی طرف راجع ہو چکا ہے۔ جو کہ ذاتِ واجب تعالیٰ وتقدس ہے تو قلبِ حقیقت نہ ہوئی اور ممکن واجب تعالیٰ وتقدس نہ بنا۔ اور یہ بات توحید وجودی والوں کی بات سے الگ ہوگئی۔ عجب معاملہ ہے کہ ممکن کا انا تو واجب کی طرف رجوع کرتا ہے اور ممکن اپنے حال پر ممکن ہی رہتا ہے۔ اور سُبحانی اور اَنا الحق کا لفظ زبان پر نہیں لاتا۔ بلکہ نہیں لاسکتا۔ کیونکہ صاحب ہوش وتمیز ہے۔

سوال: ممکن کا ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ قیام مستلزم ہے۔ حوادث کے قیام کو ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ اور یہ ممتنع ہے؟

جواب: حوادث کے قیام کا امتناع بمعنی حلول حوادث ہے ذات واجب تعالیٰ میں۔ اور یہی محال ہے لیکن یہاں قیام بمعنی حلول نہیں۔ بلکہ بمعنی ثبوت وتقرّر ہے۔ یعنی ممکن کا ثبوت وتقرر ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

سوال: جب کہ ممکن بتمامہٖ عرض ہوا تو اس کے لئے محل کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو اور وہ محل کیا چیز ہے۔ ذات واجب تعالیٰ تو ہے نہیں۔ اسی طرح ممتنع بھی محل قیام نہیں ہوسکتا؟

جواب: عرض اُسے کہتے ہیں جس کا قیام اپنی ذات کے ساتھ نہ ہو۔ بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو۔ اور جبکہ فلاسفہ نے قیام عرض کے معنی حلول کے سوا اور کچھ نہیں سمجھے۔ تو مجبوراً عرض کے لئے محل کا اثبات کیا ہے اور محل کے بغیر اس کے ثبوت کو محال جانا ہے۔ اور جب قیام کے دوسرے معنی پیدا ہو گئے جیسا کہ گزرے تو محل کی کچھ ضرورت نہ رہی۔ یہ بات ہمارے مشاہدے اور حس میں ہے کہ تمام اشیاء کا قیام ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن کسی قسم کا حلول ومحل درمیان میں نہیں۔ فلاسفہ کو اس کا یقین آئے یا نہ آئے۔ ان کا کسی کو شک میں ڈالنا بداہت سے متصادم نہیں ہوسکتا۔ اور ہمارا یقین ان کے شک سے زائل نہیں ہوسکتا۔ ہم اس بحث کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ طلسمیات اور سیمیا کے ماہر لوگ اجسام غریبہ اور اعراض عجیبہ کی جنس سے کئی قسم کی چیزیں دکھاتے ہیں۔ اس صورت

میں سب جانتے ہیں۔ کہ ان اجسام کا اعراض کی طرح اپنے ساتھ قیام نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں کا قیام صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ لیکن کسی طرح کا محل ان کے لئے ثابت نہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس قیام میں حالیتِ اور محلیت کا شائبہ تک نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ثبوت وتقرر حلول کے وہم کے بغیر صاحب طلسم کی ذات کے ساتھ ہے۔ اور ہماری اس گفتگو میں بھی یہی صورت ہے کیونکہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے اشیاء کو مرتبہ حس ووہم میں پیدا فرمایا۔ اور استواری ومضبوطی ان کی پیدائش میں ملحوظ رکھی۔ اور معاملہ ابدی اور تنعیم وتعذیب سرمدی ان سے وابستہ کیا۔ پس ان اشیاء کا قیام اپنی ذات سے نہیں بلکہ ذات حق سُبحانہٗ کے ساتھ قائم ہیں بے شائبہ حلول اور بغیر گمان حلول کرنے اور محل بننے کے۔ دوسری مثال پہاڑ یا آسمان کی صورت ہے۔ جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ احمق کو چاہیئے کہ ان صورتوں کو اجسام گمان کرتے ہوئے جواہر خیال کرے۔ اور ان تمثایل کو جواہر جانتے ہوئے اپنی ذات کے ساتھ قائم جانے۔ اور اگر فرضاً کوئی شخص ان صورتوں کو اعراض جانے اور قائم بغیر تصور کرے اور ان کے عرض ہونے کی وجہ سے ان کے لئے جگہوں کا طالب بنے۔ اور جگہوں کے بغیر ان کے ثبوت کو محال جانے تو ایسا شخص بھی بے وقوف ہے۔ جو لوگوں کی تقلید میں اپنی بداہت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ تھوڑی سی تمیز رکھنے والا بھی بداہت سے جانتا ہے۔ کہ ان صورتوں کے لئے بالکل جگہیں ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ انھیں جگہوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اِسی طرح اربابِ کشف وشہود کے نزدیک تمام ممکنات ان صورتوں کی طرح ہیں۔ اور تماثیل سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ نے ان صورتوں اور تماثیل کو اپنی کامل کاریگری سے ایسی استواری اور ایسا استحکام بخشا ہے۔ کہ خلل وزوال سے محفوظ ومصون ہیں۔ اور معاملہ اخروی اور ابدی ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ کئی دفعہ گذر چکا ہے۔

متکلمین سے نظام نے جو معتزلہ علماء میں سے ہے۔ اپنے اٹکل پچو سے عالم کو مجموعہ اعراض جانا اور جواہر سے خالی مانا ہے۔ ہاں کبھی چھوٹے سے بھی سچی بات نکل جاتی ہے۔ جب اس نے کوتاہ نظری کے باعث ان اعراض کا قیام ذات واجب جلّ سلطانہٗ کے ساتھ نہیں جانا ہے۔ اور بناء پر وہ عقلاء کے طعن وتشنیع کا نشانہ بنا ہے۔ کیونکہ عرض کے لئے غیر کے ساتھ قیام کے بغیر چارہ نہیں۔ اور وہ جوہر کے وجود کا قائل نہیں۔ تا کہ اُس کے ساتھ قیام تسلیم کرے اور صوفیہ میں سے صاحب فتوحاتِ مکیّہ نے عالم کو عین واحد میں اعراض مجتمعہ قرار دیا ہے۔ اور عین واحد ذات احدیّت جلّ سلطانہٗ کو قرار دیا ہے۔ لیکن ان اعراض کو دو زمانوں میں عدم بقا کا حکم لگایا ہے اور کہا ہے کہ عالم ہر آن میں معدوم ہوتا ہے۔ اور اس کی مثل دوسری آن میں پھر وجود میں آتا ہے۔ اور اس فقیر کے نزدیک یہ معاملہ شہودی ہے وجودی نہیں۔ جیسا کہ فقیر نے رباعیات کی شرح کے حواشی میں اس بحث کی تحقیق کی ہے۔

سالک کو احوال کے درمیان میں اس سے قبل کہ اس کی نظر بالکلیہ زائل ہو ہر آن میں اس طرح دیکھتا ہے کہ عالم معدوم ہوا ہے۔ اور دوسری آن میں محسوس کرتا ہے کہ عالم موجود ہے۔ تیسری آن میں پھر معدوم پاتا

ہے۔اور چوتھی آن میں پھر موجود ہے۔یہاں تک کہ فنا مطلق سے مشرف ہوتا ہے اور ہمیشہ ماسوا کو معدوم پاتا ہے اس وقت اس کے شہود میں عالم مستمر العدم ہوتا ہے۔اور اسی طرح وسط میں حصولِ بقا اور عالم کی طرف رجوع کرتا ہے۔کبھی عالم اُسے نظر آتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہو جاتا ہے۔اور یہاں سے تعدّد امثال کی حالت کا وہم ہوتا ہے۔اور جب عارف معاملہ بقا اور عالم کی طرف رجوع انجام کو پہنچتا ہے۔اور مقامِ تکمیل وارشاد میں قیام فرماتا ہے۔تو عالم اس کی نظر میں آ جائے گا۔اور عالم مستمر الوجود ہو جائے گا۔پس یہ معاملہ سالک کے شہود کی طرف رجاع ہو گیا نہ کہ عالم کے وجود کی طرف کیونکہ اس کا وجود ہمیشہ ایک ہی وتیرے پر ہے۔اگر تذبذب ہے تو شہود میں ہے۔ وَاللّٰہُ سُبحانہ' المُلْھِمُ لِلصَّوَابِ o

اور اعراض کے لئے دو زمانوں میں عدمِ بقا کا حکم جاری کرنا جیسا کہ بعض متکلمین نے کہا ہے' قابل اعتراض ہے اور ثبوت تک نہیں پہنچا اور جو دلائل اعراض کے عدم بقا کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں' سب ناتمام اور نامکمل ہیں۔یہ معارف دقیعہ وہاں کے اکثر یاروں کے لئے گویا سبق ہے۔توجہ کر کے ہر شوق رکھنے والے کو اس کی نقل عنایت کریں۔چونکہ فقیر کو ضعف لاحق تھا۔اس بناء پر دوستوں کو علیحدہ علیحدہ خط نہیں لکھا جا سکا۔اور انھیں معارف پر اکتفا کیا گیا۔

وَالسَّلَامُ عَلیکم وَعَلٰی مَنْ لَّدَیْکُمْ

مکتوب نمبر (۴۶)

مولانا حمد بنگالی کی طرف صادر فرمایا:

کلمہ طیبہ کے فضائل میں جو طریقت' حقیقت اور شریعت کا جامع ہے۔اور اس میں کہ ولایت کے کمالات کی نبوت کے کمالات کے سامنے کچھ قدر و قیمت نہیں۔اور اس بیان میں کہ ولایت کے لئے شریعت ضروری ہے۔اور ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلّف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار اور اس کے مناسب اور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط یہ کلمہ طیبہ طریقت' حقیقت اور شریعت کو متضمن ہے سالک جب تک مقام نبی میں ہے۔مقام طریقت میں ہے۔اور جب نفی سے مکمل طور پر فارغ ہو گیا۔اور سب ماسوا اس کی نظر سے پوشیدہ ہو گیا۔تو طریقت کو مکمل کر لیا اور مقام فنا میں پہنچ گیا۔اور جب نفی کے بعد مقامِ اثبات میں آتا ہے۔اور سلوک سے جذبہ میں داخل ہوتا ہے تو مرتبہ حقیقت سے متحقق اور بقا سے موصوف ہو جاتا ہے۔اور اس نفی و اثبات اور طریقت و حقیقت اور اس فنا و بقا اور اس سلوک و جذبہ سے ولایت کا اسم صادق آتا ہے۔اور نفس امارگی سے

اطمینان میں داخل ہو جاتا ہے اور پاک و طاہر ہو جاتا ہے۔ پس ولایت کے کمالات اس کلمہ طیبہ کے جزوِ اوّل سے وابستہ ہوئے۔ اور یہ جزو نفی و اثبات ہے۔ باقی رہا اس کلمہ مقدسہ کا جزوِ دوم جو حضرت خاتم الرسل علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی رسالت کا مثبت ہے۔ یہ جزوِ اخیر شریعت کا محصلِ اور اُسے مکمل کرنیوالا ہے۔ کیونکہ ابتداء اور درمیان میں جو کچھ حاصل ہوا تھا شریعت کی صورت تھی۔ اور اسم و نشان تھا۔ حقیقتِ شریعت کا حصول اس مقام میں ہوتا ہے۔ جو مرتبہ ولایت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور نبوت کے کمالات جو انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کی وراثت و تبعیت کے طور پر کامل پیروکاروں کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ طریقت و حقیقت جو ولایت کے حصول کا سبب ہیں۔ حقیقت شریعت اور کمالاتِ نبوت کی تحصیل کے لئے گویا شرائط ہیں۔ ولایت طہارت کی طرح ہے۔ اور شریعت نماز کی طرح۔ طریقت میں گویا نجاسات حقیقہ کا ازالہ ہے۔ اور حقیقت میں نجاسات حکمیہ کا ازالہ۔ طہارت کاملہ کے بعد احکام شرعیہ کی بجا آوری کے لائق ہوتا ہے۔ اور نماز جو مراتب قرب کی نہایت دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس کے بعد اس کی ادا کے قابل ہوتا ہے۔ میں نے اس کلمہ مقدسہ کے جزوِ آخیر کو ایک ناپیدار کنار دریا پایا ہے۔ جس کے سامنے جزوِ اوّل قطرے کی طرح ہے۔ ہاں ہاں کمالاتِ ولایت کی کمالاتِ نبوت کے سامنے کچھ حیثیت نہیں۔ ذرّے کی آفتاب کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

سُبحان اللہ۔ ایک گروہ نے کج بینی کے باعث ولایت کو نبوّت سے افضل جانا ہے۔ اور شریعت کو جو کہ لُب لُباب چھلکا گمان کیا ہے۔ کیا کریں ان کی نظر صورت شریعت پر بند ہے۔ اور مغز کی بجائے پوست ہی ان کے ہاتھ آیا ہے۔ اور نبوت کو مخلوق کی طرف توجہ کے باعث کم مرتبہ گمان کیا ہے۔ اور اس توجہ کو عوام کی توجہ کی طرح نقاص جانا ہے۔ ولایت کو جس کی توجہ حق جلّ وعلا کی طرف ہے اس توجہ پر فضیلت دی ہے۔ اور ولائیت کو نبوت سے افضل کیا ہے۔ نہیں جانتے کہ کمالاتِ نبوت بھی عروج میں حق سبحانہ کی طرف رُخ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مرتبہ ولایت میں ان کمالات عروجی کی صورت ہے جو مقام نبوت میں حاصل ہے۔ چنانچہ اس کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔ اور وقتِ نزول میں نبوت کا ولائیت کی طرح رُخ خلق کی طرف ہوتا ہے۔ اس قدر فرق ہے کہ ولائت میں بظاہر خلق کی طرف متوجہ ہے اور باطن میں حق سُبحانہٗ کی طرف۔ اور نزول نبوت میں ظاہر و باطن دونوں طرح خلق کی طرف متوجہ ہے۔ اور انھیں مکمل طور پر حق جلّ شانہٗ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور یہ نزول ولایت کے نزول سے اتم و اکمل ہے۔ جس طرح کہ کتب و رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔ اور مخلوق کی طرف ان کی یہ توجہ عوام کی توجہ کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ عوام کی توجہ مخلوق کی طرف ان کے ماسوا میں گرفتاری کی بناء پر ہے۔ اور اخص خواص کی توجہ مخلوق کی طرف گرفتاری کی بناء پر نہیں۔ کیونکہ یہ بزرگوار ماسوا کی گرفتاری اول قدم میں وداع کر چکے ہیں۔ اور اس کی بجائے خالق جلّ سلطانہٗ کی گرفتاری اختیار کر چکے ہیں۔ بلکہ مخلوق کی طرف ان بزرگوں کی توجہ ہدائیت و ارشاد کے لئے ہے۔ تاکہ انھیں خالقِ خلق جلّ سلطانہٗ کی طرف راہنمائی کریں۔ اور ان

کے مولیٰ تعالیٰ وتقدس کی رضامندی کے کاموں کی طرف دلالت کریں۔ اور شک نہیں کہ اس قسم کی توجہ بخلق جس سے مقصود لوگوں کو ماسوا کی غلامی سے نجات دلانا ہو بہت افضل ہے اس توجہ بحق جلّ وعلا سے جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو۔ مثلاً ایک شخص ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ اس دوران میں وہ ایک نابینا دیکھتا ہے۔ جس کے راستے میں کنواں ہے۔ کہ اگر ایک قدم اُٹھائے گا۔ کنویں میں گر جائے گا۔ اس حالت میں اس شخص کے لئے ذکر میں مصروف رہنا بہتر ہے یا نابینا کو کنویں میں گرنے سے نجات دلانا۔ شک نہیں کہ ذکر میں مصروف سے اس نابینا کو نجات دلانا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ بلند ذات اس سے اور اس کے ذکر سے بے نیاز ہے۔ اور نابینا ایک محتاج بندہ ہے۔ اس کی تکلیف دور کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ اس نجات دلانے کا حکم مل چکا ہو۔ اس وقت اس کا نجات دلانا ذکر ہی ہے کیونکہ حکم کی فرمانبرداری ہے۔ اس کے ذکر میں ایک حق کی ادائیگی ہے جو حق مولیٰ جلّ شانہٗ ہے۔ اور نجات دلانے میں جو حکم کی بجا آوری کے تحت ہو۔ دو حق کی ادائیگی ہے۔ ایک حق بندہ کا اور ایک حق مولیٰ تعالیٰ کا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ اس وقت ذکر میں مصروف رہنا گناہ میں داخل ہو۔ کیونکہ تمام اوقات ذکر کرتے رہنا مستحسن نہیں۔ بعض اوقات ایسے ہیں۔ کہ ان میں ذکر نہ کرنا مستحسن ہے۔ جن ایام میں روزہ رکھنے سے روکا گیا ہے۔ ان میں اور اوقاتِ مکروہ میں روزہ، نماز نہ ادا کرنا۔ روزہ نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ذکر غفلت دور کرنے سے عبارت ہے۔ جس طریقے سے بھی میسر آئے۔ نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی واثبات کے تکرار میں بند اور منحصر ہے۔ یا اسمِ ذات تعالیٰ کا تکرار جس طرح لوگوں کا گمان ہے۔ پس جو کچھ احکام کی بجا آوری اور منہیات شرعیّہ سے باز رہنے کی صورتیں ہیں۔ سب ذکر میں داخل ہیں۔ بیع وشراء حدودِ شرع کی رعایت کے ساتھ ذکر ہے۔ اسی طرح نکاح وطلاق وغیرہ اس رعایت کے ساتھ ذکر ہیں۔ کیونکہ رعائیت مذکور کے ساتھ ان امور کے کرنے کے وقت حکم دینے والا اور روکنے والا جلّ سلطانہٗ ان امور کے کرنے والے کا نصب العین ہوتا ہے۔ لہٰذا غفلت کی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جو ذکر مذکورہ اسم وصفت کے ساتھ واقع ہو جلد تاثیر کرنیوالا اور محبت کرنے والا ہے۔ اور مذکور تک جلد پہنچانے والا ہے بخلاف اس ذکر کے جو اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے پرہیز کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ کہ ان صفات وخصوصیات سے کم حصہ رکھتا ہے۔ اگر ان صفات سے بھی بعض افراد میں جن کا ذکر اوامر میں بجا آوری اور منہیات شرعیّہ سے پرہیز کی صورت ہوتا ہے۔ بر سبیل قلّت پایا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرّہٗ فرماتے تھے کہ حضرت مولانا تاج[1] الدین تابیادی قدس سرّہٗ

[1] مولانا زین الدین رحمۃ اللہ علیہ ظاہری علوم میں مولانا نظام الدین ہروی کے شاگرد ہیں۔ اتباعِ شریعت اور متابعت سُنّت کی برکت سے باطنی علوم کے دروازے آپ پر کھل گئے۔ اور اربابِ ولایت کے احوال ومقاماتِ عالیہ میسّر آئے۔ آپ فی الحقیقت اویسی النسبۃ ہیں۔ شیخ الاسلام احمد النامقی کے زیرِ تربیت رہے۔ مدّت دراز تک آپ کے مزارِ پُر انوار پر خادم کی حیثیت سے مقیم رہے۔ اس دوران میں وہاں ایک ہزار ختم قرآن کیا۔ محرم الحرام ۷۹۱ھ میں جمعرات کے روز دوپہر کے وقت وصال فرمایا۔ نفحات باختصار (سورۃ شوریٰ پارہ الیہ یُرَدُّ)

علم کے راستے خدا جلّ سلطانہٗ تک پہنچتے ہیں۔

نیز جو ذکر اسم وصفت کی شکل میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ وہ اس ذکر کا ذریعہ بنتا ہے جو حدودِ شرعیہ کی رعایت میں حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تمام اُمور میں احکامِ شرعیہ کی رعایت شرع شریف برپا کرنے والے کی کامل محبت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اور یہ محبت تام اللہ تعالیٰ کے اسم وصفت کے ذکر سے وابستہ ہے۔ لہٰذا پہلے وہ ذکر چاہیئے تا کہ اس ذکر کی دولت سے مشرّف ہو۔ ہاں عنایتِ الٰہی کا معاملہ جُدا ہے۔ وہاں نہ کوئی شرط ہے اور نہ کسی ذریعے کی حاجت۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط اللہ برگزیدہ بنالیتا ہے اپنی ذات کے لئے جسے چاہتا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے اور کہتے ہیں۔ کہ ان تینوں معاملوں یعنی طریقت' حقیقت اور شریعت کے علاوہ ایک اور معاملہ اور ایک الگ کاروبار بھی ہے۔ (وہ اس حد تک اِن سے الگ ہے) کہ یہ کہنا درست ہے کہ ان تین چیزوں کا معاملہ اس معاملہ کے سامنے کچھ اہمیت اور اعتبار نہیں رکھتا۔ کیونکہ اُس صورت کی حقیقت کے مرتبے میں جو کچھ حاصل ہوا تھا اور اثبات (اِلا اللہ) سے تعلق رکھتا تھا وہ اس معاملے کی صورت تھی اور یہ معاملہ اس اس صورت کی حقیقت ہے۔ جس طرح شریعت کی صورت کہ ابتداء میں مرتبہ عوام میں حاصل ہوتی ہے۔ اور طریقت و حقیقت کے حصول کے بعد اس صورت شریعت کی حقیقت میّسر آتی ہے۔ اور خیال کرنا چاہیئے۔ کہ وہ معاملہ جس کی صورت حقیقت ہو اور جس کا مقدمہ ولائیت ہو۔ گفتگو میں کیسے آسکتا ہے۔ اور بیان میں کیسے سما سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض بیان کیا بھی جائے تو کون سمجھ سکتا اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ یہ معاملہ میں جب کہ اصول ہی کم ہیں تو فروع لازماً بہت ہی کم ہونگے۔

سوال: ان معارف سے لازم آتا ہے کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماوراء میں عروج کرتا ہے۔

جواب: شریعت ظاہر کا عمل ہے۔ اور وہ معاملہ اس دنیا میں باطن سے متعلق ہے۔ ظاہر ہمیشہ شریعت کا مکلّف ہے اور باطن اس معاملے کا گرفتار ہے اور جب کہ یہ دنیا دارِ عمل ہے۔ اور باطن کو ظاہری اعمال کی عظیم مدد پہنچتی ہے۔ اور باطنی ترقیات شریعت کی بجا آوری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو ظاہر سے متعلق ہے۔ لہٰذا تمام اوقات میں اس دنیا کے اندر ظاہر و باطن دونوں کو شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ ظاہر کا کام شریعت کے مطابق عمل ہے اور باطن کا حصہ شریعت کے نتائج و ثمرات ہیں۔ اس لئے شریعت تمام کمالات کا اصل و بنیاد ہے۔ نیز تمام مقامات کی اصل ہے۔ اور شریعت کے ثمرات و نتائج اسی دنیوی زندگی میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ عالمِ آخرت کے کمالات اور دائمی نعمتیں' بھی شریعت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ پس شریعت پاک درخت ہے۔ کہ اس کے ثمرات و میوہ جات سے سارا جہاں نفع اندوز ہو رہا ہے۔ اور بیشمار فوائد اس سے حاصل کئے جا رہے ہیں۔

سوال: اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ کمالات نبوت میں بھی باطن حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ۔ اور تو نے اپنے رسائل میں لکھا ہے اور ابھی اوپر بھی گذرا ہے۔ کہ مقامِ نبوت میں جو محل دعوت ہے پوری توجہ خلق کی طرف ہوئی ہے۔ دونوں باتوں میں موافقت کی کیا صورت ہے۔

جواب: وہ معاملہ عروج سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مقام دعوت نزول سے وابستہ ہے۔ پس عروج کی وقت باطن حق سُبحانہٗ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اسی وجہ سے وہ ان کے حقوق شریعت غرّا کے مطابق ادا کرتا ہے۔ اور نزول کے وقت پورے طور پر خلق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور پورے طور پر مخلوق کو حق جلّ وعلا کا راستہ دکھاتا ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے۔ کہ خلق کی طرف توجہ عین حق سُبحانہٗ کی طرف ہے" تم جس طرف بھی منہ کرو گے اُدھر ہی اللہ کی ذات موجود ہے۔" نہ بایں معنی کہ ممکن عین واجب سُبحانہٗ ہے۔ یا واجب کا آئینہ ہے۔ ممکن حقیر کو کیا طاقت ہے۔ کہ واجب تعالیٰ وتقدس کا عین ہو۔ یا اُس بلند ذات کا آئینہ بن سکے۔ بلکہ ایسا کہنا درست ہے۔ کہ واجب ممکن کا آئینہ ہے۔ اور واجب تعالیٰ میں اشیاء اس طرح متوہم ہوتی ہیں۔ جس طرح اشیاء کی صورتیں ظاہری آئینے میں۔ لیکن جس طرح اشیاء کے لئے آئینے میں حلول یا سریان نہیں اس طرح واجب تعالیٰ کے آئینے میں بھی ان اشیاء کا حلول یا سریان نہیں۔ حلول کیسے متصور ہوسکتا ہے۔ جب کہ مرتبہ مرأت میں صورتوں کا وجود نہیں۔ بلکہ صورتوں کا وجود مرتبہ توہم وتخیل میں ہے۔ اور بس۔ جہاں آئینہ ہے وہاں صورت نہیں اور جہاں صورت ہے وہاں آئینے کے لئے ہزاروں عار ہیں۔ اس لئے کہ صورتوں کے لئے نمود خیالی کے سوا کچھ ثبوت نہیں اور تحقق وہمی کے سوا ان کی کچھ ہستی نہیں۔ اگر مکان رکھتے ہیں درجہ توہم میں رکھتے ہیں اور زمانہ رکھتے ہیں تو وہ بھی مرتبہ تخیّل میں۔ لیکن اشیاء کے لئے یہ بے بود نمود خداوند جلّ سلطانہٗ کی کاریگری سے ہے۔ جو خلل اور فنا ہونے سے محفوظ ہے۔ اور ابدی معاملہ اس سے مربوط۔ اور عذاب وثواب دائمی اس سے وابستہ ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ظاہری آئینے میں اولاً صورتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ اور آئینے کے لئے دوسری توجہ درکار ہے۔ اور واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور اشیاء کے شہود کے لئے دوسری توجہ درکار ہے اور نیز ظاہری آئینوں میں صورتیں بھی آئینوں کے احکام وآثار کے آئینے ہیں۔ مثلاً اگر آئینے لمبے ہوں گے۔ تو اس میں صورتیں بھی لمبی ظاہر ہوں گی۔ اور آئینوں کی لمبائی کے آئینے بنیں گے۔ اسی طرح اگر آئینے چھوٹے ہوں گے۔ تو وہ چھوٹا پن صورتوں کے آئینوں میں ہوگا۔ بخلاف واجب تعالیٰ کے آئینے میں کہ اشیاء اس کے احکام و آثار کے آئینے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ اس مرتبہ علیا میں کوئی حکم واثر نہیں۔ بلکہ وہاں تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ اشیاء کس چیز کے آئینے بنیں اور کس چیز کو ظاہر کریں۔ ہاں مراتب تنزّل میں جو اسماء وصفات کے ثبوت کا مقام ہے۔ اگر اشیاء واجب تعالیٰ کے احکام کی صورتوں کے آئینے بنیں تو البتہ گنجائش ہے۔ اس لئے کہ سمع' بصر' علم اور قدرت مثلاً جو اشیاء کے آئینوں میں ظاہر ہیں۔ مرتبہ وجوب کے سمع' بصر وقدرت کی صورتیں ہیں۔ جو ان اشیاء کے آئینے

ہیں۔ یہ احکامِ مرات کے ہیں۔ جو ظاہری اشیاء کے آئینے میں ظاہر ہوئے ہیں۔

اور وہ جو ہم نے کہا ہے۔ کہ واجب تعالیٰ کے آئینے میں اولاً ملحوظ وہ آئینہ ہے۔ اور شہود اشیاء کے لئے جو صورتوں کی طرح ہیں۔ اس مرات میں توجہ ثانی کی ضرورت ہے تو یہ دراصل ابتداء رجوع کا حال ہے۔ جس میں صورتیں نظر آتی ہیں۔ بعد اس کے کہ وہ صورتیں تمام کی تمام زائل ہو چکی تھیں۔ اور جب رجوع کا معاملہ آخر کو پہنچتا ہے۔ اور اشیاء میں دور دراز سیر واقع ہوتی ہے۔ اور دائرہ امکان کے مرکز میں استقرار میسر آتا ہے تو لازماً شہود غیب سے تبدیل ہو جائے گا۔ اور ایمان شہودی ایمان غیبی ہو جائے گا۔ تا آنکہ معاملۂ دعوت مکمل ہو۔ اور الرّحیل کی ندا لگائیں اس وقت غیب نہ رہے گا۔ اور شہود ہی شہود رہ جائے گا۔ لیکن اتنی بات ہے کہ یہ شہود اتم اور اکمل ہوگا۔ اس شہود سے جو رجوع سے پہلے تھے۔ کیونکہ جو شہود آخرت سے تعلق رکھتا ہے اکمل ہے اس شہود سے جو دنیا متعلق ہے۔

هَنِيئًا [1] لِاَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

جاننا چاہیئے۔ کہ تحقیق سابق سے واضح ہو گیا کہ شئی کی صورت کے لئے جو آئینے میں ظاہر ہوتی ہے، تخیل کے سوا کہیں ثبوت نہیں۔ حصولِ صورت کے باوجود آئینہ اپنی صرافتِ تجرد پر قائم ہے۔ اس صورت کے بارے میں کہ جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس کے قریب ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئینہ اس صورت کو محیط اور اس صورت کے ساتھ ہے۔ یہ قرب واحاطہ اور معیّت نہ جسم کے جسم کے قرب واحاطہ کے قبیلہ سے ہے یا جوہر کے عرض کے ساتھ ہے وہاں وہ قرب واحاطہ ہے جس کی تصویر سے عقل عاجز اور اس کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس اس صورت میں قرب ومعیّت اور احاطہ ثابت ہے۔ لیکن اس کی کیفیت بالکل معلوم نہیں۔ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى [2]

اسی طرح ہے وہ قرب جو حضرت حق سبحانہٗ کو عالم کے ساتھ حاصل ہے۔ اسی طرح اس بلند ذات کا احاطہ اور معیّت معلوم [3] الانیت اور مجہول الکیفیت ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات قریب ومحیط اور عالم کے ساتھ ہے۔ لیکن اس بلند ذات کے قرب واحاطہ اور معیّت کی کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کیسی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اشیاء کی صفات سے جُدا اور امکان وحدوث کے نشانات سے علیحدہ ہیں۔ تاہم اس کی نظر وتشبیہ عالم مجاز میں جو حقیقت کا پُل ہے۔ بیان کی گئی ہے۔ اور آئینہ وصورت کے ذریعے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تاکہ تیز بین لوگ اس بلند ذات کے عنایت سے مجاز کے واسطے سے حقیقت کا سراغ لگائیں۔ اور صورت سے معنی کی طرف رغبت کریں۔ والسّلام علیٰ من اتبع الهدیٰ

---

[1] اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔ عاشق مسکین کے لئے تو وہی (غم واندوہ) ہے جو گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہا ہے۔

[2] اور اللہ ہی بلند صفات والا ہے۔ سورۃ النحل پارہ ربما

[3] یعنی اس احاطہ اور معیت کا وجود معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

مکتوب نمبر (۴۷)

نصیحت وتنبیہ میں خواجہ محمد قاسم بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ عرض کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے۔ کہ اس بھائی کے کلمہ وکلام سے طلب کی حرارت معلوم ہوتی ہے۔ اور جمعیت کی بُو آتی ہے۔ بیشک یہ دولتِ قربِ صحبت کا اثر ہے۔ بے فائدہ اُمور کی گرفتاری نے تمہیں نہ چھوڑا۔ کہ ایک ہفتہ ہی صحبت میں رہو۔ معلوم نہیں تمہاری صحبت کے کل دس دِن ہوں۔ خدائے جلّ سلطانہٗ سے شرم کرنی چاہیئے۔ کہ ہزاروں میں سے صرف ایک دن بھی خدائے عزّ وجل کے لئے منتخب نہیں کرتے۔ اور اِدھر اُدھر کے تعلقات سے اپنے آپ کو جمع نہیں کرتے۔ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ اور تم اپنے وجدان سے جان چکے ہو کہ اس صحبت کی ایک گھڑی ریاضت و مجاہدہ کے چلوں سے بہتر ہے۔ اس کے باوجود اس صحبت سے گریز کر رہے ہو۔ اور حیلوں اور بہانوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہو۔ تمہاری استعداد کا جوہر نفیس ہے۔ لیکن کیا فائدہ اگر قوت سے فعل میں نہ آئے۔ تمہاری استعداد بلند ہے لیکن ہمت پست ہے۔ بچوں کی طرح نفیس موتیوں کو چھوڑ کر خسیس خزف ریزوں (ٹھیکریوں) کے ساتھ آلام پذیر ہو۔

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت کہ با کہ باختہ عشق در شبِ دیجور

اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اپنے اصل کام کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور اکام "طریقت" کا عمدہ پہلو اربابِ جمعیت کی صحبت ہے۔ اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں جو صاحب دولت سے سیکھا گیا ہو۔ مشغول رکھنا چاہیئے۔ اور جو کچھ ذکر کے منافی ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور شرع شریف کے حلال و حرام میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور اس بارے میں سستی سے بچنا چاہیئے اور نماز باجماعت پابندی سے ادا کریں اور تعدیلِ ارکان میں بہت کوشش کریں اور اس بات کا دھیان دیکھیں کہ نماز اوقات مستحبہ میں ادا ہو۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط

مکتوب نمبر (۴۸)

ماتم پرسی اور مقام رضا کے حصول کی ترغیب میں خواجہ محمد طالب بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی ط

خواجہ محمد طالب! ہمیشہ مطلوب کے خواہاں رہیں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک محمد صدیق کی خبر وفات آپ نے

---

۱ تجھے صبح کو روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا۔ کہ شبِ تاریک میں تو کس سے عشق بازی کرتا رہا ہے۔

تحریر کی ہے۔ انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔ برادرِ عزیز! حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ ایمان والوں کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔ چاہے اموال ہوں چاہے انفس۔ اور زندہ کرنا اور مارنا اس بلند ذات کا فعل ہے۔ جس میں دوسرے کا دخل نہیں ہے۔ تو لازماً اس بلند ذات کا فعل بھی عزیز تر اور بلند تر ہوگا۔ بلکہ یہ ایک ایسا موقعہ ہے کہ محبوں کو محبوبوں کے فعل سے لذّت گیر اور خوشی محسوس کرنی چاہیئے۔ صبر کی کس بناء پر تلقین کرے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور مرتبہ رضا بھی اگرچہ رغبت وسرور کی خبر دیتا ہے۔ تاہم مرتبہ التذ اد ایک الگ ہی شئی ہے۔

عشق آن شعلہ ست کوچوں برفروخت ہر چہ معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتلِ غیر حق براند درنگرزاں پس کہ بعد لاچہ ماند
ماند ِ اِلّا اللہ باقی جملہ سوخت شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

والسّلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ

مکتوب نمبر (۴۹)

خواجہ گدا کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ غیر حق کو فراموش کر دینا اس راہ میں قدم اوّل ہے۔ کوشش کریں کہ اس ایک قدم میں تو کوتاہی نہ ہو۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّھِم وَنُسَلِّمُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الکِرَامِ۔ مکرّمی! عقائد کی درستی اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے بعد اپنے آپ کو بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھیں۔ چاہیئے کہ اس ذکر کا غلبہ اس قدر ہو کہ باطن میں غیر مذکور کا گذر نہ رہے۔ اور ماسوا سے تعلق حِسّی اور علمی کو زائل کر دے۔ اس وقت قلب کو ماسوا سے فراموشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ غیر کے دید ودانش سے فارغ ہو جاتا ہے۔ اگر تکلف وکوشش سے بھی اُسے یاد دلائیں تو اس کی یاد میں نہیں آتیں اور نہ ہی ان کو پہنچانتا ہے اور ہمیشہ مطلوب میں فانی اور مستغرق رہتا ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ آتا ہے۔ تو اب اس راہ کو ایک قدم طے کرتا ہے۔ کوشش

---

۱ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب جل اُٹھتا ہے تو معشوق کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔
۲ اس نے لا کی تلوار غیر حق کے قتل کرنے میں چلائی تو دیکھو کہ لا کے بعد پیچھے کیا رہ گیا۔
۳ باقی صرف اِلّا اللہ رہا اس کے سوا کے سوا سب کچھ جل گیا۔ اے شرکت کے خس وخاشاک کو مکمل طور پر جلا دینے والے عشق تو شاد اور خوش رہ۔

کریں کہ اس ایک قدم کے اُٹھانے میں تو کوتاہی نہ ہو۔ اور دیدہ و دانش میں غیر کے گرفتار نہ رہیں۔[1]

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بمیدان در نمے آئد سواراں راچہ شد

توفیق وسعادت کا گیند درمیان میں ڈال دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی میدان میں نہیں آتا۔ سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔ بظاہر تمہارے تعلقات کم دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آپ شوقِ تعلق سے اپنے آپ کو اربابِ تعلق کے ساتھ جمع رکھتے ہیں۔'' جو شخص اپنے نقصان میں خود راضی ہو۔ وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا'' طے شدہ مسئلہ ہے۔

والسّلام

مکتوب نمبر (۵۰)

میرزا شمس الدین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ شریعت کی ایک صورت ہے۔ اور ایک حقیقت۔ اور اس بیان میں کہ از ابتداء تا انتہاء شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور قلب کی تمکین' نفس کے اطمینان اور اجزاءِ قلب کے بیان میں جو مرتبہ نبوت میں ہے اور جو باتیں اس کے مناسب ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سلام عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ شریعت کی ایک صورت ہے اور اس کی ایک حقیقت۔ صورتِ شریعت ایمان باللہ و بالرسول اور ان تمام احکام پر ایمان رکھنے کے بعد احکامِ شرعیہ کے بجالانے سے عبارت ہے۔ جب کہ نفسِ امّارہ کی مزاحمت اور اس کی سرکشی اور بغاوت جو اس کی سرشت میں رکھی گئی ہے' موجود ہو۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صرف اس کی صورت ہے۔ اور اگر نماز ہے تو وہ بھی صورتِ نماز۔ اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی صرف صورتِ روزہ۔ علیٰ ہذا القیاس' دوسرے تمام احکام۔ اس لئے کہ وجود انسان میں نفس جو ایک عمدہ جزو ہے۔ اور قول انا سے ہر ایک فرد کا مشارٌ الیہ بھی یہی نفس ہے۔ ابھی تک اپنے کفر و انکار پر قائم ہے۔ لہٰذا اس حالت میں حقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کی حقیقت کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت ہے کہ صرف صورت کو قبول فرما کر دخولِ جنت کی بشارت دی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کا مقام رضا ہے۔ اور یہ بھی اس کا احسان ہے۔ کہ نفسِ ایمان میں صرف تصدیق بالقلب کے ساتھ کفایت فرمائی۔ اور نفس کے اذعانِ وایقان کے ساتھ مکلّف نہیں فرمایا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ جنّت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحاب صورت' صورتِ جنت سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور اربابِ حقیقت' حقیقتِ جنّت سے۔ اصحابِ صورت اور اربابِ صورتِ جنّت کا میوہ تناول فرمائیں گے۔ صاحبِ صورت اس سے ایک قسم کی لذّت پائے گا۔ اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی لذت۔ ازواج مطہرات امہات المومنین آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ ایک ہی جنّت میں ہونگی۔ اور ایک ہی پھل تناول فرمائیں گے۔ لیکن ہر ایک کے لئے لذّت و نعمت کی الگ

الگ کیفیت ہوگی۔ اور اگر علیحدہ نہ ہو تو ہمارے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم پر امہات المومنین کی افضلیت لازم آتی ہے۔ نیز لازم آتا ہے کہ جو شخص افضل ہو اس کی زوجہ بھی اس سے افضل ہو۔ کیونکہ بیوی خاوند کے ساتھ زندگی گزارتی ہے۔ یہ صورتِ شریعت بشرطِ استقامت فلاح کی موجب اور نجات اُخروی کو مستلزم ہے۔ اور دخولِ جنت کی مصحح ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا۔ اور جب ایک شخص نے صورتِ شریعت درست کر لی تو ولایت عامہ حاصل ہوگئی۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔

اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی عنایت ومہربانی سے سالک اس امر کی استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ کہ طریقت میں قدم رکھے اور ولایت خاصہ کی طرف رُخ کرے اور بتدریج نفس کو امارگی سے اطمینان کو طرف کھینچے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس ولایت خاصہ کے ساتھ منازل وصول طے کرنا بھی اعمالِ شریعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ذکر الٰہی جلّ شانہ جو اس راہ میں عمدہ چیز ہے۔ مامورات شرعیہ میں سے ہے۔ اور ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے۔ اور ادائے فرض اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنیوالی چیز ہے۔ اور پیر راہ بین اور رہنما جو وسیلہ اور ذریعہ بنے' بھی مامور شرعی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

[1] وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ط اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کریں۔

بہر صورت شریعت کے بغیر چارہ نہیں۔ صورتِ شریعت ہو' چاہے حقیقتِ شریعت۔ کیونکہ ولایت ونبوت کے تمام کمالات کے بنیادی ارکان احکام شرعیہ ہیں۔ ولایت کے کمالات صورتِ شریعت کے نتائج ہیں۔ اور کمالاتِ نبوت حقیقتِ شریعت کے ثمرات۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ابھی آئے گا۔ ولایت کے مقدمہ حقیقت ہے جہاں مطلوب کے ماسوا کی نفی اور مقصود کے غیر وغریت کو دور کرنا ہوتا ہے اور جب خداوند جلّ شانہٗ کے فضل سے غیر حق اللہ تعالیٰ کلی طور پر نظر سے ہٹ گیا۔ اور دید میں اغیار کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ تو فنا حاصل ہوگئی۔ اور مقامِ طریقت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ اور سیر الی اللہ مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد مقام اثبات کا آغاز ہوتا ہے۔ جو سیر فی اللہ سے عبارت ہے۔ اور یہی مقام بقا ہے۔ جسے مقامِ حقیقت کہتے ہیں اور یہی ولایت کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اس طریقت وحقیقت سے جو فنا اور بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سالک پر ولایت کا نام صادق آتا ہے۔ اور نفس سرکش نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اور اپنے کفر وانکار سے باز آجاتا ہے۔ اور اپنے مولیٰ جل سلطانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور مولیٰ

---

[1] سورہ مائدہ پارہ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ۔ یاد رہے کہ بعض بے ادب اس آیت میں ''الوسیلہ'' سے صرف اعمال صالحہ مراد لیتے ہیں۔ اور اہل اللہ کی ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ذوات مقدسہ کو وسیلہ قرار دینے کو غلط کہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرّہٗ کی اس تفسیر سے واضح ہے۔ کہ بے ادب لوگوں کو موقف غلط ہے۔ اور اعمال صالحہ کی طرح اہل اللہ بھی وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔ از مترجمہ غفرلہٗ

تعالیٰ بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی سرشت میں احکام شریعت سے جو نفرت پائی جاتی تھی۔ زائل ہو جاتی ہے۔

بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ نفس مقامِ اطمینان میں پہنچ جاتا ہے۔ تاہم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتا۔[1]

ہر چند کہ مطمئنہ گردد ہرگز صفات خود نگردد

اور جہادِ اکبر جس کا ذکر حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ[2] اِلَی الْجِهَادَ الْاَکْبَرِ۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے' میں کیا ہے۔ اس سے مراد یہی نفس سے جہاد ہے۔

اور جو کچھ فقیر کے کشف میں آیا ہے۔ اور اپنے وجدان سے پایا ہے۔ مشائخ کے اس بیان مشہور کے خلاف ہے۔ یہ فقیر حصول اطمینان کے بعد نفس میں کسی قسم کی سرکشی اور بغاوت نہیں پاتا۔ اور نفس کو فرمانبرداری کے مقام میں قیام پذیر دیکھتا ہے۔ بلکہ نفس مطمئنہ کو مضبوط دل کی طرح جو غیر حق کو فراموش کر چکا ہو' پاتا ہے۔ جو غیر اور غیریّت کی دید و دانش سے گذر چکا ہوتا ہے۔ اور جاہ و ریاست کی محبت اور لذّت و تکلیف سے چھوٹ چکا ہوتا ہے۔ مخالفت کہاں رہی۔ اور سرکشی کس نے کرنی ہے۔ یعنی مقامِ اطمینان میں پہنچ کر نفس تمام خرابیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ حصولِ اطمینان سے پہلے اگر بال برابر بھی فرق پڑے تو سرکشی اور بغاوت کے متعلق مشائخ جو کچھ فرماتے ہیں۔ اس کی گنجائش ہے۔ لیکن حصول اطمینان کے بعد مخالفت اور سرکشی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس باب میں اس فقیر نے اگرچہ بڑی تیز اور گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اور اس معمّا کے اندر دور گیا ہے۔ کہ یہ بات قوم کی طے شدہ بات کے خلاف ہے۔ لیکن اللہ سُبحانہٗ کی عنایت سے نفس مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت اور سرکشی نہیں پائی۔ اور ہلاک اور نیست و جانے کے سوا اس میں اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ نفس جب اپنے آپ کو اپنے مولیٰ جلّ سلطانہٗ و تعالیٰ پر قربان کر دے۔ تو پھر مخالفت کی کیا گنجائش رہتی ہے۔ اور جب نفس حق سُبحانہٗ وتعالیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور حضرت حق سُبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی ہو گیا۔ تو سرکشی کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بات رضا کے منافی ہے۔ جو چیز حق جلّ شانہٗ کے پسندیدہ ہو گی۔ وہ ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور فقیر کے نزدیک وَاللّٰهُ سُبحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ جہاد اکبر سے مراد ہو سکتی ہے۔ کہ بدن عنصری سے جہاد ہو جو مختلف طبائع سے مرکّب

---

[1] نفس اگرچہ مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اپنی صفات سے باز نہیں آتا۔

[2] اس حدیث کو شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں اور امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ اور عراقی نے بروایت جابر بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں بروایت جابر اس حدیث کی روائت کی ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جہاد کی تفسیر مجاہدہ قلب اور خواہشات نفسانی کے خلاف مجاہدہ سے کی ہے۔

ہے۔اور اس کی ہر طبیعت ایک امر کی خواہاں ہے اور دوسرے امر سے دور ہونا چاہتی ہے۔اگر شہوانی قوت ہے تو وہ بھی بدن عنصری سے پیدا ہوتی ہے۔اور قوتِ غضبیہ ہے۔تو وہ بھی یہیں سے ظاہر ہوتی ہے۔تم نہیں دیکھتے کہ باقی حیوانات جو نفسِ ناطقہ نہیں رکھتے۔یہ کمینی صفات ان میں موجود ہیں۔اور شہوتِ غضب غلبہِ حرص اور لالچ سے موصوف ہیں۔یہ جہاد ہمیشہ برپا ہے۔نفس کا اطمینان اس جہاد سے تسکین نہیں بخشتا۔اور جنگ کی مضبوطی اس جنگ کو دور نہیں کرتی۔اس جہاد کے باقی رکھنے میں بہت سے فوائد ہیں۔کیونکہ یہ بدن عنصری کے تنقیہ وتطہیر کو شامل ہے۔تاکہ اگلی دنیا کے کمالات اور معاملہِ آخرت بالاصالت اس کے ساتھ وابستہ ہوں۔کیونکہ اس دنیا کے کمالات جسم کے تابع ہیں۔اور قالب متبوع ہے وہاں کام برعکس ہے کہ قلب تابع ہے اور بدن عنصری متبوع۔اور جب اس دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔اور وہ جہان پر تو انداز ہوگا۔تو جہاد اور یہ لڑائی ختم ہو جائے گی۔اور جب اللہ سُبحانہٗ کے فضل سے نفس مقام اطمینان میں آ گیا۔اور خدائے جلّ شانہٗ کے حکم کا فرمانبردار بن گیا۔تو اسلام حقیقی میسّر آ گیا۔اور حقیقتِ ایمان کی صورت جلوہ گر ہوگئی۔اِس کے بعد وُہ جو عمل بھی کرے گا۔حقیقتِ شریعت ہی ہوگا۔اگر نماز ادا ہوگی۔تو وہ بھی حقیقت نماز ہوگئی۔اور اگر روزہ ہے تو وہ بھی حقیقتِ روزہ۔اور اگر حج ہوگا تو وہ بھی حقیقتِ حج۔اس قیاس پر باقی تمام واحکامِ شرعیّہ۔پس طریقت وحقیقت شریعت کی صورت وحقیقت کے درمیان واقع ہیں۔سالک جب تک ولایت خاصہ سے مشرف نہیں ہوتا۔اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک نہیں پہنچتا۔اور جب محض فضلِ خداوندی جلّ سلطانہ سے حقیقت شریعت سے آراستہ ہوا۔اور اسلام حقیقی میسّر ہوا۔تو اب اس قابو ہوا کہ نبوت کے کمالات سے انبیاء علیہم الصّلوات والتسلیمات کی وراثت تبعیّت میں پورا بہرہ ور اور کامل حصہ پاتا ہے۔چنانچہ صورتِ شریعت کمالات ولائت کے لئے پاک درخت کی طرح ہے۔کمالات ولائت حقیقتِ شریعت کے گویا ثمرات ہیں۔اور حقیقتِ شریعت بھی کمالات نبوت کے لئے گویا شجرۂ مبارکہ ہے۔اور یہ کمالات اس کے ثمرات کی طرح ہیں۔اور جب کمالات ولائیت صورت کے ثمرات ہیں۔اور کمالاتِ نبوت حقیقت کے ثمرات۔تو لازماً کمالاتِ ولایت کمالاتِ نبوت کے لئے صورتوں کی طرح ہیں۔اور نبوّت کے کمالات ان صورتوں کے حقائق۔

جاننا چاہیئے۔کہ صورت شریعت اور حقیقتِ شریعت کے درمیان فرق نفس کے راستے سے آیا تھا۔کہ درجہ صورت میں نفس امّارہ سرکشی کی حالت میں اور اپنے انکار پر تھا۔اور حقیقت کے درجہ میں نفس مطمئنہ اور مسلمان ہو جاتا ہے۔اسی طرح کمالاتِ ولائیت کے درمیان جو صورتوں کی طرح ہیں۔اور کمالاتِ نبوت کے درمیان جو حقائق کی طرح ہیں فرق جسم عنصری کی طرف سے ہے۔مقامِ ولائیت میں جسم عنصری کے اجزاء بغاوت وسرکشی سے باز آ جاتے ہیں۔مثلاً جسم عنصری کا جزو نازی اطمینانِ نفس کی وجہ سے اپنے بہتر اور بڑا ہونے کی دعویٰ سے باز آ جاتا ہے۔اور خاکی جزو اپنی عاجزی اور کمینگی سے پشیمان نہیں ہوتا۔اسی طرح باقی اجزاء اور کمالاتِ نبوت کے مقام

میں بدن کے اجزاء اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ اور افراط وتفریط سے نجات پا جاتے ہیں۔ اسی بناء پر ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا۔ اَسْلَمَ شیطانِیْ۔ یعنی میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے۔ شیطان جس طرح آفاق میں ہے۔ انفس میں بھی ہے۔ اور وہ ناری جزو ہے۔ جو اپنے بہتر ہونے کا مدّعی اور اپنی بڑائی اور بلندی کا خواہاں ہے۔ جو صفاتِ رذیلہ میں سے بدترین صفت ہے۔ اور اس کا اسلام لے آنا اس کی ان بُری صفات کے ازالے سے کنایہ ہے۔ پس کمالاتِ نبوت میں اطمینان قلب بھی ہے۔ اور اطمینان نفس بھی۔ اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی۔ اور ولایت میں بس یہی اطمینانِ قلب ہے۔ اور اطمینان نفس بھی۔ اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی۔ اور ولایت میں بس یہی اطمینانِ قلب ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اطمینانِ نفس۔ اور وہ جو میں نے کہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اطمینانِ نفس۔ اس بناء پر کہا۔ کہ نفس کو اطمینانِ کامل اور بے تکلف طور پر اجزائے قالب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اربابِ ولایت نے اجزائے قالب کے عدم اعتدال کے واسطہ سے نفس مطمئنہ کا رجوع صفاتِ بشریّت کی طرف جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا۔ اور جو اطمینان اجزائے قالب کے اعتدال کے بعد نفس کو حاصل ہوتا ہے وہ صفاتِ رذیلہ کی طرف رجوع سے پاک اور مبرا ہے۔ پس نفس کے رذائل کی طرف رجوع کرنے اور رجوع نہ کرنے کا اختلاف مقامات وافکار کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے۔ اور اپنی دانست کے مطابق بات کی ہے۔

سوال: جب کہ قالب کی اجزاء بھی حدِ اعتدال پر آ جاتی ہے۔ اور بغاوت اور سرکشی سے رُک جاتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ جہاد کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کی طرح ان کے ساتھ جہاد کرنے کا سلسلہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔

جواب: نفس مطمئنہ اور ان اجزاء کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ نفس مطمئنہ ہلاکت اور نیستی کی صفت رکھتا ہے۔ اور عالم امر سے ملحق ہے۔ جو کمال نیستی اور سکر سے موصوف ہے۔ اور یہ اجزاء احکام شرعیّہ کی بجا آوری کے واسطہ سے جن کی بناء صحو پر ہے۔ نیستی اور سکر سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اور فانی میں اس مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ اور جو صحو کی حالت میں ہو۔ وہ بعض مصالح اور منافع کی بناء پر صورت کے بعض امور میں اگر مخالفت کرے تو گنجائش ہے۔ امید ہے کہ یہ مخالفت فضلِ خداوندی جلّ سلطانہٗ سے ترکِ استحباب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور کراہت تنزیہہ سے نیچے نہیں جائے گی۔ اس لئے اعتدال اجزاء کے باوجود مرتبہ قالب میں جہاد متصوّر ہے اور نفس مطمئنہ کے درجے میں جہاد جائز ہے۔ اس بحث کی تحقیق مکتوبات کی جلد اوّل کے اس مکتوب میں تفصیل سے تحریر ہو چکی ہے۔ جو اپنے بڑے فرزند مرحوم کے نام بیان طریقہ میں لکھا ہے۔ اگر کچھ پوشیدگی باقی رہ گئی ہو تو اس کی طرف رجوع کریں۔ اور اگر محض فضلِ خداوندی جلّ سلطانہٗ سے کمالاتِ نبوت جو حقیقت شریعت نتائج وثمرات ہیں بھی اختتام کو پہنچ جائیں۔ اور وہاں ترقیاتِ اعمال کے ساتھ وابستہ نہ رہیں۔ تو اس مقام میں معاملہ حضرت رحمان جل سلطانہٗ کے محض فضل واحسان سے وابستہ ہے۔ اعتقاد کا وہاں کوئی اثر نہیں۔ اور علم وعمل کا وہاں کوئی فیصلہ جاری نہیں ہوتا۔ بلکہ

وہاں فضل وفضل اور کرم در کرم ہے۔ یہ مقام سابق مقامات کی نسبت سے بہت بلند ہے۔ اور بڑا وسیع اور فراخ ہے۔ اور جو نورانیت یہ مقام رکھتا ہے۔ مقام سابق میں اس کا اثر بھی نہیں تھا۔ یہ مقام اصالتہ انبیاءِ اُولی العزم علیہم الصّلوات والتسلیمات کے لئے مخصوص ہے۔ اور ان کی فرمانبرداری میں' جسے چاہیں اُسے نواز دیں۔ اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں اس سے مشرّف فرمادیں۔ [1]

باکریماں کا رہا دشوار نیست

یہاں کوئی شخص غلطی نہ کھائے اور یہ نہ ہے۔ کہ اس مقام میں صورت شریعت اور حقیقتِ شریعت سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور احکام شرعیہ کے بجالانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت اس کام کی اصل اور اس معاملہ کی بنیاد ہے۔ درخت چاہے کتنا ہی اونچا اور بلندی میں چلا جائے۔ اور دیوار چاہے کتنی ہی بلندی میں چلی جائے۔ اور محلّات بلند اس پر تعمیر کئے جائیں۔ اصل اور بنیاد سے بے نیازی نہیں ہوسکتی۔ اور اس کی ضرورت سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ مثلاً ایک بلند مقام چاہے کتنی بھی بلندی پیدا کرلے۔ اور پستی سے دور چلا جائے۔ نیچے والے مکان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اَور نیچے والے مکان سے اس کی محتاجی زائل نہیں ہوسکتی۔ اور اگر فرض کے طور پر نیچے والے مکان میں خرابی پیدا ہو۔ تو وہ خرابی اوپر کے کمرے میں بھی اثر کرے گی۔ اور نیچے والے کا زوال اوپر والے کے زوال کا باعث بنے گا۔ پس شریعت ہر وقت اور ہر حال میں درکار ہے۔ اور اس کے احکام کی بجا آوری کے سب محتاج ہیں۔ اور جب خدائے تعالیٰ جل شانہٗ کی مہربانی سے معاملہ اس مقام سے اور بلند ہوتا ہے۔ اور کام فضل سے محبت کی طرف رخ کرتا ہے۔ تو ایک اور مقام سامنے آتا ہے۔ جو بہت بلند ہے۔ اور اصالتہً خاتم الرّسل علیہ وعلیہم وعلیٰ آلِ کلِ الصّلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات کے لئے مخصوص ہے۔ فرمانبرداری اور وراثت کے طور پر جسے چاہیں۔ اس دولت سے مشرّف فرمادیں۔ وہ بلند ترین محل جو غائت بلندی کے باعث چھوٹا نظر آتا ہے۔ حضرت صدیق کے لئے اس مقام میں وراثت کے طور پر صاف تک داخل پاتا ہے۔ اور حضرت فاروق بھی اس دولت سے مستفید ہیں۔ امہات المومنین میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ کو بھی حضور علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ علاقہ زوجیت کی بناء پر اس مقام میں دیکھتا ہے۔ اور اصل معاملہ اللہ سُبحانہٗ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں نیکی اور آسانی مہیا فرما۔

میرے عزیز بھائی معارف آگاہ شیخ عبدالحی نے جب کہ سال ہا سال صحبت میں گزارے ہیں۔ اور اب اپنے وطن کو روانہ ہوا ہے۔ اور وہ مقام اور علاقہ ان کی جناب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے ضرورتاً یہ چند سطریں لکھی ہیں۔ اور مشارٌ الیہ کے حالات سے اطلاع دی ہے۔ اہل کا وجود جہاں بھی ہوں غنیمت ہے۔ اور وہاں کے رہنے

[1] کریم لوگوں کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔

والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ تو مبارک ہو اُسے جس نے اُسے پہچان لیا۔ اور اسی مقام میں میرے برادر عزیز شیخ نور محمد بھی اقامت پذیر ہیں۔ اور فکر و نامرادی میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ وہ مقام ہائے رشک ہے۔ جہاں اس طرح کے دو اہل اللہ ہوں۔ اور دو مبارک ستارے یکجا موجود ہوں۔ والسّلام

خدائے تعالیٰ کی مدد اور اس کی حسنِ توفیق سے مکتوبات شریف کے چھٹے حصے اور دفتر دوم کے پہلے حصے کا اردو ترجمہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اور مترجم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ پڑھنے والوں سے التماس ہے۔ کہ مترجم گناہگار کو اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَ نُوْرِ عَرْشِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ط

محمد سعید احمد نقشبندی غفرلہٗ

خطیب و امام مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لاہور' پاکستان

مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء بروز جمعرات بمطابق

۶ صفر المظفر ۱۳۹۲ ہجری

==========